اسلام اور کشمیر

محمد مشتاق جیلانی پورنوی

گلشن بکس

اسلام اور کشمیر

مؤلف

محمد مشتاق جیلانی

(بی۔اے۔فاضل علوم اسلامیہ، حفظ وقرأت)
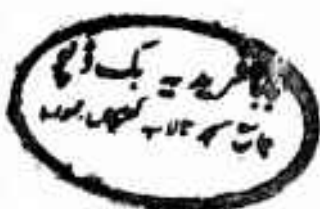
گلشن بُکس

ریذیڈنسی روڈ، سرینگر

نام کتاب	:	اسلام اور کشمیر
مؤلف	:	محمد مشتاق جیلانی پورنوی
تصحیح	:	پیر طریقت حضرت سید قیام الدین حسینی عظمتی سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ عظمتیہ بازبیریاباسی پورنیہ (بہار)
حسب فرمائش	:	عالی جناب الحاج عبدالاحد ٹاک
ناشر	:	عالی جناب الحاج خالد رشید ریشی صاحب
صفحات	:	400
زیرِ اہتمام	:	شیخ اعجاز احمد
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	شبیر احمد
قیمت	:	-/350 روپے

ناشر

گلشن بُکس

ریذیڈنسی روڈ، سرینگر

تقسیم کار

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجرانِ کتب

مدینہ چوک، گاؤکدل سرینگر کشمیر

ریذیڈنسی روڈ سرینگر کشمیر

اسلام اور کشمیر

فہرست

عنوانات		صفحہ نمبر

تحقیق کرامات

اولیاءاللہ کی کرامات برحق ہیں اور زمانہ نبوت سے آج تک کبھی بھی اس مسئلہ میں اہل حق کے درمیان اختلاف نہیں ہوا کہ اولیاء کرام کی کرامتیں حق ہیں اور ہر زمانے میں اللہ والوں کی کرامتوں کا صدور وظہور ہوتا رہا اور انشا اللہ قیامت تک کبھی بھی اس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا۔ بلکہ ہمیشہ اولیاء کرام سے کرامات صادر وظاہر ہوتی رہیں گی۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح کا معجزہ نبی سے ظہور پذیر ہوتا ہے ویسی ہی کرامت ولی سے صدور پذیر ہوسکتی ہے اور یہ کرامت دراصل نبی کا ہی معجزہ ہوتا ہے اس کی صداقت اور اس کے مذہب کے صحیح ہونے کی دلیل ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلاَ اِنَّ اَولِیاَ ءَ اللہ لاَ خَوُف" عَلَیھِم وَ لاَ ھُم یَحزَنُونَ o اَلَّذِینَ اٰمَنُو او کَانُوا یَتَّقُونَ لَھُم البُشریٰ فِي الحَیاۃِ الدنیا وَ فِي الآخِرَۃِ لاَتَبدِیلَ لِلکلماتِ اللہِ ذَالِکَ ھُوَالفوزُ العَظِیمُ•

سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے۔ دنیا کی زند

گی میں آخرت میں اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور دوسری جگہ سورہ کہف پارہ ۱۵ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جن کا ہم یہاں صرف ترجمہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور جب تم ان سے اور جو کچھ وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں سب سے الگ ہو جاؤ تو غار میں پناہ لو تو تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں آسانی کے سامان بنا دے گا ۔اور اے محبوب تم سورج کو دیکھو گے کہ جب نکلتا ہے۔ ان کے غار سے دہنی طرف بچ جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو ان سے دائیں طرف کترا جاتا ہے (کنز الایمان)

امام فخر الدین رازی ؒ اس دوسری آیت کریمہ کی تفسیر فرماتے ہوئے ایک طویل بحث کی ہے۔ اور اس سے

کرامات اولیاء کو ثابت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ہمارے صوفیائے عظام نے کرامات اولیاء کے ثابت کرنے کے لئے اس آیت کو بطور حجت پیش فرمایا ہے اور ان کا یہ استدلال بالکل واضح ہے۔ (تفسیر کبیر)

کرامات اولیاء

نگاہ محبوب خدا میں (صلوات اللہ وسلامہ علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا ہے پنگھوڑے میں صرف تین بچوں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام، زاہد جریج کے دور میں ایک بچے اور ایک اور بچے نے گفتگو کی ہے۔ عیسیٰ کا معاملہ تو ہیں (صحابہ) علم ہے اب رہا جریج تو وہ اسرائیلیوں میں ایک عابد شخص تھا اس کی والدہ تھیں وہ ایک دن نماز پڑھ رہا تھا کہ والدہ کو اس کا پیار آیا اس نے پکارا جریج، جریج کہنے لگا مولا کریم نماز بہتر ہے یا ماں کی زیارت؟ پھر نماز پڑھنے لگ گیا ماں نے دوبارہ پکارہ جریج نے پھر پہلا عمل دہرایا، تین دفعہ ایسا ہی ہوا کہ وہ نماز میں مصروف رہا اور ماں کا خیال نہ کیا۔ ماں کو بات ناگوار گزری اس نے بطور بددعا کہا اللہ بدکار عورتوں کے فتنے میں مبتلا کرنے سے پہلے اسے موت نہ دینا۔ وہاں ایک بدکار عورت رہتی تھی۔ اسرائیلیوں سے کہنے لگی میں جریج کو فتنہ زنا میں مبتلا کر دوں گی۔ وہ اسی کے پاس آئی مگر وہ اس کے ہتھے نہ چڑھ سکا۔ ایک چرواہا جریج کے گرجے کے پاس رات گزار رہا تھا جب جریج آمادہ گناہ نہ ہوا تو چرواہا سے بدی کی اور بچہ جن دیا پھر اعلان کرنے لگی کہ بچہ جریج کا ہے۔ اسرائیلیوں نے جریج کا گرجا گرایا اور اسے گالیاں دیں۔ جریج نے نماز پڑھی دعا مانگی پھر بچے کو ہاتھ سے چوکا دیا حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں گویا میں اب بھی حضور ﷺ کو دیکھ رہا ہوں جب آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا جریج کے

اشارہ کو نقل فرماتے ہوئے لڑکے تیرا باپ کون ہے۔؟ بچے نے کہا چرواہا، لوگ شرمندہ ہو کر جریج سے معذرت خواہ ہونے لگے کہنے لگے ہم سونے چاندی کا گرجا بنادیتے ہیں، جریج نہ مانا اور پھر پہلے کی طرح گرجا بنالیا۔ ایک دوسرے بچے کی گفتگو یوں ہے کہ ایک عورت شیر خوار بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ ایک خوبصورت خوش منظر جوان گزرا عورت نے کہا اللہ میرے بچے کو بھی ایسا ہی بنادے، بچے نے کہا اللہ مجھے اس جیسا نہ کرنا، پھر ایک عورت گزری، چوری اور زنا کا الزام تھا اور وہ سزا پا چکی تھی۔ دودھ دینے والی عورت کہنے لگی اللہ میرے بچے کو اس جیسا نہ بنانا۔ بچے نے کہا اللہ مجھے اس جیسا بنادے۔ جب ماں نے پوچھا تو بچے نے جواب دیا کہ نوجوان تو ایک ظالم و جابر تھا۔ میں اس جیسا نہیں بننا چاہتا تھا اس عورت پر زنا کا الزام تھا، مگر وہ زانی نہ تھی الزام چوری کا تھا مگر وہ چور نہ تھی۔ بلکہ جسی اللہ کہتی جا رہی تھی۔ (صحیح بخاری و مسلم)

ایک دوسری حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کہ کئی پراگندہ مو، غبار سے اٹے اور پھٹے کپڑوں والے ہوتے ہین ان کی کوئی انسان پرواہ تک نہیں کرتا لیکن اگر وہ قسم خدا کسی بات پر کھالیں تو اللہ تعالیٰ انکی قسم پوری فرما دیتا ہے۔ انتباہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی قسم کو کسی خاص چیز سے وابسطہ نہیں فرمایا۔ جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جو بھی قسم کھالیں اللہ رب قدیر اسے پورا فرما دیتا ہے۔

(جامع کرامات اولیاء)

فلسفہء کرامات

مومن متقی سے اگر کوئی ایسی نادر الوجود• و تعجب خیز چیز صادر وظاہر ہو
جو عام طور پر عادتاً نہیں ہوا کرتی تو اس کو کرامت کہتے ہیں۔ اور یہ
کرامت اولیاء کرام کو اس لئے ملتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے نفس میں
خارق عادت پیدا کر لی ہوتی ہے۔ کہ نفس کی طبیعت کے خلاف وہ کام
کرتے ہیں حتیٰ کہ مباح چیزوں سے بھی نفس کو دور رکھتے ہیں۔ شیطان
نفس کے سامنے جن چیزوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے وہ اپنے نفس کو
ان سے بھی دور رکھتے ہیں اگر ترک واجب پر شیطان آمادہ کرے تو اس
کی بات بھی نہیں مانتے۔ جب نفس کو عادت سے ہٹا کر انہوں نے خلاف
عادت تک پہنچایا اور یہ سب رضائے خداوندی کے لئے ہوا تو اتعالیٰ اس
عالم کون وفساد میں ان کے لئے نقض عادت پیدا فرما دیتا ہے۔ اور ان
سے وہ کام ظہور پذیر ہوتے ہیں جو خارق عادت ہوتے ہیں دلوں کی بات
سمجھنا، فضا میں اڑنا وغیرہ اسی قبیل سے ہیں۔ معلوم ہونا چاہے کہ کس اولیاء
کرام سے صادر وظاہر ہونے والی کرامتیں کتنے اقسام کی ہیں اور ان کی
تعداد کتنی ہے؟ اس بارے میں علامہ تاج الدین سبکی علیہ الرحمہ نے اپنی
کتاب طبقات میں تحریر فرمایا ہے کہ میرے خیال میں اولیاء کرام سے جتنی
قسموں کی کرامتیں صادر ہوتی ہیں۔ ان قسموں کی تعداد (۱۱۰۰) یک سو
سے بھی زائد ہے۔ اس کے بعد علامہ موصوف الصدر نے قدرے تفصیل
کے ساتھ کرامت کی ۲۵ قسموں کا بیان فرمایا ہے۔ جن کو ہم ناظرین کی

خدمت میں کچھ مزید تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

۱) مردوں کو زندہ کرنا:۔ یہ وہ کرامت ہے کہ بہت سے اولیاء کرام سے اس کا صدور ہو چکا ہے۔ چنانچہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ ابوعبید بسری جو اپنے دور کے مشاہیر اولیاء میں سے ہیں ایک مرتبہ جہاد میں تشریف لے گئے جب انہوں نے وطن کی طرف واپسی کا ارادہ فرمایا تو ناگہاں ان کا گھوڑا مر گیا۔ مگر ان کی دعا سے اچانک ان کا مرا ہوا گھوڑا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور وہ اس پر سوار ہو کر اپنے وطن ''بسر'' اور خادم کو حکم دیا کہ اس کی زین اور لگام اتار لے۔ خادم نے جونہی زین اور لگام کو گھوڑے سے جدا کیا فوراً ہی گھوڑا مر کر گر پڑا اسی طرح حضرت شیخ مفرج جو علاقہ مصر میں صعید کے باشندے تھے۔ ان کے دستر خوان پر ایک پرندہ کا بچہ بھنا ہوا رکھا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑ کر چلا جا۔ ان الفاظ کا ان کی زبان سے نکلنا تھا۔ کہ ایک لمحہ میں وہ پرندہ کا بچہ زندہ ہو گیا اور اڑ کر چلا گیا۔ اسی طرح حضرت شیخ اہدل علیہ الرحمہ نے اپنی مری ہوئی بلی کو پکارا تو وہ دوڑتی ہوئی شیخ کے سامنے حاضر ہو گئی۔

اسی طرح حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ نے دستر خوان پر پکی ہوئی مرغی کو تناول فرما کر اس کی ہڈیوں کو جمع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اے مرغی تو اس اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو کر کھڑی ہو جا جو سڑی گلی ہڈیوں کو کو زندہ فرمائے گا زبان مبارک سے ان الفاظ کے نکلتے ہی مرغی زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگی اسی طرح حضرت شیخ زین الدین شافعی مدرس مدرسہ شامیہ نے اس بچے کو جس جس مدرسہ کی چھت سے گر کر مر گیا تھا۔ زندہ کر دیا۔ (حجتہ اللہ جلد۲ ص ۸۵۲)

اسی طرح عام طور پر یہ مشہور ہے کہ بغداد شریف میں چار بزرگ ایسے ہوئے جو مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شفاء دیتے تھے اور اپنی دعاؤں سے مردوں کو زندہ کردیتے تھے۔ شیخ ابوسعید قیلوی، شیخ بقا بن بطو و شیخ علی بن ابی نصر ہیتی و۔ شیخ عبدالقادر جیلانی۔ (بہجتہ الاسرار شریف)۔

۲) مردوں سے کلام کرنا:۔ کرامت کی یہ قسم بھی حضرت شیخ ابوسعید خراز اور حضرت غوث لاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ بہت سے اولیاء کرام سے بارہا اور بکثرت منقول ہے۔ (حجتہ اللہ جلد۲ ص ۸۵۶) شیخ علی بن ابی ہیتی کا بیان ہے کہ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہمراہ معروف کرخی علیہ الرحمہ کے مزار مبارک پر گیا اور سلام کیا تو قبر انور سے آواز آئی کہ وعلیک السلام یاسیس اہل انوماہ (حجت ہ الاسرار)۔

شیخ علی بن ابی ہیتی کا بیان ہے کہ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ہمراہ معروف کرخی علیہ الرحمہ کے مزار مبارک پر گیا اور سلام کیا تو قبر انوار سے آواز آئی کہ وعلیکہ السلام یا سید اہل زمان شیخ علی بن ابی نصر ہیتی اور بقا بن بطو یہ دونوں بزرگ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ساتھ حجرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو نا گناں حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ قبر طریف سے باہر نکل آئے اور فرمایا کہ اے عبدالقادر جیلانیؒ میں علم شریعت و طریقت اور علم قال و حال میں تمہار احتاج ہوں۔ (بہجتہ الاسرار)

۳) دریاؤں پر تصرف:۔ دریا کا پھٹ جانا دریا کا خشک ہوجانا دریا پر چلنا بہت سے اولیاء کرام سے ان کرامتوں کا ظہور ہوا ہے۔ بالخصوص سید

المتاخرین حضرت تقی الدین بن رقیق العید علیہ الرحمہ کے لئے تو ان کرا متوں کا بار بار ظہور عام طور پر مشہور خلائق ہے۔ (حجتہ اللہ جلد۲ص ۸۵۶)

۴) انقلاب ماہیت:۔ کسی چیز کی حقیقت کا ناگہاں بدل جانا یہ کرا مت بھی اکثر اولیاء کرام سے منقول ہے۔ چنانچہ شیخ عیسیٰ ہستار عینی علیہ الرحمہ کے پاس بطور مزاق کے کسی بد باطن نے شراب سے بھری ہوئی دو مشکیں تحفہ میں بھیج دیں۔ آپ نے دونوں مشکوں کا منہ کھول کر ایک دوسرے میں شراب کو انڈیل دیا۔ پھر حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگ اس کو تناول فرمائیں حاضرین نے کھایا تو اتنا نفیس اور اس قدر عمدہ گھی تھا کہ عمر بھر بھی لوگون نے اتنا عمدہ گھی نہیں کھایا (حجتہ اللہ جلد۲ص ۸۵۶)

۵) زمین کا سمٹ جانا:۔ سینکڑوں ہزاروں میل کی مسافت کا چند لمحون میں طے ہونا یہ کرامت بھی اس قدر زیادہ اللہ والوں سے منقول ہے کہ اس کی روایت حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ چنانچہ طرطوس کی جامع مسجد میں ایک ولی تشریف فرما تھے۔ اچانک انہوں نے اپنا سر گریبان میں ڈالا اور پھر چند لمحوں میں گریبان سے سر نکالا تو وہ ایک دم حرم کعبہ میں پہنچ گئے۔ (حجتہ اللہ جلد۲ص ۸۵۶)

۶) نباتات سے گفتگو:۔ بہت سے حیوانات و نباتات اور جمادات نے اولیاء کرام سے گفتگو کی جن کی حکایات بکثرت کتابوں میں مذکور ہیں۔ چناچہ حضرت ابراھیم ادھم علیہ الرحمہ بیت المقدس کے راستہ میں ایک چھوٹے سے انار کے درخت کے سایہ میں اتر پڑے تو اس درخت نے باآواز بلند میں کہا اے ابو اسحاق آپ مجھے یہ شرف عطا فرمائیے کہ میرا ایک کھا لیجئے۔ اس درخت کا پھل کھٹا تھا مگر درخت کی تمنا پوری کرنے

کے لئے آپ نے اس کا ایک پھل توڑ کر کھایا۔ تو وہ نہایت ہی میٹھا ہو گیا۔ اور آپ کی برکت سے ہر سال میں دو بار پھل دینے لگا اور وہ درخت اس قدر مشہور ہو گیا کہ لوگ اس کو امانتہ العابدین (عابدوں کا انار) کہنے لگے۔ (حجتہ اللہ جلد۲ ص ۸۵۶)

۷) شفائے امراض۔ اولیاء کرام کے لئے اس کرامت کا ثبوت بھی بکثرت کتابون میں مرقوم ہے۔ چنانچہ حضرت سری سقطی علیہ الرحمہ کا بیان ہے۔ کہ ایک پہاڑ پر میں نے ایک ایسے بزرگ سے ملاقات کی جو اپاہجوں اندھون اور دوسرے قسم قسم کے مریضوں کو خدا کے حکم سے شفا یاب فرماتے تھے۔ (حجتہ اللہ جلد۶ ص ۸۷۷)

۸) جانوروں کا فرماں بردار ہو جانا:۔ بہت سے بزرگون نے اپنی کرامت سے خطرناک درندوں کو اپنا فرمانبردار بنالیا تھا چناچہ حضرت ابوسعید بن ابی الخیر عینی علیہ الرحمہ نے شیروں کو اپنا اطاعت گزار بنا رکھا تھا اور دوسرے بہت سے اولیاء شیروں پر سواری فرماتے تھے جن کی حکایات مشہور ہیں (حجتہ اللہ جلد۲ ص ۸۵۷)

۹) زمانہ کا مختصر ہو جانا:۔ یہ کرامات بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ ان کی صحبت میں لوگوں کو ایسا محسوس ہوا کہ پورا دن اس قدر جلدی گزر گیا کہ گویا گھنٹہ دو گھنٹہ کا وقت گزرا ہے (حجتہ اللہ جلد۲ ص ۸۵۷)

۱۰) زمانہ کا طویل ہو جانا:۔ اس کرامت کا ظہور سینکڑون علماء و مشائخ سے اس طرح ہوا کہ ان بزرگوں نے مختصر سے مختصر وقتوں میں اس قدر زیادہ کام کر لیا کہ دنیا والے اتنا کام مہینوں بلکہ برسوں میں بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ امام شافعی و حجتہ الاسلام امام غزالی و علامہ جلاج الدین سیوطی

وامام اطرمین شیخ محی الدین نووی وغیرہ اور چودھویں صدی ہجری کے امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ جنہوں نے تقریباً ایک ہزا کتب پچاس علو میں تصنیف فرمائیں۔

علماء دین نے اس قدر کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں کہ اگر ان کی عمروں کا حساب لگایا جائے۔ تو روزانہ اتنے زیادہ اوراق ان بزر گوں نے تصنیف فرمائے ہیں کہ کوئی اتنے زیادہ اوراق کو اتنی قلیل مدت میں نقل بھی نہیں کرسکتا حالانکہ یہ اللہ والے تصنیف کے علاوہ دوسرے مشا غل بھی رکھتے تھے اور نفلی عبادتیں بھی بکثرت ادا کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح منقول ہے۔ کہ بعض بزرگوں نے دن و رات میں آٹھ آٹھ ختم قرآن مجید کی تلاوت کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان بزرگون کے اوقات میں اس قدر اور اتنی زیادہ برکت ہوئی ہے کہ جس کو کرامت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔؟ (حجت اللہ جلد۲ ص ۷۵۷)

۱۱) مقبولیت دعا:۔ یہ کرامت بھی بہت زیادہ بزرگوں سے منقول ہے۔

۱۲) خاموش وکلام پر قدرت:۔ بعض بزرگوں نے برسوں تک کسی انسان سے کلام نہیں کیا اور بھی بزرگوں نے نمازوں اور ضروریات کے علاوہ کئی کئی دنوں تک مسلسل وعظ فرمایا اور درس دیا ہے۔

۱۳) دلوں کو اپنی طرف کھینچ لینا:۔ سیکنڑوں اولیاء کرام سے یہ کرامت صادر ہوئی کہ جن بستیوں یا محلوں میں لوگ ان سے عداوت و نفرت رکھتے تھے۔ جب ان حضرات نے وہاں قدم رکھا تو ان کی تو جہات سے ناگہاں سب کے دل ان کی محبت سے لبریز ہو گئے اور سب

کے سب پروانوں کی طرح ان کے قدموں پر نثار ہونے لگے (حجتہ اللہ جلد۲ص ۸۵۷)

۱۴) غیب کی خبریں:۔ اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ اولیاء کرام نے دلوں میں چھپے ہوئے خیالات و خطرات کو جان لیا اور لوگوں کو غیب کی خبریں دیتے رہے اور ان کی پیشن گوئیاں صو فیصدی صحیح ہوتی رہی۔

۱۵) کھائے پیئے بغیر زندہ رہنا: ایسے بزرگوں کی فہرست بہت ہی طویل ہے جو ایک مدت دراز تک بغیر کچھ کھائے پیئے زندہ رہ کر عبادتوں میں مصروف رہے اور انہیں کھانا یا پانی چھوڑ دینے سے ذرہ برابر کوئی ضعف بھی لاحق نہیں ہوا۔

۱۶) نظام غلام میں تصروفات:۔ منقول ہے کہ بہت سے بزرگوں نے شدید قحط کے زمانے میں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرمایا تو ناگہاں آسمان سے موسلادھار بارش ہونے لگی اور مشہور ہے کہ حجرت شیخ ابوالعباس شاعر علیہ الرحمہ تو درہموں کے بدلے بارش فروخت کیا کرتے تھے (حجتہ اللہ جلد۲ص ۸۵۷)

۱۷) بہت زیادہ مقدار میں کھالینا:۔ بعض بزرگوں نے جب چاہا بیسیوں آدمیوں کی خوارک اکیلے کھا گئے اور انہیں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی۔

۱۸) حرام غذاؤں سے محفوظ:۔ بہت سے اولیاء کرام کی یہ کرامت مشہور ہے کہ حرام غذاؤں سے وہ ایک خاص قسم کی بدبو محسوس کرتے تھے۔ چنا چہ حضرت شیخ حارث مجلسی علیہ الرحمہ کے سامنے جب بھی کوئی

حرام غذا لائی جاتی تھی تو انہیں اس غذا سے ایسی ناگوار بدبو محسوس ہوتی تھی کہ وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے اور یہ بھی منقول ہے۔ کہ حرام غذا کو دیکھتے ہی ان کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت شیخ ابوالعباسؒ کے سامنے لوگوں نے امتحان کے طور پر حرام کھانا رکھ دیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر حرام غذا کو دیکھ کر حارث مجلسی علیہ الرحمہ کی ایک رگ پھڑکنے لگی تھی تو میرا یہ حال ہے۔ کہ حرام غذا کے سامنے میری ستر رگیں پھڑکنے لگتی ہیں۔ (حجتہ للہ جلد۲ ص ۸۵۷)

۱۹) دور کی چیزوں کو دیکھنا:۔ شیخ ابو اسحاق شیرازی علیہ الرحمہ کی یہ مشہور کرامت ہے۔ کہ وہ بغداد شریف میں بیٹھے ہوئے کعبہ مکرمہ کو دیکھا کرتے تھے۔ (حجتہ للہ جلد۲ ص ۸۵۷)

۲۰) ہیبت و دبدبہ: بعض اولیاء کرام سے اس کرامت کا صدور اس طور پر ہوا کہ ان کی صورت دیکھ کر بعض لوگوں پر اس قدر خوف و ہراس طاری ہوا کہ ان کا دم نکل گیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کی ہیبت سے ان کی مجلس میں ایک شخص مر گیا۔ (حجتہ اللہ جلد۲ ص ۸۵۷)

۲۱) مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا؛۔ اس کرامت کو صوفیائے کرام کی اصلاح میں ''خلع و لبس'' کہتے ہیں یعنی ایک شکل کو چھوڑ کر دوسری شکل میں ظاہر ہو جانا حضرات صوفیہ کا قول ہے کہ عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان ایک تیسرا عالم بھی ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ اس عالم مثال میں ایک ہی شخص کی روح مختلف جسموں میں ظاہر ہو جایا کرتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے قرآن مجید کی آیت کریمہ فتمثل لھا بشراً سوّیا سے استدلال کیا ہے۔ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت بی بی مریم

کے سامنے ایک تندرست جوان آدمی کی صورت میں ظاہر ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ عالم مثال میں ہوا تھا۔

یہ کرامت بہت سے اولیاء نے دکھائی ہے چنا چہ حضرت قضیب الدین موصلی علیہ الرحمہ جنکا اولیاء کے طبقہ ابدال میں شمار ہوتا ہے۔ کسی نے آپ پر یہ تہمت لگائی کہ آپ نماز نہیں پڑھتے۔ یہ سن کر آپ جلال میں آگئے اور فوراً ہی اپنے آپ کو اس کے سامنے چند صورتوں میں ظاہر کیا۔ اور پوچھا کہ بتا تو نے کس صورت میں مجھ کو ترک نماز کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (حجتہ اللہ جلد ۲ ص ۸۵۸)

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمہ جو مشائخ نقشبندیہ میں بہت ہی ممتاز بزرگ ہیں۔ جب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمہ ان کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے حضرت خواجہ مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمہ کے چہرہ اقدس پر ان کو داغ دھبے نظر آئے جس سے ان کے دل میں کچھ کراہت پیدا ہوئی تو اچانک آپ ان کے سامنے ایک ایسی نورانی شکل میں ظاہر ہو گئے کہ بے اختیار خواجہ عبید اللہ احرار کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا اور وہ فوراً ہی بیعت ہو گئے (رشحات العیون)۔

۲۲) دشمنوں کے شر سے بچنا:۔ خداوند قدوس نے بعض اولیاء کرام کو یہ کرامت بھی عطا فرمائی ہے کہ ظالم امراء سلاطین نے جب ان کے قتل یا ایذا رسانی کا ارادہ کیا۔ تو غیب سے ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ وہ ان کے شر سے محفوظ رہے جیسا کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کو خلیفہ بغداد ہارون رشید نے ایذا رسانی کے خیال سے دربار میں طلب کیا۔ مگر

جب وہ سامنے گئے تو خلیفہ خود پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا کہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ (حجتہ اللہ جلد۲ ص ۸۵۸)

۲۳) زمین کے خزانوں کو دیکھ لینا:۔ بعض اولیاء کرام چھپے ہوئے خزانوں کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ اور اس کو اپنی کرامت سے باہر نکال لیتے تھے۔ چنانچہ شیخ ابوتراب علیہ الرحمہ نے ایک ایسے مقام پر جہاں پانی نایاب تھا۔ زمین پر ایک ٹھوکر مار کر پانی کا چشمہ جاری کر دیا (حجتہ اللہ جلد۲ ص ۸۵۸)

۲۴) مشکلات کا آسان ہو جانا:۔ یہ کرامت بزرگان دین سے بار بار اور بے شمار مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے جس کی سینکڑوں مثالیں ''تذکرۃ الاولیاء'' وغیرہ مستند کتابوں میں مذکور ہیں۔

۲۵) مہلکات کا اثر نہ کرنا:۔ مشہور ہے کہ ایک بد باطن بادشاہ نے کسی خدا رسیدہ بزرگ کو گرفتار کیا اور انہیں مجبور کر دیا وہ کوئی تعجب خیز کرامت دکھائیں ورنہ انہیں اور انکے ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ آپ نے اونٹ کی مینگنیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اٹھا کے لاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا ہیں؟ جب لوگوں نے ان کو اٹھا کر دیکھا تو وہ خالص سونے کے ٹکڑے تھے۔ پھر آپ نے ایک خالی پیالے کو اٹھا کر گھمایا اور اوندھا کر کے بادشاہ کو دیا تو وہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اور اوندھا ہونے کے باوجود اس میں سے ایک قطرہ بھی پانی نہیں گرا۔ یہ دو کرامتیں دیکھ کر یہ بدعقیدہ با دشاہ کہنے لگا کہ یہ سب نظر بندی کے جادو کا کرشمہ ہے پھر بادشاہ نے آگ جلانے کا حکم دیا جب آگ کے شعلے بلند ہوئے تو بادشاہ نے مجلس سماع منعقد کرائی۔ جب ان درویشوں کو سماع سن کر جوش وجد میں حال

آ گیا تو یہ سب لوگ جلتی ہوئی آگ میں داخل ہو کر رقص کرنے لگے۔ پھر ایک درویش بادشاہ کے بچے کو گود میں لے کر آگ میں کود پڑا اور تھوڑی دیر تک بادشاہ کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ بادشا اپنے بچے کے فراق میں بے چین ہو گیا مگر پھر چند منٹوں میں درویش نے بادشاہ کے بچے کو اس حال میں بادشاہ کی گود میں ڈال دیا کہ بچے کے ایک ہاتھ میں سیب اور دوسرے ہاتھ میں انار تھا۔ بادشاہ نے پوچھا بیٹا! تم کہاں چلے گئے تھے؟ تو اس نے کہا کہ میں ایک باغ میں تھا جہاں سے میں یہ پھل لایا ہوں۔ یہ دیکھ کر بھی ظالم و بدعقیدہ بادشاہ کا دل نہیں پسیجا اور اس نے اس بزرگ کو بار بار زہر کا پیالہ پلایا۔ مگر ہر مرتبہ زہر کے اثر سے اس بزرگ کے کپڑے پھٹتے رہے ان کی ذات پر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔
(حجتہ اللہ جلد۲ ص ۸۵۸)

کرامت کی یہ وہ پچیس قسمیں ہیں اور ان کی چند مثالیں ہیں جن کو حضرت علامہ تاج الدین سبکی علیہ الرحمہ نے اپنی کتا ''طبقات'' میں تحریر فرمایا ہے ورنہ اس کے علاوہ کرامات کی بہت سی قسمیں ہیں اور ان کی مثالیں اس قدر زیادہ تعداد میں ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ہزاروں اوراق کا ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ مگر بطور مثال جس قدر ہم نے یہاں تحریر کر دیا وہ طالب حق کی تسکین و روح واطمنان قلب کے لئے بہت کافی ہیں رہ گئے بدعقیدہ منکرین تو ان کی ہدایت کیلئے دلائل تو کیا؟ دور رسالت میں ان کے لئے معجزہ ''شق القمر'' بھی سود مند نہیں ہوا مثل مشہور ہے کہ۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

امام العارفین حضرت سید شرف الدین عبدالرحمٰن (بلبل شاہ صاحب)ؒ

حالاتِ زندگی اور تعلیمات

حضرت بلبل شاہ موسوی سادات کے مشہور و معروف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ موسوی سادات ان حضرات کو کہا جاتا ہے جو سیدنا امام موسوی کاظمؒ کی ذریت سے ہوں۔ حضرت موسیٰ امام جعفرؒ کے خلف الصدق ہیں؟ حضرت جعفر صادقؒ کے والد گرامی کا نام ابو جعفر امام محمد باقرؒ تھا اور وہ امام زین العابدین کے فرزند ارجمند تھے۔ تاریخ کے مطابق امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں ۳۷ صاجزادے اور ۲۳ صاجزادیاں تھیں اور ان کے وارث کثرت کے ساتھ عالم اسلام میں پھیلے۔ ان ہی کو موسوی سادات کہا جاتا ہے۔

حضرت بلبل شاہؒ کا اصل نام سید عبدالرحمٰن تھا۔ شرف الدین کنیت اور بلبل شاہ لقب تھا۔ آپ ترکستان کے رہنے والے تھے۔ وہاں علم و معرفت کی تربیت کے بعد بغداد چلے آئے۔ بغداد میں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت سید شاہ نعمت اللہ ولیؒ فارسی کی ایمانی مجلسوں اور روحانی محفلوں کا عام چرچا تھا۔ وقت کے بڑے بڑے اہل دل ان بزرگان دین کے حلقہ درس میں شامل ہوتے تھے۔ جناب سید بلبل شاہؒ نے بھی ایک عرصے تک بڑی پابندی کے ساتھ حاضری دی۔ اور دونوں بزرگوں کے ساتھ گہرا قریبی رابطہ قائم کیا۔

ظاہری و باطنی علوم وعرفان حاصل کرنے کے بعد اس زمانے کے عام دستور کے مطابق آپ اسلامی دعوت کو عام کرنے کی غرض سے سیاحتِ عالم کیلئے نکلے ۷۲۵ھ میں حضرت بلبل شاہ وارد کشمیر ہوئے۔ اور دعوت وتبلیغ کا آغاز کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں غیاث الدین تغلق کے فرزند سلطان محمد تغلق کی حکمرانی تھی۔ کشمیر میں اس وقت صرف ایک درباری مسلمان شاہ میر کے نام سے موجود تھا۔ یہ کنز سرحد کا رہنے والا تھا اور نقلِ مکانی کر کے یہاں راجہ سہدیو کے دربار میں شامل ہوا تھا۔ اسی بادشاہ کے دربار میں رنچن نام کا ایک تبّتی شہزادہ بھی شامل ہوا تھا۔ یہ شہزادہ وہاں سے بھاگ کر کشمیر میں پناہ گزین ہوا تھا اور باشاہِ وقت نے اسے بھی شاہ میر کی طرح اپنے خاص وزیر کا درجہ دے کر عزت افزائی کی تھی۔

اسی دوران چنگیز خان کے پڑپوتے ذوالجوخان نے کشمیر پر حملہ کیا۔ چاروں طرف ایک طوفان بدتمیزی مچایا۔ راجہ سہدیو مقابلہ کرنے کے بجائے کشتواڑ بھاگ گیا۔ راجہ کے سپہ سالار سری رام چندر جی اور ونہ راء مرزا شاہ، شاہ میر اور رنچن شاہ نے ذوالجوں خان کی واپسی کے بعد دوبارہ حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی اور اس طرح رنچن شاہ نے زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لی۔ مرزا شاہ میر نے ان کے خاص معتمد کی حثیت سے جہاں بانی میں ایک شریک کا مقام پالیا۔

رنچن مذہباً بدھ تھا اور کشمیر میں وارد ہو کر اسے ہندو مذہب کو سمجھنے کا موقع ملا تھا۔ دونوں مذہبوں کے مطالعہ سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ کوئی ایسا مذہب ہو جو اس کی ذہنی اور فکری پریشانی کو دور کرنے پر پورا اتر سکے۔

جب اس کی تشویش اور پریشانی میں اضافہ ہوا تو آخر اس نے ایک شب طے کر لیا کہ کل صبح سب سے پہلے جس شخص پر میری نظر پڑے گی۔ میں اسی کا مذہب قبول کر لوں گا۔

آج جہاں بلبل لنکر کا محلہ واقع ہے۔ اس زمانے میں دریائے جہلم کے کنارے اسی جگہ شاندار محلات اور ان کے مقابل میں دریا کے اس پار یعنی مغرب کی طرف پُر رونق باغ موجود تھے۔ مرکزی محل میں رنچن شاہ کا کمرہ استراحت تھا اور اسی محل کی کھڑکی سے جب صبح سویرے اس نے جھانک کر دیکھا تو اس کی نظر مدِ مقابل باغ میں محوِ عبادت ایک درویش خدا کی سحر آفرین شخصیت پر پڑی۔ یہ مرد قلندر اس وقت نماز صبح ادا کر رہا تھا۔ اور اپنے خدا کے حضور دست بہ دعا کرنے میں مشغول و مصروف تھا۔ جوں ہی وقت کے بادشاہ یعنی رنچن شاہ نے اُسے دیکھا تو گویا اس کے دل و دماغ میں اضطراب وانقلاب کی لہریں اُٹھنے لگیں۔ اسے محسوس ہوا کہ کوئی غیر محسوس کشش اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ اسے جس مرد خدا پر نظر پڑی وہ حضرت بلبل شاہ کی ذات گرامی تھی۔ اور اس کی عبادت یعنی نماز کو بادشاہ نے آج تک کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ لہٰذا دونوں یعنی بلبل شاہ اور اس کی نماز نے اسے بے حد متاثر کیا۔ فوراً اپنے محافظوں کو حکم دیا کہ اس مرد خدا خدا دوست کو دربار میں پورے احترام کے ساتھ کیا جائے۔

حضرت بلبل شاہ کو شاہی دربار میں پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے نہایت ہی شرافت اور محبت کے ساتھ سلام کیا اور بلبل شاہ کا تعارف چاہا۔ حضرت بلبل شاہ نے زبان درفشان سے اپنے اور اپنے دین کا مکمل اور متاثر کن

تعارف کرایا۔ بادشاہ جو کہ پہلے ہی اپنے موروثی مذاہب سے غیر مطمئن ہو چکا تھا اور کسی نئے مگر آسودگی بخشنے والے دین کی تلاش میں تھاہ حضرت بلبل شاہ کی زبانی اسلام سے متعارف اور اسلامی تعلیمات سے اس قدر متاثر ہوا کہ نہ صرف خود اسلام پر ایمان لایا بلکہ اہل سلطنت کے سامنے بھی اسلام کی دعوت رکھی۔ جس کے نتیجے میں پوری سلطنت کے اہم اور کلیدی عہدہ داروں کو اسلام کی نعمت سے سرافراز ہونے کا موقعہ مل گیا۔ اور جب خود بادشاہ اور وزراء نے اسلام قبول کیا تو اس کا اثر عوام پر بھی پڑنے لگا اور بقولِ خواجہ اعظم دیدہ مری وغیرہ مورخین عوام نے بھی اسلام قبول کرنا شروع کیا۔

حضرت بلبل شاہ کشمیر میں بہت کم وقت یعنی دوڈھائی سال رہے۔ ایسا لگتا ہے کہ قدرت نے ان کو یہاں اسی لئے لایا تھا کہ ان کے دستِ حق پرست پر وقت کا بادشاہ اور اس کے عیان سلطنت اسلام لائیں۔ یہ کام انجام دینے میں حضرت بلبل شاہ ہر لحاظ سے کامیاب رہے۔ بلبل شاہ صاحب ۷۲۵ھ سے رجب ۷۲۷ھ تک سرینگر میں رہے اور آخر رجب کی ساتویں تاریخ کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔ اسی محلّہ بلبل لنگر میں، جہاں ان کے ذریعہ رنچن شاہ نے اسلام قبول کیا تھا اور جہاں بادشاہ نے حضرت بلبل شاہ کیلئے ایک خانقاہ بنوائی تھی اور لنگر قائم کیا تھا، اس تاریک ازقلندر کو سپردخاک کیا گیا۔

حضرت بلبل شاہ کے عقیدت مندوں کا ایک اچھا خاصا اور با اثر حلقہ پیدا ہوا تھا۔ ان میں چند قابل ذکر حضرات کا مختصر تعارف یہ ہے۔

۱) **رنچن شاہ:-** یہ اصل میں لداخ کا رہنے والا بودھ شاہزادہ تھا۔

اس کے اسلاف نہ صرف سیاسی اقتدار کے مالک تھے بلکہ بودھ مذہب کی تعلیمات کے پھیلاؤ کے کام میں بھی ان کا خاص حصہ تھا۔ رنچن شاہ کے خاندان میں ''لوچن بورپ گون'' لھاچن جھبوسل، لھاجن جولدور گے بے، گے یوم وغیرہ بہت مشہور اور متعدد حضرات گزرے ہیں۔ لھاچن پورپ نے پرانے گونپاؤں کی مرمت کرائی تھی اور بڈھ مت کی مشہور کتاب گانکبور کی نقلیں کرا کے ان کو اطراف واکناف میں پھیلا دیا تھا۔ پانچ سو لاماؤں کے لئے معاشی مدد کا باضابطہ انتظام کیا تھا۔ اسی لھاچن بورپ گون کے بیٹے کا نام گیاپور (شہزادہ) رنچن تھا۔ شہزادہ کا اپنے باپ کے ساتھ جھگڑا ہوا اور کشیدگی نے اتنا طول کھینچا کہ رنچن شاہ کو سرینگر بھاگنا پڑا۔ یہاں اس وقت کمانڈر ان چیف سری رامچند ر راجپوت نے اسے علاقہ کنگن میں اپنے ساتھ لایا۔ اور اس غرض کے لئے سری نگر بھیجا کہ وہ ذوالجوخان کی پھیلائی ہوئی تباہی کے بعد رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لیکر اس کی رپورٹ سپہ سالار کو دے۔ رنچن شاہ دارالحکومت میں آیا۔ نہایت ذہانت کے ساتھ سلطنت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مرزا شاہ میر کو اپنے ساتھ ملایا۔ آخر وہ دن بھی پہنچا کہ رنچن شاہ نے رامچند ر کے محل پر شب خون مارا۔ رامچند ر مارا گیا اور رنچن شاہ تخت پر قابض ہوا۔ رامچند ر کی بیٹی کوٹہ رانی نے اس سے شادی کی۔ رنچن شاہ نے اسی دوران اسلام قبول کیا۔ حضرت بلبل شاہ نے اس کا نام ملک صدرالدین رکھا۔ رنچن شاہ نے اگرچہ دو ڈھائی سال ہی حکومت کی۔ لیکن اس قلیل مدت میں اس نے تمدنی، معاشریاتی اور سیاسی دائروں میں اہم کام انجام دئے۔ موت نے یاوری نہیں کی اور صرف ڈھائی سال کی

بادشاہی کرنے کے بعد آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ملک صدرالدین کو حضرت بلبل شاہ کی خانقاہ کے قریب ہی دفن کیا گیا۔

شری راون چندر جی رانا:- حضرت بلبل شاہ کے دست حق پرست پر جو دوسرا بہت بڑا با اثر شخص ایمان لایا وہ راون چندر جی رانا تھا۔ راون چندر جی اسی رام چندر کا بیٹا تھا۔ جو راجہ سہدیو کا سپہ سالار تھا۔ اور جسے ریخچن شاہ نے قتل کر کے اقتدار اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اپنی حکومت کو مضبوط بنانے اور باپ کے قتل کے انتقام میں ران چندر جی کی طرف سے کسی امکانی بغاوت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے۔ ریخچن شاہ نے اسے اپنا وزیر بنا کر لار کا ایک بہت بڑا علاقہ بحثیت جاگیر اس کی تحویل میں دے دیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اسے تبت، اسکردہ، لہیہ اور لداخ کا مختارکل بنا دیا۔ تاریخ کے مطابق راون چندر نے حضرت بلبل شاہ کی خدمت میں آ کر تنہا ہی اسلام قبول نہیں کیا جب کہ ایک سو کے قریب اس کے دوست رشتہ دار بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ راون چندر کی اولاد میں جن حضرات نے نام پایا۔ ان میں وزیر ملک موسیٰ رینہ، ملک محمد ناجی اور ملک حیدر چاڈورہ بہت مشہور ہیں۔ اسی خاندان نے بابا عثمان رینہ جیسے خوش نصیب والد کو جنم دیا کہ ان کے گھر میں حضرت شیخ حمزہ مخدومؒ جیسے اپنے وقت کے ولی کامل پیدا ہوئے۔

اب تاریخ میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت بلبل شاہ نے جس شخص کی بھرپور روحانی تربیت کی اور اسے امورِ سلطنت میں توازن برقرار رکھنے اور عدل و انصاف قائم کرنے پر اُبھارا وہ مرزا شاہ میر کی ذات تھی۔ شاہ میر کے آباد اجداد کنز سواد کے رہنے والے اور شاہی

دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ شاہ میر نے اپنے وطن سواد کنر کو خیر باد کر کے کشمیر کے قصبہ بارہ مولہ کو اپنا وطن بنا لیا۔ اہل و عیال بھی ساتھ لایا۔ یہ شخص بہت قابل، باکمال، مدبر، عالم اور باصلاحیت تھا۔ اس وقت تک کشمیر میں مسلمانوں کا عام تعارف نہیں تھا اور نہ ہی مسلمانوں کی کوئی بستی قائم تھی۔ زیادہ سے زیادہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ فوج کے عملے مین چند ایک مسلمان قصائی ہوا کرتے تھے۔ اب جب کہ وادی میں نامور باصلاحیت اور معروف مسلمان داخل ہوا تو وقت کے بادشاہ سہدیو نے اسے اپنی وزارت میں شامل کرنے میں فخر محسوس کیا۔ یہ راجاسہ سہدیو کی حکومت کا ساتواں سال تھا۔ بعد میں جب رینچن شاہ نے تخت پر قبضہ کر لیا تو شاہ میر نے امور جہاں بانی میں اس کی بھرپور مدد کی۔ اور شاہی دربار میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔ رینچن شاہ کے بیٹے حیدر خان (جو کہ چھوٹا تھا) کے اتالیق کی حیثیت سے بھی کام کیا اور ملکی معاملات میں سید بلبل شاہؒ کے مشوروں سے استفادہ کرتے رہے۔

رینچن شاہ کی وفات کے بعد پہلے راجہ سہدیو کے بیٹے اور بعد میں اس کی بیوی کوٹہ رانی کے تخت نشین کیا گیا۔ اس دوران تاتاریوں نے پھر حملہ کیا۔ شاہ میر نے اسے پسپا کرنے میں پوری جرات مندی سے کام لیا۔ کوٹہ رانی نے جب دیکھا کہ شاہ میر جیسے مدبر اور امور سلطنت کو چلانے کی بھرپور مہارت رکھنے والے کے ہوتے ہوئے اس کا رانی کی حیثیت سے راج کرنا ٹھیک نہیں رہے گا تو وہ اقتدار سے الگ ہوگئی۔ اور اس طرح شاہ میر کشمیر کا بادشاہ بن گیا۔ شاہ میر نے اسطرح سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اوران کی اولاد میں سلطان شہاب الدین، سلطان قطب الدین، سلطان

سکندر، سلطان زین العابدین وغیرہ نامور بادشاہ گزرے ہیں۔ شاہ میر نے اقتدار سنبھالتے ہی سلطان شمس الدین کے نام سے حکومت چلانے کا آغاز کیا۔ شاہ میر نے ۷۴۲ھ میں انتقال فرمایا۔ آج کے سنبل کہ جسے ماضی میں اندرکوٹ کہا جاتا تھا، میں دفن کئے گئے۔

شیخ الاسلام ملا احمد رینہ:- تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت بلبل شاہ کے ساتھ کچھ نامور اور اپنے وقت کے اعلیٰ تعلیم یافتہ شخصیتیں بھی یہاں تشریف آور ہوئی تھیں۔ جن میں اہل دل بھی تھے۔ اور اہل علم بھی۔ ان ہی شخصیات میں ملا احمد علامہ کا شمار کیا جاتا ہے۔ آپ سید بلبل شاہ کے نہایت ہی گہرے اور قریبی دوست تھے۔ ان کے ہی تربیت یافتہ بھی تھے۔ اور ان ہی کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ سلطان شمس الدین جب تخت پر بیٹھا تو اسے ایک ایسے اسلامی عالم کی ضرورت محسوس ہوئی جسے فقہ، تاریخ، قانون اور قرآن و حدیث پر پورا پورا عبور ہونا چاہئے تھا۔ حضرت بلبل شاہ کا تو وہ ارادت مند تھا ہی لہذا اس تعلق سے وہ ملا احمد علامہ کی علمی فضیلت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسلامی عبور پر مکمل طور پر عبور رکھنے والے کو اس زمانے میں شیخ الاسلام کہا جاتا۔ اور اسلامی دنیا میں اسے بہت بڑا اور اہم عہدہ سمجھا جاتا تھا۔ بادشاہ نے اس عہدہ کیلئے ملا احمد علامہ کو ہی منتخب کیا۔ ملا احمد علامہ نے اس عہدہ جلیلہ پر ہی فائز ہوتے ہی سارے اسلامی امور اپنے ہاتھ میں لئے، علمی اور دینی درسگاہوں کو قائیم کرنے کی طرف توجہ دی۔ قرآن وحدیث کی اشاعت و ترویج کے لئے مدد سے قائیم کیئے اور اسلامی عدالت کو متعارف کرایا۔ سلطان شمش الدین کے بعد سلطان شہاب الدین کے زمانے میں آپ

اس عہدے پر برقرار رہے۔ آپ نے فقہ وتصوف پر دو کتابیں لکھی ہیں۔ فقہ کی کتاب کا نام فتاوائے شہابی اور سلوک کی کتاب کا نام شہاب ثاقب رکھا۔ آپ نے سلطان شہاب الدین کے زمانے میں وفات پائی اور حضرت بلبل شاہ کے قریب ان ہی کے مقبرے میں سپرد خاک کیے گئے۔

للّہ عارفہ:۔ کشمیر کی قدیم تاریخوں میں للّہ عارفہ کے متعلق جو تفصیلات پائی جاتی ہیں ان میں قدرے تضاد پایا جاتا ہے۔ اس بحث کو نظرانداز کرتے ہوئے قریباً سو برس پہلے لاہور کے ایک مورخ مفتی غلام سرور نے ایک تاریخ خزینۃ الاصفیا کے نام سے یادگار چھوڑی ہے۔ یہ فارسی میں ہے اور اس میں مصنف نے للّہ عارفہ کے بارے میں جو نوٹ لکھا ہے اس کا اختصار یہ ہے (ترجمہ)

> ''للّہ عارفہ کے ماں باپ نے سلطان رنچن شاہ کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ دونوں حضرت بلبل شاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے عقیدتمندوں اور مریدوں میں شامل ہو گئے بی بی للّہ دیوی، کہ جس کی عمر نو سال کی تھی، اکثر اوقات اپنے والدین کے ساتھ حضرت بلبل شاہ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی اور حضرت بلبل شاہ اسے اپنی بیٹی گردانتے تھے اور اس کی تربیت کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ للّہ دیوی خدا کی مرضی سے عارفاتِ کاملات میں شامل ہوگی''

بہرحال للّہ عارفہ سرینگر سے دس میل دور سمپورہ نامی گاؤں کی رہنے والی تھی۔ برہمن گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ حضرت بلبل شاہ کی تربیت

میں آ کر روحانی زندگی میں قدم رکھا۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی ان پر حال کا غلبہ شدید ہونے لگا۔ یہاں تک کہ مجذوبیت بھی مزاج میں شامل ہونے لگی۔ جب مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری کشمیر تشریف لائے تو انہوں نے عوام الناس کی تربیت کی غرض سے یہاں چھ ماہ قیام کیا۔ للّہ عارفہ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور کسی حد تک حال اور مجذوبیت کم ہوگئی۔ حضرت بخاری کے بعد سید حسین سمنانی یہاں تشریف لائے۔ وہ خود حضرت سید جلال الدین بخاری کے نامور خلیفاء میں سے تھے اور ان کے سایہ روحانی میں پروان چڑھے تھے۔ اور للّہ عارفہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان کی مسلسل تربیت میں رہ کر کندن بن گئی۔

حضرت بلبل شاہ کی یادگاروں میں ان کی خانقاہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ سرزمین کشمیر کے وہ اولین خانقاہ ہے جہاں باقاعدہ طور اسلام کی شمع روشن ہوئی۔ حضرت بلبل شاہ یہاں ہی بیٹھ کر غیر مسلموں کو اسلام سمجھاتے تھے۔ مسلمانوں کی دینی تربیت کرتے تھے اور طالبان حق کو قرآن کی معرفت سے مالامال کرتے تھے۔ یہاں ایک لنگر بھی تھا جہاں مسکینوں، یتیموں اور محتاجوں کی رہائش، کفالت، سکونت اور تربیت کا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ خانقاہ ۱۰۱۳ھ میں نذر آتش ہوئی البتہ دوبارہ بن گئی۔ ۱۲۳۶ھ میں سکھ شاہی نے اسے دوسرے مسلمان عبادت گاہوں کی طرح اپنے قبضہ میں لے کر اجناس خانہ میں تبدیل کیا۔ ڈوگروں کی حکومت نے بھی اس کے ساتھ وہی سلوک کیا البتہ ۱۳۵۱ھ میں عوامی دباؤ کے تحت مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت نے اسے مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔

حضرت بلبل شاہ کی ہدایت پر ملک صدرالدین رنچن شاہ نے

۷۲۵ھ میں دریائے جہلم کے کنارے محلّہ عالی کدل میں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی۔ جسے آج بھی مسجد رِتین شاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ مسجد ریخچن شاہ کے محل کے بالکل قریب تھی اور بازشاہ نماز پنجگانہ کے علاوہ جمعہ کی نماز بھی یہاں ہی ادا کرتا تھا۔ ایک مدت کے بعد یہ مسجد نذر آتش ہوئی۔ تاہم اس کی جگہ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی گئی۔ مسجد رِتین شاہ کے دروازے پر ریخچن شاہ نے شاردا زبان میں ایک کتبہ لگوایا تھا۔ جسے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانے میں مسٹر کپور نامی ایک انگریز افسر نے چرایا اور لندن کے عجائب گھر میں پہنچادیا۔ اس کتبے پر مسجد کی تاریخ وغیرہ کندہ تھی۔

اسلامیانِ کشمیر کی تاریخ میں ۷۲۵ھ کو بڑا ہی مبارک سال تصور کیا جاتا ہے۔ حضرت بلبل صاحب اسی سال یہاں تشریف لائے۔ ان کے قیام کشمیر کے دوران بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تاریخ دیدہ مری کے مطابق شاہی خاندان، اہل دربار اور بڑے بڑے مقتدر ارکان کے علاوہ ملکی باشندوں کی ایک بڑی تعداد اسلام کے دائرے میں آگئی۔ منظوم ریشی نامہ کے مطابق صبح سے لیکر شام تک ایک ہی دن میں دس ہزار آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ مفتی سعادت نے حضرت بلبل شاہ کے کرامات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلامی ہدایات کی نشرواشاعت کا یہ ابتدائی زمانہ تھا۔ لوگ بڑے عقائد اور اوہام پرستی کے مشاغل میں مبتلا تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک اپنی مقبوضہ جائداد یہاں تک کہ اپنے خورد نوش کے گذارے کا کچھ حصہ دیوخبات کیلئے مقرر کر کے نہ رکھا جائے۔ تب تک ان کے خورد برد کے تکالیف سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ دیو و جنیات اپنے اغواء سے کام لیکر برتنوں اور ہانڈیوں میں پکے

ہوئے محفوظ کھانے سالن غرض یہ کہ جو کچھ دن کو ملتا، لیتے اور کھاتے تھے۔
بیچارے غریب لوگوں کو پریشان کرتے تھے۔سید بلبل شاہ نے یہ واقعہ
دیکھا اور سنا۔لوگوں نے ان ناگہانی صدمہ رسانیوں کے ازالہ کیلئے ہمت
مرداں مدد خدا' کی گزارش کی۔سید بلبل شاہ نے اپنے مخلص خلفاء اور
خدام کو بلایا۔خانقاہ میں خاص اجلاس منعقد کیا۔قرآن مجید سورہ جن اور
فاتحۃ الکتاب کے آیات پڑھ کر بصدق، دل دعا کی اور اس طرح جنیات
کے جابرانہ تسلط کا نام ونشان تک موجود نہ رہا۔ اسی طرح ایک دن
ہندوستان کا ایک آزاد وضع قلندر کشمیر پہنچا اور سید بلبل شاہ کی خدمت میں
آیا۔ملاقات کی مجلس میں قلندر نے بھنگ کا مطالبہ کیا۔حضرت بلبل شاہ
نے کہا کہ اگر تو بھنگ نوشی نہ کرتا تو دعاؤں میں تجھے بہت سارے فوائد
حاصل ہو جاتے۔قلندر نے جواب دیا کہ یہ تو عادت ہے۔بلبل شاہ نے
فرمایا کہ جس نے عادت ترک نہ کی وہ قلندر نہیں ہوسکتا۔اس جملے کا اتنا
شدید اثر قلندر پر ہوا کہ اسی مجلس میں بھنگ وغیرہ سے ہمیشہ کیلئے توبہ کی۔
حضرت بلبل شاہ کے فرمودات میں یہ اقتباس بہت مشہور ہیں۔

''تلاش کرنے والے کا دل خالص اور زبان پاک ہونے
چاہئے۔اسے حرام سے بھاگنا چاہئے جس طرح ایک جنگل
میں سانپ سے بھاگا جاتا ہے اور حلال چیز کو استعمال کرنے کا
یہ طریقہ ہو کہ انسان صرف زندہ رہنے کے لئے اس سے فائدہ
اٹھائے بالکل اسی طرح جس طرح انسان اضطراری حالت
میں مردار چیز سے صرف زندہ رہنے کے لئے استفادہ کرتا ہے
اور کم سے کم اس کا استعمال کرتا ہے۔ باقی حلال پونجی کو

دوسروں میں بانٹ دینا چاہئے''۔

اصحاب تواریخ کا بیان ہے۔ کہ دعوت اسلام کے اولین داعی حضرت سید شرف الدین عبدالرحمٰن (بلبل شاہ صاحب)رحؒ ترکستان کے رہنے والے تھے انہیں غیبی اشارہ ملا کہ وہ سرینگر میں شاہی محل کے قریب دریائے جہلم کے کنارے پر صبح کی اذان دے کر نماز پڑھیں۔ کیونکہ ان کے دست حق پرست پر رینچن شاہ اور ان کے اہل وعیال کا ایمان لانا مقدور ہو چکا ہے۔ آپ مرشد گرامی سے اجازت لے کر نقل مکانی کر کے اپنے وطن سے نکل آئے اور اسی وقت اس جگہ پہونچے جہان رینچن شاہ نے آپ کو پالیا تھا۔ آپ وقت کے کامل عارف باللہ اور بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ آپ صوری ومعنوی علوم وفنون میں با کمال تھے۔ آپ نے پوری دنیا کی سیرو تفریح اور تجرید میں گزارتے تھے۔ آپ توکل علی للہ میں یگانہ، تجرید مین فرید، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں نادرۂ روز گار تھے۔ آپ ورع اور احتیاط میں ضرب المثل تھے۔ آپ مسلکاً حنفی اور مشرباً سلسلہ عالیہ قادریہ سے وابستہ تھے اور معمولات مشائخ قادریہ کے عامل تھے۔ جن لوگون کو حق جل مجدہ نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کرنے کا شرف عطا فرمایا وہ فقہی مذہب اور مشرب صوفیاء میں انہی کے پیروکار رہے۔ حضرت بلبل شاہ صاحبؒ کو زیادہ عرصہ تک اشاعت دین کے اس عظیم الشان کام کو جاری رکھنے کا موقع نہ ملا۔ ان کے واصل بہ حق ہونے کے بعد امام ربانی میر سید علی ھمدانی نے ایک منظم اور مربوط پروگرام کے تحت تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کی دعوت کو آگے بڑھایا ۔ حضرت بلبل شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ حق تبارک و

تعالیٰ نے مجھے ایک ایسی قدرت وطاقت عطا کی ہے کہ میں کھانے پینے اور اسباب تعیش کے بغیر ہی زندہ رہ سکتا ہوں۔ دوسرا یہ کہ روح کی جسم سے انقطاع کے بغیر ہی دوسری دنیا میں جا سکتا ہوں (یعنی مرنے کے بغیر ہی جسم کے ساتھ جنت میں جا کر گزر بسر کر سکتا ہوں) تیسرا یہ کہ اسی بدن کو میں تا ابدالآباد محافظت کر سکتا ہوں (یعنی نہ کبھی بوڑھا ہونے پاؤں اور نہ ہی کبھی مروں) یہ سب کچھ خدا نے میرے ہاتھ میں دے رکھا ہے۔ لیکن یہ تینوں باتیں سنت نبوی ﷺ کے خلاف ہیں اس لئے میں ان کا ارتکاب نہیں کر سکتا کیونکہ میرے نزدیک خلاف سنت ہزاروں کرامتوں اور عبادتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ جو سنت کے خلاف کی جائے۔ حضرت بلبل شاہؒ کشمیر کے بانی اسلام تھے جیسا کہ اوپر مذکور ہو امام ربانی میر سید علی ہمدانیؒ سے تقریباً پچاس سال پہلے آئے تھے۔ حجرت بلبل شاہؒ معقولات اور مراعات میں کمال مبالغہ سے احتیاط کرتے تھے۔ اس لئے شبہ سے بھی بچتے تھے۔ حضرت بلبل شاہؒ کے ملفوظات میں یہ بھی مرقوم ہے کہ جب تک سالک کا دل خالص اور زبان سالم اس کا بدرقہ نہ ہو تب تک اس راہ کے غول اور شیاطین اس کو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دیں گے۔ حرام سے اس طرح دور رہنا چاہے۔ جیسے کہ بازار میں لوگ مردار سے بھاگ جاتے ہیں۔ حلال کی روزی سے اتنا ہی کھانا چاہئے جتنا کہ مخمصہ میں ایک متقی مردار سے (مجبوراً) کھاتا ہے۔ جب تک بعض حلال چیزوں سے بھی پرہیز نہ کیا جائے تب تک مشتبہ بلکہ حرام سے بھی نہیں بچا جا سکتا ہے۔

بعض مورخین آپ کے بلبل شاہ لقب ہونے کی وجہ تسمیہ یوں بیان

کرتے ہیں کہ ایک دن آپ وضو کرنے کے ارادہ سے نہر کے کنارے پر کھڑے تھے۔ کہ۔ ایک درخت کی ٹہنی پر ایک خوش آواز بلبلؒ دیکھی۔ جو نہایت میٹھی اور دل کو موہ لینے والی آواز میں گا رہی تھی۔ اچانک اس بلبل نے آسمان کی طرف پرواز کی۔ حضرت بلبل شاہؒ نے بھی اس کے پیچھے ہوا میں پرواز کی۔ اور اس خوش آواز بلبل کو پکڑ کر اپنی کوٹھری میں اترے اور بلبل آپ کے ہاتھ میں غائب ہوگئی ایک شخص نے اس واقعہ کی حقیقت حال دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ پرندہ میری روح تھی۔ جو آسمانی دنیا پر چڑھ رہی تھی اور میں اس کے پیچھے گیا اور ہوا سے اپنی روح کو پکڑ کر لایا تو اس شخص نے اس واقعہ کو جھوٹ تصور کیا اور خاموش ہو گیا۔ حضرت بلبل شاہؒ جب اس بات پر مطلع ہوئے تو آپ نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالدیا تو اس پر ملکوت اور لاہوت کے حالات منکشف ہوگئے۔ اور جب لوگوں کو اس واقعہ کی خبر ملی تو انہون نے آپ کا لقب بلبل شاہ صاحبؒ رکھ دیا اس طرح آپ بلبل شاہ کے نام سے معروف و مشہور ہو گئے۔ اور صاحب تاریخ شائق حضرت بلبل شاہ صاحبؒ کے کشف و کرامت کا ایک واقعہ یوں نقل کرتے ہیں کہ ایک دن دریائے جہلم کو یخ لگ گیا تو آپ نے دریا کے کنارے پر آکر فرمایا سورج کو کیا ہوا ہے۔ کہ سردی اتنی بڑھ گئی ہے۔ اسی وقت سورج نکل آیا اور یخ (منجمد پانی) پگھل گیا تو آپ دریا میں غوطہ لگا کر غائب ہوگئے اور چھے مہینے کے بعد دریا سے نکلے اور فرمایا جس وقت میں نے دریا میں غوطہ لگایا تھا اسی وقت دریا کے رہنے والوں نے اکٹھے ہوکر مجھے چھے ماہ تک نہ چھوڑا وہ میری بیعت اور میری باطنی برکتوں سے فیضیاب

ہوتے رہے۔

کہا گیا ہے کہ ایک دن صبح کے وقت آپ پیشاب خشک کرنے کے لئے مٹی کا ڈھیلا اٹھائے تو آپ کی نظر سے وہ مٹی کا ڈھیلا طوطا بن کر پرواز کرنے لگا ایک ہفتہ تک خانقاہ میں ادھر اُدھر پھرتا رہا اور عجیب و غریب باتیں کرتا رہا پھر اچانک غائب ہوگیا۔ غرض کہ آپ مظہر کرامات اور بحر کمالات تھے۔ اگر آپ کر کرامات کو یکجا جمع کیا جئے تو ایک ضخیم کتاب درکار ہوگی۔ بالآخر آپ ماہ رجب ۲۷ھ کو واصل بحق ہوئے اور آپ کی روح عرش الٰہی کے سائے کی طرف پرواز کرگئی۔ اِناَّ للہِ وَ اِناَّ اِلَیہِ رَاجِعوُن۔ آپ کا قبر شریف دریائے جہلم کے مشرقی کنارے پر مولانا احمد علامہ کے قبر کے آگے ہے جو مرجع خلائق خاص و عام ہے

(تذکرۃ العارفین، واقعات کشمیر، تذکرۃ الاولیاء کشمیر)

کشمیر میں اسلام کی آمد

علمائے سیر واخبار کا بیان ہے کہ دعوت اسلام کے اولین داعی حضرت سید شرف الدین عبدالرحمان (بلبل شاہ صاحب) رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے جید عالم ربانی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے صوفی صافی اور عارف باللہ تھے۔ وہ ظاہری اور باطنی علوم وفنون میں یگانہ روزگار تھے۔ تمام عمر کو تنہائی خلوت نشینی اور دنیا کی سیر وسیاحت میں گزارے ان کے مرشد گرامی کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ ان کے مرشد گرامی شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ ہیں لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں کیونکہ حضرت شیخ الشیوخ علیہ الرحمہ کا واقعہ ۶۲۲ ھ کا علیہ ہے اور حضرت بلبل شاہ علیہ الرحمہ کا متفق ظہور ۷۳۵ ھ میں ہوا بیچ میں ایک سو تین سال کا وقفہ ہے۔ اس لحاظ سے حضرت سید عبدالرحمان بلبل شاہ صاحبؒ خواجہ سہروردی میں بلا واسطہ توسل بظاہر بعید معلوم ہوتا ہے۔ اور مورخین کی ایک جماعت ان کو حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کے رشتہ داروں اور مریدوں میں شمار کرتے ہیں۔ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی حجرت شیخ الشیوخ کے خاص نسبت رکھنے والوں میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت سید شرف الدین عبدالرحمان (بلبل شاہ صاحبؒ) راجہ سہدیو کی حکومت کے زمانے میں کشمیر تشریف لائے تا کہ یہاں اسلام کا شمع روشن کریں۔ لیکن صحیح روایات کے مطابق آپ پہلی بار کشمیر تشریف لا کر واپس چلے گئے اور پھر ۷۳۵ ھ میں حکم الٰہی کی تعمیل پر اپنے پیر ومرشد سے اجازت لیکر رینچن شاہ کو دایرہ اسلام میں

لانے کے لئے نقل مکانی کر کے کشمیر تشریف لائے اور اسی وقت اس جگہ پہونچے جہاں ریخچن شاہ نے آپ کو پالیا تھا۔ ریخچن شاہ بدھ مذہب کا پیروکار تھا۔ اس کے زمانے میں کشمیر کے تمام لوگ ایک ہی ملت رکھتے تھے۔ لیکن ان کے مذہبی طریقے جدا جدا تھے۔ ہندو ہونے کے باوجود وہ لوگ عقائد و عبادات میں بھی کافی مختلف تھے۔ اور ہر فرقے کا مذہب جداگانہ نوعیت اختیار کر گیا تھا۔ مثلاً کچھ بت پرست کچھ آفتاب پرست، کچھ آگ پرست، کچھ گائے پرست، کچھ دین اسلام کا عقیدہ رکھتے تھے۔ لیکن وہ بھی بت کو پوجتے تھے ان عقائد کے اختلاف کے سبب لوگ ایک دوسرے سے دست بگیریباں تھے ریخچن اس امر میں کافی پریشان تھا وہ کافی غور و فکر کے بعد بھی صحیح فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ ہر ملت کے لوگوں بیانات کو سنتا اور ان کی پیش کردہ تاویلات پر غور کرتا۔ لیکن ان میں کوئی چیز اس کے دل کو مس نہ کر سکی اور ان ادیان میں سے کوئی بھی دین اسے پسند نہ آیا۔ اس لئے اس کا دل کسی بھی طریقے کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا چنانچہ بموجب ارشاد باری تعالیٰ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ ہر طائفہ اپنے مذہب و ملت کو دعوؤں اور دلیلوں سے برتر و برحق ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کے صفات، محاسن اور مرغوب خاطر ہونے کے تاویلات اور تفصیلات سے ظاہر کرتے تھے۔ لیکن ریخچن شاہ کی ہمت عالی اور عظمت پختہ کو ان تمام مسخ شدہ مذاہب سے کوئی بھی مذہب پسند نہ آیا۔ اس لئے وہ کوئی بھی اصول نہ اپنا سکا۔ اس کا باحوصلہ دردمند کو ان ہندوانہ طریقوں سے کوئی بھی طریقہ غیر منقوص نظر نہ آیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نہایت پریشان ہوا اور بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کرنے

لگا کہ وہ اسے سچی راہ دکھائے آخرایک دن اس کی دعا بارگاہِ صالحیٰ میں قبول ہوئی اور اللہ تبارک تعالٰی نے اس کے دل میں الہام کیا کہ کل صبح سویرے جو بھی پہلا شخص اسے نظر آئے یہ حقیقت کا متلاشی اسی کے دین کی پیروی کرے۔ چنانچہ اس نے عزم مصمم کرلیا کہ کل صبح جس شخص پرسب سے پہلے میری نظر پڑے گی چاہے وہ کسی بھی مذہب کا ننے والا ہو میں اسی کا مذہب اختیار کرلوں گا چناچہ وہ اسی خیال سے ایک الگ کمرے میں چلا گیا اور وہ یہ رات ایک عجیب وغریب کیفیت میں گزاری وہ ساری رات عاجزی وانکساری کے ساتھ بارگاہ الہیٰ میں راہ راست پانے کی دعائیں کررہا تھا اور کیف وسرور کے عالم میں یہ شعر گنگنارہا تھا کہ

یا رب امشب راتحو اہد بو د روز
یا مگر شمع فلک را نیست سو ز
می بسو زم امشب ا ز سو دائے عشق
من ندا رم طا قت غو غا ئے عشق

یعنی اے رب آج کی رات ختم ہوکردن نہیں نکل آئے گا۔ یا شاید آسمان کی شمع میں تپش نہیں ہے۔ میں آج کی شب سودائے عشق میں جل رہا ہوں اور عشق کے غوغا سہنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ صبح سویرے جب کھڑکی کھولی تو گیا دیکھا کہ دریا جہلم کے اس طرف ایک عالی وقار بزرگ فرشتہ پتھر کے مصلے پرنہایت ہی نیازمندی سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ رنچن شاہ کو یہ برگزیدہ طریقہ بہت پسند آیا اوراس پرنور بزرگ کے ملاقات کا خواہش مند ہوا اور جلدی سے اس بزرگ کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ سبھی آداب بجالانے کے بعد ریخچن شاہ نے حضرت بلبل شاہؒ کے دین متین کے بارے میں استفسار کیا کہ حضرت کا پاک دین کیا ہے؟ حجرت بلبل شاہؒ نے کریمانہ خلق سے جواب دیا کہ میرا دین اسلام ہے۔ یہ طریقہ ملت مصطفویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ س اور یہ دین دین حق ہے۔ لہذا میں نے اسی دین کا مستحق طریقہ اختیار کیا ہے۔ پھر حضرت بلبل شاہؒ نے ریخچن شاہ کو اس کی حقیقت بتائی اور نبی کریم ﷺ کے متعلق سب کچھ بتایا اور اس کو کلمہ طیبہ دین اسلام واحکام کی تعلیم دی ریخچن اپنے تمام گھر والوں کو یہ خوش نصیبی بہم پہنچائی۔ دوسرے دن راون چند اور سلطنت کے امراء اور وزراء اور عام لوگ دین اسلام کے شرف سے شرف مند ہوئے۔ اس کے بعد لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔ کہا گیا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ریخچن شاہ اور اس کے پیروکاروں نے اپنے مرشد گرامی کے حکم سے دریائے جہلم کے کنارے پر ایک خانقاہ تعمیر کی۔ یہ کشمیر میں تعمیر ہونے والی پہلی خانقاہ تھی۔ پھر اس نے چند گاؤں، مطبخ، لنگر، اور دوسرے اخراجات کے لئے مقرر کئے۔ اور یہ خانقاہ سلاطین کے عہد تک برابر قائم رہا اس خانقاہ میں فقراء، مساکین دونوں وقت کھانا کھایا کرتے تھے اور اپنے جسمانی وروحانی تسکین حاصل کرتے تھے۔ بعد میں جب حضرت بلبل شاہؒ اسی خانقاہ میں آسودہ ہوگئے تو اس کا نام (بلبل لنگر) پڑ گیا حضرت بلبل شاہؒ نے یہاں نماز جمعہ اور جماعت کی نماز کے لئے ایک مسجد شریف بنوائی جس میں پانچوں وقت خود حاضر ہوا کرتے تھے۔ خود تو آپ اس جگہ سکونت کرتے تھے۔ جہاں آج سید السادات حضرت میر بابا اویسیؒ کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔

وہاں ان کی ایک اونچی اور پر تکلف حویلی تھی۔ ان کا گھر اور خانقاہ پتھروں سے بنایا گیا تھا جن کو کشمیری میں ''دیورکنی'' کہتے ہیں یہ پتھر آج بھی زمین سے نکالے جاتے ہیں۔ موجودہ خانقاہ بظاہر دوسری مرتبہ کی تعمیر ہے۔ اس کے بعد مذکور جامع مسجد شریف جل گئی اور اس جگہ چھوٹی مسجد تعمیر کی گئی۔ جس میں پہلی مسجد کے پتھر نمایاں ہیں۔ یہ مسجد رینچن شاہ کے نام سے مشہور ہے اور آج بھی آباد ہے لوگ اس میں پانچوں وقت نماز ادا کرتے ہیں۔ رینچن شاہ کی حکومت صرف ڈھائی سال تک ہی رہی اور ۷۲۷ھ میں کلَ نفسٍ ذایقتهُ المَوت۔ کی شربت کا پیالہ نوش فرمایا اور ان روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اِنا للهِ وَاِنا اِلیهِ رَاجِعُون۔ حضرت رینچن شاہ کی مبارک زندگی اور مبارک موت کا کیا کہنا جنہوں نے بمصداق من سن سنتہً حسنتہً، اپنے ساتھ دائمی ثواب لے گیا، اور کشمیر میں اسلام کا بول بالا کر کے اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ اس طرح حضرت رینچن شاہ کو کشمیر میں پہلا مسلمان اور مومن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت بلبل شاہؒ نے رینچن شاہ کا نام صدرالدین رکھا اور ان کے وزیر راون چند کا نام شمس الدین رکھا، ان کی قبر خانقاہ کے جنوب کی جانب حضرت بلبل شاہؒ کے مزار کے چبوترے سے باہر واقع ہے۔ جو مرجع خلائق خاص وعام ہے۔ کہا گیا ہے۔ کہ رینچن شاہ کی وفات کے بعد اس کا ایک شیر خوار بچہ جس کا نام حیدر خان تھا کے علاوہ کوئی بھی اس دنیا میں باقی نہ رہا۔ رینچن شاہ کے بعد اس کی منکوحہ بیوی رام چندر کی بیٹی جس کا نام ''کوتہ رین'' تھا اس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی کچھ وقت گزر جانے کے بعد حکومت کے اعلیٰ مشیروں کے مشورے پر

سہدیو کے بھائی اودین کو سواد کیر کے اطراف سے جو شکست کھا کر بھاگ گیا تھا۔ اس کو ڈھونڈ کر لایا۔ اس کے ساتھ نکاح کیا اور رعیت پروری میں مصروف ہو گئی۔ اس نے دو آدمیوں کو اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا۔ ایک شاہ میر اور دوسرا سجہ بٹ کاکاپوری، دونوں سپہ سالار اس وقت کے اہم ترین سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ ریخچن شاہ کے بیٹے حیدر خان اس کی تربیت اور رضاعت شاہ میر خود کرتے تھے۔ انہی دنوں اردن نامی ایک صاحب چشم و جاہ ترک ہیرہ پورہ کے راستے سے ملک کشمیر میں وارد ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب یہاں کوئی مستقل حکومت نہ تھی، بلکہ یہاں کے لوگوں کی تقدیر مختلف سرداروں کے ہاتھوں میں تھا۔ ہر سردار نے اپنی ایک الگ الگ حکومت قائم کر لی تھی۔ آخر شاہ میر اور سجہ بٹ اور رواں چند نے گاوں کے سرکشوں کو خطوط لکھ کر نہایت تدبیر سے آگاہ کیا کہ اگر تم لوگوں نے آج بھی نا اتفاقی کو ترجیع دی۔ تو جان لو کہ ہم پھر ایک ہزیمت اور شکست سے دوچار ہوں گے اور ذوالجو کے واقعہ کی طرح ہم بھی برباد ہو جائیں گے۔ ملک کے ساتھ اہل وعیال اور مال و مکان سب غارت ہو گا۔ لہذا میرا مشورہ یہی ہے کہ ہمت کا کمر کس لو اور متحد و متفق ہو کر دشمن کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یادرکھو کہ ذوالجو کی ویرانی و بربادی کو ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا ہے، وہ ہم سب کی نظروں میں ہے۔ اس لئے میری یہی رائے ہے کہ ہم باہم مل کر حملہ آور دشمنوں کو ملک بدر کریں۔ بس بچنے کی یہی ایک راستہ ہے۔ ورنہ ملک کو فتنہ میں ڈالنا خود کو قتل کرنے اور اپنا عزت وآبرو برباد کرنے کے مترادف ہے۔ جو مردوں اور بہادروں کا کام نہیں ہوتا ہے۔ شاہ میر کے تدبیر اور اس حقیقت پسندانہ پیغام سے

ملک کے کونے کونے میں پیچان پیدا ہوا گاؤں کے سردار ہر طرف سے اٹھے اور متحد ہو گئے اور ترک لشکر کے مقابلے کے لئے صف آراء ہوئے ترکوں نے مصلحت کے سوا اور کوئی چارہ نہیں دیکھا اور واپس لوٹ گئے۔ شاہ میر نے فتح مندی کا اعلان کیا اس دوران دوادین دیوا پنی کم ہمتی اور بے شرمی سے ترک کو دیکھتے ہی بھاگ گیا تھا کوتہ رین نے اسے واپس لے آئی۔ جب دوا دین دیوا پنے اندر حکمرانی کی طاقت نہیں دیکھی تو سلطنت کے تمام کاموں کے انتظام شاہ میر کو سونہ دیئے۔ زمانہ نے نئی چال چل کر پلٹا کھایا۔ دوادین دیو کا جام حیات لبریز ہوا، اس نے پندرہ سال دو ماہ اور دو دن حکومت کر کے مر گیا۔ اس کے بعد کوتہ رین اندر کوٹ چلی گئی اور بھائیوں کے مدد سے حکومت کرتی رہی۔ اسی اثنا میں شاہ میر کو اپنے جد اعلیٰ کی نصیحت یاد آ گئی اور اس نے ملک پر قبضہ کرنے نے کوتہ رین کو شادی کا پیغام بھی دیا۔ چونکہ وہ اس کا رضاعی بھائی تھا اس لئے اس نے انکار کر دیا اب شاہ میر نے اس پر لشکر کشی کی اور تجربہ کار آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اس کو کوٹ کے اندہی کی ٹھان لی ساتھ ہی شاہ میر قید کر دیا اس کا بھائی راون چند بھی اپنے قضا سے مر گیا سجہ بٹ کا کا پوری جو کہ ایک تجربہ کار جرنیل تھا۔ وہ صاحب جاہ وحشم شخص کسی طرح مطیع نہ ہو سکا اور شاہ میر نے اس کو جان سے مار ڈالا۔ اس کے بعد وہ واپس شہر آیا چونکہ اس کے حسن وسلوک سے لوگ خوش تھے۔ اس لئے وہ سب اس کے اقدام پر مطمئن ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر کے لوگ خاص وعام کسی تردد کے بغیر سب مطیع ہو گئے۔ کوٹہ رین اہل خاندان کے چند اشخاص کے ساتھ اندر کوٹ میں تھی شاہ میر نے اس پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس کے ساتھ

شادی کرے لیکن کوٹہ رین نے اس کے شادی کرنے سے انکار کر دیا تو شاہ میر نے جبراً اسے نکاح کرنے پر راضی کر لیا اس بے لطفی کے سبب جو باعث غیرت وعبرت ہے، کوٹہ رین کی موت واقع ہوگئی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ صبح سویرے اس نے اپنے خنجر سے خودکشی کر لی۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ شب عروسی میں اس نے چھری سے اپنا پیٹ چاک کیا اور انتڑیوں کو شاہ میر کے پاس بھیج دیا کہ یہی میرا قبول ہے۔ غرض شاہ میر خالق کائنات کے حسب منشا ۷۴۳ھ میں مسند آرائے سلطنت ہوا اور سلطان شمس الدینؒ کا لقب اختیار کر کے حکومت کرنے لگا۔ یہی وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے اس سرزمین جنت بے نظیر میں باضابطہ طور پر ایک خاندان کی بادشاہت کی داغ بیل ڈالی۔ شاہ میر نے تین سال پانچ ماہ حکومت کی اور ان سلاطین کا جد اعلیٰ بن گیا جنہوں نے سوا دو صدیوں تک یہاں حکومت کی۔ شمس الدین حکومت سنبھالنے کے بعد دین وملت کو کافی فروغ دیا اور بالآخر ۷۴۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اس کے بعد اسکا بیٹا جمشید تخت پر بیٹھا۔ مگر وہ چودہ ماہ حکومت کرنے کے بعد اپنے چھوٹے بھائی علی شاہ کی بغاوت کا شکار ہوا۔ علی شاہ سلطان بنا اور اپنا لقب علاء الدین رکھا علی شاہ کے عہد میں یہاں تین بھائی تھے۔ خلاصمن، پلاسمن اور یاسمن۔ انہوں نے ریشیوں کی طرز پر سخت ریاضت کی۔ وہ وقت کے باکمال بزرگ تھے۔ خلاصمن بڑا تھا اور اس نے عمر بھی کافی پائی تھی تاہم اس کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔ اس کی داڑھی بھی جوان کی طرح سیاہ تھی پلاسمن نے آخری تین دن میں تین بال سفید کئے تھے۔ اس نے بھی بھائی کی طرح کبھی لالچ نہ کی اور مستقیم الحال زندگی گزاری۔ مگر یاسمن نے

عمر کم پائی اور بال بھی سفید کیے تھے۔ اس کے متعلق ایک قصہ مشہور ہے کہ اس نے نندی نامی ایک لولی سے دھوکا کھایا تھا مگر فوراً تائب ہوگیا بلکہ نندی کو بھی جذبہ کر کے راہ حق پر لایا تھا علی شیر نے اپنے نام پر علاء الدین پورہ آباد کیا۔ اس نے ۷۵۸ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا شہاب الدین تخت نشین ہوا۔ مشہور ہے کہ وہ ایک روز اپنے دو رفیقوں کے ساتھ جنگل میں شکار کر رہا تھا کہ ان کو ایک مجذوبہ نے دودھ پلایا اور حکومت کی مژدہ سنائی ان کے واپس گھر پہنچنے سے پہلے سلطان مر گیا اور مجذوبہ کی پیشن گوئی پوری ہوگئی۔ شہاب الدین سلطان ہوا۔ اس کے دو ساتھی چندر داد اور کاوشہ راول اس کے دو وزیر بن گئے۔ کہتے ہیں کہ وہ مجذوبہ للہ عارفہ تھیں، جو اسی زمانے میں شہرت یافتہ تھی اور جنگل میں شہزادے کو ملی۔ پھر اسے مژدہ سنائی تھی۔

عارفہ کاملہ لل مجذوبہ

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ اس کا نام للہ ایشوری تھا۔ وہ پانپور کے ایک برہمن کی بیٹی تھی اور سلطان علاء الدین کے عہد میں ظاہر ہوئی تھی۔ ایک شخص کی زوجیت میں آئی اور گھر کے دھندوں میں پھنس گئی۔ اسی اثنا میں اسے جذبہ الٰہی ہوا اور وہ اندر سے ہی تڑپنے لگی، اس نے کچھ مدت تک اپنے جذبے کو چھپا رکھا اور گھر میں بھی کوئی ان کے حال سے واقف نہ تھا ایک دفعہ وہ اپنے سر شوریدہ پر پانی کا مٹکا اٹھائے چلی آ رہی تھی کہ راستے میں شوہر ملا جو اکثر اس سے خفا رہتا تھا۔ ادھر وہ جذبہ کے آگ سے سلگ رہی تھی اور ادھر اس کا شوہر غضب کے نار سے جل رہا تھا۔ اس

نے دیکھتے ہی ٹھلیا پر ڈنڈا مارا اور وہ ٹوٹ کر گر پڑا مگر پانی مجذوبہ کے سر پر
برابر معلق رہا گھر کے تمام برتن اور کوزے بھر دیئے، پھر بھی بچا رہا جو صحرا
میں ڈالدیا اور وہاں ایک جھیل بن گیا۔ اس طرح یکایک وہ نمودار ہوگئی اور
گھر کے جنجال کو چھوڑ کر صحرا کی راہ لی۔ ''عریان و گریان، در برف باراں''
تڑپتی جارہی تھی۔ بے خورد خواب، دل بے تاب اور چشم پُر آب کے ساتھ صحرا
ئے جنون میں دیوانہ وار کود پڑی۔ مہیب بیابانون میں مارے مارے پھرتی
اور آہ وزاری کرتی تھی۔ ان کا جنون ہی ان کا محافظ تھا۔

بد رقہ لطف چنین نتواں رفت!

زیرا کہ دریں بادیہ باشد خطرے چند

آخر پر مجذوبہ مرجع خلائق بن گئی اور وہ ولی کاملہ ہوئی۔ لل عارفہ
شہاب الدین کے عہد میں دنیا سے چل بسی۔ اس کی رحلت اور مدفن کے
متعلق کافی اختلاف ہے۔ مسلمان اور ہندو اپنے اپنے خیال کے مطابق
گواہیاں دیتے ہیں، مشہور ہے کہ جس جگہ پر آج بچھواڑہ کی جامع مسجد کا
کونہ ہے وہیں پر ان کے انتقال کا وقت آپہونچا تھا دم توڑنے کے وقت
اس کا روح بدن عنصری سے ایک پرندے کی شکل میں آسمان کی طرف اڑ
گیا تھا۔ لوگوں نے شعلے کے ساتھ ہوا میں اور کوئی چیز بھی دیکھا تھا۔ یہ بھی
مذکور ہے کہ مجذوبہ نے مٹی کے دو برتن مانگے تھے اور کہا تھا کہ میں ان میں
مستور ہو جاؤں گی پھر دونوں کوزوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھا گیا اور
وہ اس میں چھپ گئی جب دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا گیا تو وہ
غائب تھی اس کے علاوہ بھی اور کئی روایات ہیں مگر وہ بے سند ہیں۔
یہاں یہ بھی کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے

ساتھ ان کی ملاقات بھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے زمانہ میں حضرت امیرؒ یہاں نہیں آئے تھے۔

سلطان شہاب الدین نے انیس سال تک حکومت کی اور نظم ونسق کو مستحکم کرلیا وہ پچاس ہزار سوار اور پانچ لاکھ پیادے لے کر بارہمولہ کی طرف روانہ ہوا اور کابل و بدخشان تک بڑے بڑے شہر فتح کر لئے۔ پھر ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اور دہلی کے سلطان فیروز کے ساتھ صلح کرلی۔ انہوں نے سرہند تک اپنی سلطنت بڑھائی تھی۔ اس نے شہاب الدین پورہ میں پایا تخت رکھا اور وہاں ایک جامع مسجد بھی بنائی۔ پھر ۷۸۰ھ میں وفات کیا اور بلدکیر میں جہلم کے کنارے اس کا مدفن ہوا تھا۔ اس کے مقبرے پر آج لوگ بستے ہیں اور گنبد کے سوا کچھ موجود نہیں۔ اس نے یہاں بہت سے مندروں کو منہدم کیا جن میں بیجبہاڑہ کا بڑا بت خانہ بھی شامل تھا۔ اور ہر جگہ مساجد تعمیر کیا تھا۔ اس کے عہد کے بعد اس کا بھائی قطب الدین تخت پر بیٹھا اور پایہ تخت قطب الدین پورہ مقرر کیا۔ وہ عادل عالم اور رعیت پرور تھا وہ شاعر بھی تھا اور فصیح کلام کہتا تھا۔ جن کے خلاصہ کلام کا چند نمونہ یہ ہے۔

اے بگرد شمع رویت عالمے پروانہ
وز لب شیریں تو شوریست در ہر خانہ
من بچندیں آشنائی مے خورم خونے جگر
آشنا را حال ایں است وائے بر بیگانہ
قطب مسکین گر گناہے مے کند عیبش مکن
عیب بنود گر گناہے مے کند دیوانہ

کہا گیا ہے کہ اس نیک دل سلطان نے سولہ سال تک حکومت کی اور پھر مسجد جامع کے جوار میں اس جگہ پر آسودہ کیے گئے۔ جو جوئبار کے مشرق میں ہے اس جگہ کو آج بھی ''یاجہ برین'' کہتے ہیں وہاں ایک مشہور قلندر شاہ قطب الدین کا مقبرہ بھی ہے

قطب الدین کے بعد اس کا بیٹا سکندر تخت کشمیر پر آرائے سلطنت ہوا اور زبردست محکم نظم ونسق قائم کرلیا۔ یہی وہ سلطان تھا جس کے عہد میں کشمیریوں نے جوق در جوق آکر اسلام قبول کرلیا۔ مشہور ہے کہ تین خردار زنار کے رشتے جلادیئے گئے تھے۔ جتنے بت خانے رہ گئے تھے ان سب کو مسمار کردیا گیا تھا سکندر پورہ کا مشہور مندر ۸۰۱ھ میں اکھاڑا گیا اور اس جگہ پر شہر کی جامع مسجد کلاں تعمیر کی گئی تھی جس کے تعمیر میں بڑا اہتمام ہوا تھا۔ سعد الدین خراسانی اور سید محمد لورستانی علیہما الرحمہ جیسے ماہر خود معماروں کی رہبری کرتے تھے وہ دونوں اس فن تعمیر میں مشہور آفاق تھے۔ شب روز کام کرکے تین سال تک مسجد شریف مکمل ہوگئی تھی۔ سرینگر کی اس شاندار مسجد جامع میں تین سو بہتر بڑے ستون لگائے گئے، بتیس ستون اس کے چار طاقوں میں ایسے نصب کیے گئے جن کا ارتفاع چالیس گز شرعی تھا اور ان کی ضخامت چھ گز تھی۔ سلطان سکندر بت شکن کا یہ سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ اس کے علاوہ بچھباڑہ کی جامع مسجد بھی بنائی تھی۔ سلطان نے حضرت میر محمد ھمدانیؒ کے حکم سے بدعات اور خرافات کا قلع قمع کیا، مفصدوں کو سختی سے گوشمال کی اور ملک میں امن وامان قایم کرلیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا علی شاہ تخت پر بیٹھا اور سات سال تک حکومت کی۔ وہ حج کے ارادہ سے نکلا اور چھوٹے بھائی شاہی خان کو قایم

مقام بنایا تھا جب جموں پہونچا تو وہاں کے راجہ جو اس کا سسر بھی تھا حکومت چھوڑنے پر ملامت کی اور حج پر جانے سے اسے روک لیا سلطان نے دغاباز کافر سے دھوکا کھایا اور اسی کے فوج سے واپس چڑھ آیا۔ دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی جس میں شاہی خاندان نے فتح پائی۔ علی شاہ مکہ معظمہ میں جاکر طواف کرنے کے بجائے پکلی کے قید خانے کا زینت بنا جہاں سے دار البقا کو چل پڑا تھا اور شاہی خان، زین العابدین کے نام سے بادشاہ بن گیا۔ انہوں نے نوشہرہ میں اپنا تخت گاہ رکھا تھا۔ اس نے علم وادب، صنعت وحرفت اور اخوت کو فروغ دیا وہ کشمیر میں ہر دلعزیز سلطان تھا جسے پیار سے لوگ بڈشاہ کہا کرتے تھے۔ اس نے جھیل ولر میں ایک تاریخی عمارت بنوائی تھی جسے زینہ لنک کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس جزیرے میں ایک مسجد شریف بھی بنائی۔ وہ خود بھی اہل اللہ میں سے تھے۔ اس کے قلب کی صفائی اس واقعہ سے ثابت ہوتی ہے کہ جب وہ ولر میں تھا۔ تو اس کے منجلے بیٹے نے اس کا قصد کیا، سلطان نے روحانی بصیرت سے تاڑھ لیا اور بیٹے سے کہا؛ کہ میری تسبیح لنک کی مسجد شریف میں پڑی ہے۔ اُسے لادو" جب وہ وہاں گیا تو سلطان کو مسجد شریف میں دیکھا کہ ہاتھ میں تسبیح لئے ذکر کر رہے ہیں یہ دیکھ کر بیٹا نادم ہوا۔ سلطان نے کافی یادگار چھوڑے ہیں جن میں سات "زینے" مشہور ہیں۔ یعنی:

زینہ کوٹ، زینہ پور، زینہ دت، زینہ گیر، زینہ کدل، زینہ لنک۔ اور زینہ بازار۔

اس نے باون سال حکومت کی اور ۸۷۸ھ میں وفات کیا۔ اس کا بیٹا سلطان حیدر بادشاہ بنا اور صرف چودہ ماہ تک حکومت کر سکا اس نے باپ

کے وضع کردہ طریقہ کو بدل ڈالا اور قوانین کا ستیاناس کیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے دربار میں بارہ سو ہندی قوال پلتے تھے۔ اسی شامت سے وہ عیش پرست چھت سے گر کر مر گیا اور اس کا بیٹا حسن شاہ سلطان ہوا۔ اس کے عہد میں ایک خوفناک آگ نمودار ہوئی جس سے سرینگر جل کر راکھ ہو گیا۔ سلطان جامع مسجد کے تجدید میں لگ گیا اور اسے پہلے سے بہتر بنا ڈالا جس پر تین سال دو ماہ صرف ہوئے، مسجد عبارات اور نقش و نگار سے سجائی گئی۔ مسجد شریف کی تعمیر تکمیل کو پہنچی تو علاء الدین پورہ جل گیا جس میں خانقاہ معلی سوختہ ہو گئی۔ اس نے اس کے تعمیر نو پر ہمت کا کمر کس لیا، اس کے اطراف میں جن لوگوں کے مکان تھے ان کو خرید کر صحن میں شامل کر دیا۔ قاضی حمید الدین کو اس کی تولیت عطا کی۔ ملک احمد یتو اس کے وزیر تھے اور احمد ماگرے سپاہ سالار۔ انہوں نے محلہ، دیدہ مر میں مسجد سنگین بھی تعمیر کی اور اسی کے متصل اپنے لئے مزار سنگین بنا رکھا تھا۔ سلطان حسن شاہ کے عہد میں ایک ناقابل فراموش واقعہ بھی پیش آیا۔ والئ خراسان سلطان حسین مرزا کی طرف سے میر شمس عراقی کشمیر کی سفارت پر آیا، حسن شاہ کے لئے ایک مکتوب اور پوستین کیش شاہانہ لباس بھی لایا تھا۔ اور بعض تحائف کی فرمائش کا اظہار بھی کیا تھا۔ چونکہ ان ہی ایام مین حسن شاہ کا وفات ہوا اس لئے میر مذکور کو آٹھ سال کا طویل عرصہ یہاں ہی رہنا پڑا۔ اگرچہ اس مدت میں اس نے یہاں مذہبی سعی بھی کی مگر اسے کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ اس نے خود کو شیخ السالکین بابا اسماعیل علیہ الرحمہ کے مریدوں میں منسلک ظاہر کیا۔ اور بابا علی جو شیخ اسماعیل کا خاص مرید تھا، کو اغوا کر لیا کیونکہ علی نجار ایک ان پڑھ شخص تھا جس کے دل کو عقیدتا

ئد باطلہ کا صنم کدہ بنا کر رکھ دیا اس کے بعد لطایف الحیل سے امراء
کشمیر مین عجیب طرح سے تفرقہ ڈالنا شروع کیا اور پھر خراسان واپس چلا
گیا۔ وہاں جب سلطان حسین اس کے باطنی خیانت پر واقف ہوا تو
اسے نوکری سے ہی نکال دیا اسی لئے اس نے پھر کشمیر کا رخت سفر
باندھا۔ حسن شاہ نے بارہ سال تک حکومت کی اور سلطنت میں کافی انقباط
رہا مگر اس کے بعد خلل رونما ہوا امراء نے سرکشی کی مخالفت اور منافقت پر
اتر آئے کچھ فتح شاہ کے ساتھ مل گئے اور کچھ محمد شاہ کو ساتھ دینے لگے
اسی میں میر مذکور بھی پھر کشمیر آ پہنچا، اور چپکے چپکے اپنا کام بھی شروع کیا
بعض چک سردار اس کے معتقد بن گئے۔ بلکہ انہوں نے اسی کا مذہب بھی
قبول کرلیا، امرا میں عداوت کی آگ بھڑکی۔ حسن شاہ کے بعد اس کا کمسن
بیٹا محمد شاہ بادشاہ بنا اور زمام حکومت بیہقی سادات کے ہاتھ میں تھی، مگر
امراء نے ان کی مخالفت کی اور سید حسن بیہقی علیہ الرحمہ کے سمیت چودہ
سیدوں کو دار الامارت میں شہید کر دیا گیا۔ جس سے ایک فتنہ عظیم نے سر
اٹھایا، محمد شاہ کو ڈھائی سال کے بعد معزول کر دیا گیا اور فتح شاہ تخت کا
وارث بن گیا اس کی سرپرستی ملک سیف الدین نے کی مگر ملک شمس چک
نے ملک سرنک رینہ اور موسیٰ رینہ کو اپنے ساتھ ملایا اور سیف خان کے
خلاف ہو گئے، جنگ وجدل پر نوبت ہوئی جس میں دونوں ملک مر گئے
اور شمس چک نے وزارت پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ کی لاپرواہی کی بنا پر اس
کے مقرب میر سید محمد ملک ابراھیم ماگرے، ملک کاجی چک، ملک عید رینہ
وغیرہ اس کے خلاف ہو گئے۔ ملک کو افراتفری نے دبوچ لیا۔ بادشاہ اور
اس کے سردار سب کو انتشار نے اپنے پیٹ میں لیا اور خون ریز جھڑپیں

ہوئیں۔ یہ امر مخفی نہ ہو کہ حسن شاہ کے عہد حکومت میں جو عظیم واقعہ پیش آیا وہ میر شمس کی آمد تھی۔ اس نے شہر میں توطن کیا۔ چند مدت تک خود کو ولا یت دستگاہ شیخ اسماعیل کبروی علیہ الرحمہ کے مریدوں اور متوسلون میں ظاہر کرتے رہا۔ وہ ملت اسلامیہ کی ''مروجان'' پارٹی میں شامل ہو گیا مروجان اس وقت ایک جماعت تھی، جو شعار بت شکنی کے سرفروشیون کی جماعت تھی میر مذکور بظاہر اپنا خاص عقیدت شیخ علیہ الرحمہ کی جانب رکھتا تھا۔ اس طرح حضرت علیہ الرحمہ کے ایک خاص طالب علی نجار کے ساتھ معنوی رابطہ قائم کیا اور اسے اغوا کر لیا۔ چونکہ اس کا ظاہری وضع صاف اور طرزِ گفتگو شستہ تھا۔ بلکہ وہ بعض علوم غربیہ کا بھی ماہر تھا اس لئے بابا علیہ الرحمہ نے اپنے طالبوں سے کہہ رکھا تھا کہ اس مغل کے ساتھ نشست و برخواست نہ رکھو. مگر بابا علی جو نادان محض تھا سب سے زیا دہ اسی کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا بلکہ وہ باطنی طور اس کے ساتھ پیوستہ بھی ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود میر مذکور تردد تھا، اس لئے تاخیر نہیں کی اور واپس چلا گیا۔ جب سلطان حسین کو اس کے باطنی خلل کا پتہ چلا تو اسے برطرف کر دیا اور وہ تیسری بار عازم کشمیر ہوا۔ پہلے کسی کو یہاں کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا جب اسے معلوم ہوا کہ بابا اسماعیل علیہ الرحمہ اب ضعیف العمر ہو گئے ہیں اور انہوں نے لوگوں سے بھی دامن سمیٹ لیا ہے۔ جس سے علی نجار کا بازار گرم ہونے لگا ہے تو میر مذکور نے اس کے نام ایک خط لکھ بھیجا کہ: میں نے اب ترک دُنیا کر لیا ہے اور سید محمد نور بخش علیہ الرحمہ سے خلافت بھی پائی۔ لہذا اب کشمیر آ کر ہی رہوں گا۔ اور گوشہ پکڑ وں گا۔

اس کے بعد بابا علی نے اس کا پرتپاک استقبال کیا اور اسے اپنی خانقاہ میں اتارا اپنے مریدوں کو اس کے حوالے کیا۔ میر مذکور نے اپنی نسبت چند واسطوں سے سید محمد نور بخش کے ساتھ ظاہر کی تھی جو محض لوگوں کو فریب دینے اور ورغلانے کے لئے تھا، ورنہ سید صاحب حضرت امیر کبیر میر سید علی ثانیؒ کے خاص خلیفوں میں سے تھے اور ان عراقی کا ان کے ساتھ انتساب محض افترا تھا۔ اسی افترا سے اس نے اپنا بازار گرم کیا، لوگوں میں اکثر مختلط اور مربوط ہو گئے۔ اب شمس عراقی نے خفیہ طور پر ہی بتدریج مذہب تشیع کی تبلیغ شروع کی بابا علی کی کوشش سے اکثر امراء کے بھی مرجع بن گیا اس نے جڈی بل میں ڈیرہ جمایا اور خلوت نشین ہو کر ریاضت شاقہ کرنے لگا۔ سلطان کے ملازموں سے رابطہ پیدا کر لیا لوگوں کو کرامات اور خوارق کا وعدہ کرتے رہا۔ اکثر سادہ لوحوں نے فریب کھایا یہ سب کچھ ہوا مگر محمد شاہ کے جیتے جی اسکو اس کے اظہار کی جرأت نہ ہو سکی البتہ شیخ اسماعیل علیہ الرحمہ کے مخلصوں کو شہر اور دیہات میں بار بار منحرف کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بلکہ سادہ لوحوں میں اپنی تعلیم بھی پہونچائی اسی اثنا میں محمد شاہ کا سپہ سالار ملک کاجی چک، غازی خان کے ساتھ شمس عراقی کے پاس آنے لگا وہ اس کے مذہب میں داخل ہو گیا مملکت میں وہ ایک بااختیار سردار تھا۔ عراقی نے دونوں سرداروں کو اس بات پر تیار کر لیا کہ خانقاہ امیریہ جو کہ یکس منزلہ تھی گرادیا جائے اور پھر اسے دو آشیانہ بنا لیں۔ اس سے اس کا غرض یہ تھا کہ خانقاہ کو ویران کر کے اس کے تعمیر نو میں تغافل برتا جائے گا اور لوگ خانقاہِ جڈی بل کی طرف رجوع کریں۔ چونکہ وہ دونوں سردار مدار الہام تھے اس لئے انہوں

نے محمد شاہ کو راضی کر کے خانقاہ معلیٰ کو منہدم کرا دیا پھر اس کی تعمیر میں
تغافل ہوا اور میر مذکور کا منشاء پورا ہونے لگا۔ کاجی چک کی بہن محمد شاہ کی
بیوی تھی اس کا نام "صالح ماجی" تھا۔ وہ شیخ اسماعیل کی مریدہ تھی وہی پھر
تائید الہیٰ سے غیرت میں آئی۔ اس نے تمام زیوارات، پرانے آلات،
پوشاک، اور جہیز کو یکجا کیا اسی کے ساتھ خانقاہ کے تعمیر پر کمر بستہ ہوگئی جس
سے دشمنان دین کا کمر ٹوٹ گیا بی بی نے اس وقت کے معمول کیمطابق
تین ہزار روپیہ اور ساٹھ ہزار تنکہ خانقاہ کی تعمیر میں صرف کر ڈالا اور اسے
دو آشیانہ بنا دیا اس کے تزئین اور ترتیب میں عقیدت اور اخلاس سے کام
لیا جب خانقاہ تیار ہوگئی تو بارہ سو "زینہ گیری" پٹو جسے اس زمانہ کے عرف
میں زینہ جامہ کہتے کارکنوں، معماروں اور نجاروں کو دیئے تھے اسی طرح
پانچ ہزار پٹو کی ٹوپیاں مزدوروں کو انعام میں مل گئیں۔ پھر شہر میں دس
ہزار لوگون کو کھانا کھلایا۔ چھت کے کنگروں پر قلس چھوڑنے کے دن ایک
وقف نامہ محمد شاہ کے مہر سے درست کیا اور اس کی تولیت سید محمد بن سید علی
کے نام تفویض کی جو سادات سینہ میں سے تھے "ومن دخلہ کان امنا" اس کا
تاریخ تمام ہوا اسی اثنا میں تقدیر الہیٰ سے ملک موسیٰ چوڈوری میر شمس کا
منبع بنا جس سے اس کا بازار گرم تر ہوگیا۔ اس نے احوت نام کی ایک
کتاب بھی لکھی جو شیعہ مذہب کی ترجمانی کرتی تھی۔ بابا علی نجار نے حسن
آباد میں اغوائے مردم کا بازار گرمایا۔ اکثر اکھڑ لوگ اس کے خریدار بن
گئے تھے۔ حسن آباد اور بابا پورہ کے باشندے اسی نجار کے اولاد ہیں اس
کے بعد بابا خلیل، بابا طالب اور شیخ حسن جڈی بلی نے بھی اپنے اپنے
وقت میر مذکور کو تسلیم کرلیا۔ انہوں نے اس کی تائید کی اور پھر اسی کے

مذہب میں داخل ہو گئے۔ اس طرح اس کے مذہب نے شیوخ پایا جس کا اثر تبت اور دیگر اطراف میں بھی پہونچا۔

فتح شاہ کے بھائی محمد شاہ کو ملک ابراھیم نے ورغلایا اور دونوں برادروں میں رزم آرائیاں ہوگیئں۔ فوج کی کمان سرداروں کے ہاتھوں میں تھی، محمد شاہ نے ہندوستان کے بادشاہ سکندر لودھی سے مدد حاصل کی اور خونریز جنگ چھڑ گئی لڑائی میں فتح شاہ مغلوب ہوا اور کوہستان میں جا چھپا جہاں اس کی وفات ہوئی۔ وہاں سے اس کی نعش کو اٹھا لایا گیا اور اسے مزار سلاطین میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت امیر کبیرؒ کی کلاہ مبارکہ بھی اس کی وصیت کے مطابق اسی کے ساتھ دفن کر دی گئی۔ جب یہ بات بابا اسماعیل کے خلیفہ شیخ فتح اللہ نے سنی تو فرمایا کہ ان سے سلطنت چلی گئی۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ جب محمد شاہ تخت پر بیٹھا تو نوکروں نے اٹھ کر سرداری حاصل کر لی اور قتل غارت کا بازار گرم ہوا۔ چند سرداروں نے ہندوستان جا کر ہمایوں بادشاہ سے مدد لائی۔ اس فوج کی قیادت محرم بیگ اور علی شاہ کر رہے تھے۔ اس واقعہ کی مدحیہ تاریخ اس وقت کے شاعر نے اس کی ترجمانی یوں کی ؎

بحکم بادشاہی کز حریم
بفہم آساں شود تفہیم فردوس
سفر کردم بسوئے شہر کشمیر
کہ از خوبی دہد تعلیم فردوس
چو کردم فتح نیم اد بتاریخ
خرد گفتا کہ فتح نیم فردوس

کہا گیا ہے کہ کشمیر کے سردار اتھوا جن میں تھے۔ اور محرم بیگ وہین جا پہنچا امراء کوہ سلیمان پر جا بیٹھے۔ جنگ میں محرم بیگ مغلوب ہوا تو صلح ہوئی اور وہ واپس چلا گیا، اس اثنا میں کاشغر سے سلطان سعید خان آیا اور تبت میں ٹھہرے رہا۔ اس نے اپنے بیٹے سکندر خان کی قیادت مین فوج کو آگے روانہ کیا جو نوشہرہ میں خیمہ زن ہو گیا وہ کل چار ہزار تھے۔ ان کا سپہ سالار اس کا نامور بھتیجا مرزا حیدر مقرر ہوا۔ انھوں نے جاڑے کے سرد موسم میں کامراج کا رخ کیا اور ہر طرف ہل چل مچادی پھر شہر کی طرف چل پڑا اور اسے تسخیر کیا۔ اس واقعہ کو اس وقت کا ایک نامور شاعر سعید خان کو لکھ بھیجتا یہ شعر۔

الحمد للہ کا ن شا ہ عا دل
سلطا ن سکندر خاقانِ دوَرا ن
بر گرد اعداد ر روز ہیجا
قادر شد آں دم لطف یزداں
تا ریخ فخش الحق کہ ایں است
روز چہا رم از ما ہ شعبا ن !!

اس طرح کاشغریوں کا حسملہ ہر طرف سے تھا۔ اس لئے زمستان میں کشمیریوں نے سخت اذیت اُٹھائی مگر بہار میں صلح ہوئی۔ چونکہ وہ پورا سال جنگ میں گزرا اس لئے کسی قسم کی زراعت وغیرہ آبادی نہ ہوسکی۔ اور ملک میں ایک عظیم قحط پڑا جس سے لوگوں کی کثیر تعداد لقمہ اجل ہو گئے تھے۔ اس دردناک قحط کا نقشہ ایک شاعر نے یوں کھینچا ہے۔

قحط تا جدیکہ خلق از فرط بے قوتی چو شمع
جسم خود را سوختے بر آتش و بردے بکار

اس طرح لوگ مصیبت میں تڑپ رہے تھے۔
محمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا شمس الدین تخت پر بیٹھا لیکن حکومت کا جی چک کے ہاتھ میں تھی جو محمد شاہ کا بہادر سپہ سالار تھا۔ وہ پہاڑوں میں چھپ چھپ کر حملہ کر دیتا تھا
شمس الدین شاہ ایک سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا تو اس کا بھائی اسماعیل تخت نشین ہو گیا اس کے عہد میں کا جی چک نے شعیت کو فروغ دیا۔ کیونکہ وہ محمد شاہ کا سالا اور اسماعیل کا سسر تھا گویا اسماعیل کی ماں اس کی بہن تھی اور بیوی بیٹی، وہی دوہرا رشتہ کام آیا کیونکہ ماموں اور سسر ہونے کے باعث کا جی چک مختار کل بن بیٹھا اس نے مذہبی تعصب کو ہوا دیا اور امراء باہم دست و گریبان ہو گئے۔ پرگنہ جات کی بندر بانٹ ہوئی اور جو قبیلے بر سر اقتدار آئے ان میں ماگرے چاڈوری، ملک اور بتو وغیرہ زیادہ مشہور رہیں۔ اسماعیل شاہ کے بعد اس کا کمسن بیٹا بادشاہ ہوا اور وہ مرزا حیدر کے سامنے ٹک نہ سکا جس نے ان دنوں کشمیر میں اپنا جھنڈا لہرا رکھا تھا.

اس سارے تفصیل کی اجمالی یہ ہے۔ کہ ملک ابدال ماگرے اور ریکی چک سنی المذہب تھے۔ انہوں نے جب یہاں شیعوں کا غلبہ پایا اور چکوں کے ظلم و ستم کو دیکھا تو اپنے فرزندوں کو لاہور بھیجا تا کہ ہمایوں کے پاس رہیں۔ اس کے ساتھ شمس عراقی کے تسلط شیعوں کے غلبہ اور چکوں کے مذہبی تعصب کی تفصیل بھی لکھی۔ بلکہ احوت نام کی کتاب بھی دربار

میں روانہ کر دی اس کے ساتھ یہ بھی درخواست کی کہ کشمیر میں فوج بھیج دیا جائے اور کشمیریوں کو چکوں کے ظلم سے بچائیں۔ مگر ان دنوں ہمایوں کو شیر شاہ غالب آچکا تھا اور وہ نہایت پریشان تھا، وہ کچھ نہ کر سکا۔ ملک ابدال اور مرزا حیدر نے بہت کوشش کی کہ بادشاہ کشمیر پر چڑھائی کرلے مگر فضول وہ ان کی بات کو سمجھ نہ سکا بلکہ خود بھاگ کر ایران جا پہنچا تاہم مرزا حیدر نے ہمت نہ ہاری بلکہ اپنے بل بوتے پر ہی کچھ فوج لے کر چیرہ ہار کے راستے کشمیر کی طرف کوچ کر آیا۔ مگر اس سفر مین ملک ابدال نے وفات پائی۔ ادھر کاجی چک بھی ہیرہ پورہ کی طرف سے چل کر ہندوستان پہنچا اور شیر شاہ سے مدد حاصل کی اسطرح ایک نئی کش مکش شروع ہوگئی۔ مگر کاجی چک کے واپس آنے سے پہلے ہی مرزا حیدر نے کشمیر پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس نے عیدی رینہ اور ریکی چک کو کاجی چک کے مقابلے میں بھیجدیا لڑائی ہوگئی۔ نوروز چک اس لڑائی میں قتل ہوا اور کاجی چک بھاگا۔ پھر ملک رینہ کے حسن انتظام سے فتح شاہ کا کمسن بیٹا نازک شاہ بادشاہ بنا مگر اصل میں حکومت مرزا حیدر ہی کر رہا تھا۔ جو کہ ایک زبردست منتظم اور نیک دل تھا۔

چونکہ شاہمیری دور میں مرزا حیدر ایک غیر کشمیری شخص اچانک ایک قابل حکمران کی حیثیت سے نمودار ہوا تھا اس لئے ضروری ہوا کہ تاریخ اعظمی کی عبارت سے ان اصلیت اور کارنامے جانیں گے اور ان کی زندگی کا مختصر خاکہ بنائیں گے۔

کہتے ہیں مرزا حیدر علیہ الرحمہ کاشغر کے والی سعید خان کے برادر زادہ تھے۔ دوسری طرف وہ ہندوستان کے بادشاہ اور مغلیہ سلطنت کے با

نی محمد ظہیر الدین بابر کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اس طرح ان کی خاندانی اور شعوبی حیثیت نہایت بلند تھی۔ ذاتی طور پر بھی وہ ہر لحاظ قابل جرنیل تھے۔ دینی علوم اور مروجہ تعلیم سے کامل طور پر بہرہ ور تھے۔ ایک شاعر ہونے کے علاوہ بلند پایہ مورخ بھی تھے۔ ان کی تاریخ رشیدی ایک معتبر اور قابل قدر تصنیف ہے۔ وہ نہایت ذہین اور غیر معمولی طور پر عقلمند بھی تھے ان کی ذات سے اہل شہر کو کافی فائدہ ملا تھا چنانچہ وہ مقامی طور پر کئی چیزوں کے موجد بھی تھے۔ خواجہ اعظم علیہ الرحمہ کے الفاظ یوں ہیں۔

چنانچہ بدر پر داب میان اسواق و کاغذ گیرد
اختراع خشک کردن مثالی بظروف آتش کہ آں را نارہ للو
گو یند و حمام وغیرہ بہم رسانیدہ است
سوائے ایں از منافع عامہ از ایشان بسیار منقول است

غرض مرزا نے اپنی غیر معمولی ذہانت سے مقامی طور پر عجیب ڈھنگ سے آلات اور اوزار بنائے جو کشمیر میں آج تک برابر مستعمل ہیں۔ مرزا مرحوم ایک پکا مسلمان اور متشرع شخص تھا وہ مومنانہ صفات سے متصف تھے۔ علم دوست ہونے کی وجہ سے عالموں کی قدر اور اسلام کی تعظیم کرنا ان کا شعار تھا۔ علوم کی فروغ اور اسلام کی ترویج میں اپنا پورا وقت صرف کیا تھا وہ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ حسن اخلاق اور عدل و انصاف کے لئے بھی وہ نہایت مشہور تھے۔ اس لئے اہل کشمیران سے خوش تھے۔ وہ اُت مند اور دلیر سپاہی تھے اور ان کی بہادری مشہور تھی۔ مرزا حیدر علیہ الرحمہ ایک مدبر سیاست دان اور طاقت ور حکمران کی حیثیت سے ابھرے تھے، وہ نظم و ضبط امان قائم

کرنیوالا منتظم تھے۔ انہوں نے مفسدوں کو سختی سے دبایا اور منافقوں کو زبردست گوشمال دی دشمنوں کے ہاتھوں سے تلوار چھین لی ان کو نہتا کر دیا پھر مغرور اور متکبر چکوں کو اپنے سامنے جھکا دیا اور اب کوئی سرکش سن مانی نہیں کر سکتا تھا۔ حسن انتظام سے امراء سلطنت بھی انکے حمایتی بن گئے تھے ملک میری رینہ حسن رینہ ملک ناجی اور خواجہ حاجی بانڈے وغیرہ سب سرداروں نے بخوشی ان کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اور ملک میں پھر سے امن وامان قائم ہوا تھا۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود انہوں نے اہل تشیعہ کو کافی ستایا اور ان کی زبردست تنبیہ کی۔ میر شمس عراقی کے بیٹے بابا دانیال کو تبت سے لا کر قتل کرایا۔ شیعوں کے ایک اور پیر شنگلی کو پکڑ کر ہلاک کر دیا۔ جو پریسپور حدود میں ریشیوں اور فقیروں کے بھیس میں چھپا بیٹھا تھا۔ وہ خود کو بابا علی کا مرید کہتا تھا اس کا سر شالی کوب سے پھاڑ دیا گیا اور پھر اس کے جسم کے ٹکڑے الگ الگ کر دیئے گئے تھے جن کو بڑی خواری کے ساتھ آگ میں جلا دیا گیا تھا۔ شہر میں داعیان رفض کی ایک بڑی جماعت تھی جسے تہہ تیغ کر دیا گیا۔ ان امور کی بنیاد پر لوگ مرزا سے سہم کر کبیدہ خاطر ہوئے اور اکثر ان کے سخت دشمن بن گئے۔ خود عیدی رینہ نے بغاوت کی۔ مرزا مرحوم نے اپنے بھتیجے کو سرداروں کے ساتھ کوہستان کا نظم ونسق مظبوط کرنے کے لئے روانہ کر دیا اور خود فوج لیکر تبت چلا گیا تا کہ اسے تسخیر کرے۔ ملا قاسم اور ملا باقی وغیرہ کو بھی ساتھ لے گیا وہاں سے واپس آئے تو مذکورہ فوج کے ساتھ متصادم ہو گئے ایک خوں ریز جنگ چھڑ گئی، میدان کارزار گرم ہوا اور ہزاروں سپاہی کٹ مرے مرزا کی فوج نے بہادری کے جوہر دکھائے اور دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے لیکن کم ہو

نے کی وجہ سے آخر انہوں نے شکست کھائی اور بڑے بڑے سردار مارے گئے جن میں ملا قاسم بھی شامل تھا۔ اور ملا باقی بھاگ کر مرزا کے پاس آیا۔ ملا عبداللہ نے بھی شکست کھائی اور پھر قصبہ بارہمولہ میں اقامت اختیار کی جہاں آخر وہ بھی قتل کر دیا گیا یہ سب خوں ریزی اس لئے ہوئی تھی کہ دوستوں کے دلوں میں منافقوں نے نفاق کے بیج بوئے تھے۔ اس طرح ملک میں پھر بدامنی پھیل گئی۔ ان تمام حادثات کے بعد آخر پر مرزا نے اہل وعیال کو اندرکوٹ میں چھوڑا اور خود شب خون مارنے کے لئے نکلے۔ خدا جانے کہ اسے کیا خال ہوا کہ وہ تنہا ایک بڑی فوج کے ساتھ لڑنے گیا راستے میں ایک قصاب نے ان کا نام پوچھا۔ چونکہ وہ صاف کشمیری نہیں بولتا تھا اس لئے قصاب بدظن ہوا اور اسے یقین آیا کہ وہ مغل ہے۔ اس نے کلہاڑی اٹھائی اور اس کے سر پر ماری جس سے مرزا علیہ الرحمہ نے شہادت پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اہل وعیال کی خبر گیری کے لئے جا رہے تھے۔ کہ یہ حادثہ پیش آیا کچھ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ خواجہ حاجی نے مرزا سے ڈر کر خان پورہ میں خیمہ لگایا تھا اور سکونت کرتا تھا اسی کو تسلی دینے کے لئے مرزا خود جا رہا تھا اور اس کے ساتھ فوج یا اردلی نہیں تھا جب وہ خیمہ کے نزدیک پہونچا تو قصاب نے غنیم کا خیال کیا اور کلہاڑی کے ایک ہی ضرب سے ان کو شہادت پردفایز کر دیا۔

مرزا شہید شہادت کی خبر یکدم پھیل گئی تو خاص وعام سب لوگ خوش ہو گئے۔ اہل تشیعہ نے خاص طور پر شادیانے منائے غازی چک مذکور اور دولت چک ولد کاجی چک نے چاہا کہ مرزا شہید کی نعش کے ساتھ برا سلوک کریں اور پھر اس کے مقبرے کو اسی طرح مزبلہ بنائیں جس طرح

اس نے اس سے قبل شمس عراقی کے مقبرے کو مزبلہ بنا دیا تھا۔ مگر سید محمد ولد ابدال ماگرے جس کی والدہ سادات میں سے تھیں اس نے بیچ میں آکر مزاحمت کی۔ انھوں نے ماگریوں اور اہل سنت والجماعت کے دوسرے لوگوں کو ساتھ لے کر وہاں سے مرزا شہید کی نعش کو اٹھا لیا اور پھر پانچ دن کے بعد اس کی نعش کو مزار سلاطین میں احترام کے ساتھ دفن کر دیا پھر ایک ماہ تک وہ لوگ تلوار لے کر اس قبر کی نگہبانی کرتے رہے۔ اور آخر پر قبر کو سنگین بنا کر محفوظ کر دیا۔ غازی اور دیگر چک سردار سید محمد کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ کیونکہ سید صاحب کے نکاح میں نازک شاہ کی بہن تھی، اس لئے بادشاہ کے ڈر سے وہ لوگ سہم گئے جب سید محمد پر کوئی قابو نہ پا سکے تو انہوں نے اندرکوٹ جاکر مزار شہید کے اہل وعیال پر تاخت کرنا چاہا۔ مگر جب چکوں کا فوج وہاں پہونچا تو حیران رہ گئے کیونکہ وہاں مرزا کی اہلیہ مستور ہو کر مردانہ وار مقابلے کے لئے تیار بیٹھی تھی۔ جنگ چھڑنے والی تھی کہ احمد ماگرے کے فرزند جو سید کے ہم رکاب تھے درمیان میں آئے اور ان کو باہم صلح کرادی تو چک سردار دم دبا کر بھاگ آئے۔ پھر ماگریوں نے مرزا کے کنبے کے اہل وعیال کے ساتھ خاص نگرانی میں واپس کاشغر روانہ کیا اور چک مکمل طور پر مایوس ہو گئے۔

مرزا شہید اس مزار سلاطین میں دفن ہیں ان کی قبر جہلم کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اس قبر پر کسی نے تاریخ شہادت بھی لکھ رکھی ہے۔ پتھر پر آج یہ قطعہ کندہ ہے۔

شہ گورگان میرزا حیدرؒ آنکہ
بملک شہادت زدہ کوس شاہی

قضائے الٰہی چنین بود تاریخ
شدہ بہر وصلش قضائے الٰہی

مرزا حیدر مغفور ومرحوم نے دس سال تک کشمیر میں حکومت کی تھی۔
اگرچہ نازک شاہ برائے نام بادشاہ تھا۔تاہم اصل بادشاہ مرزا حیدر تھا چونکہ نازک شاہ بھی اہل سنت وجماعت میں سے تھا اس لئے خطبہ اور سکہ اسی کے نام بدستور جاری رکھا گیا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہونے دی گئی تھی۔مرزا حیدر علیہ الرحمہ کے بعد شاہمیری خاندان میں مکمل زوال آنا شروع ہوا اس لئے کشمیر کی حکومت چکوں کے ہاتھ میں آتی جارہی تھی، جو کئی پشتوں کے سلاطین خاندان کے غلام اور نوکر چلے آئے تھے۔

(ماخوذ از، واقعات کشمیر، تاریخ بزرگان، تذکرہ اولیاء کشمیر وغیرہ)

قطب ربانی غوث ہمدانی حضرت امیر کبیر میر سید علی ھمدانی رحمتہ اللہ تعالی علیہ

بتا اے مسلم کشمیر کبھی سوچا بھی ہے تو نے
کہ تو کس گلشن رنگین کا برگ شاخ عریانی
تیرے اسلاف وہ تھے جن کے علم وفضل کے آگے
ادب سے جھکتے تھے دانشوران ہندو ایرانی

علماء تاریخ کا بیان ہے کہ کشمیر کے بانی اسلام حضرت امیر کبیر میر سید علی ھمدانیؒ کا اسم مبارک میر سید علی کنیت ابو محمد لقب امیر کبیر ہے۔س آپ کے والد محترم کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب چودہ پشتوں سے سید

الشہیداءحجرت سیدنا امام حسینؓ تک پہنچا ہے۔اور والدہ ماجدہ کی طرف سے امام حسن مجتبیٰ پر ختم ہوتا ہے۔اس لئے آپ دونوں طرف سے حسنی حسینی سید ہونے کے ساتھ ساتھ فخر شرق وغرب مانے گئے ہیں آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے سید علی بن سید شہاب الدین بن محمد بن علی بن یوسف بن محمد بن محمد بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن علی بن حسن بن حسین بن علی بن زین العابدین بن حسین بن علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہا گیا ہے کہ آپ کے والدمحترم کا نام سید شہاب الدین ھمدانی تھا جواس وقت شہر ھمدان کے حاکم تھےاور والدہ ماجدہ کا نام حضرت فاطمہ تھا۔آپ ۱۲ رجب ۱۴ ۷ ھ ۱۳۱۴ء بروز سوموار بوقت صبح حضرت فاطمہ کےبطن سے پیدا ہوئے آپ کا مولد شریف شہر ھمدان ہے۔جوکہ ترکستان میں واقع ہے۔آپ نے بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کرلیا تھا اور پھر دوسرے علوم پڑھے دس سال کی عمر میں آپ نے اپنے ماموں جان کی خدمت میں حاضر ہوکر بارہ سال تک علم ودین حاصل کیا ان سے تفسیر قرآن حدیث نبوی ﷺ ،فقہ،عقائد،اوراصول وغیرہ علوم حاصل کئے پھر عارف باللہ حضرت شیخ شرف الدین محمود (مزدقانیؒ سے چھ سال تک علم ومعرفت کی شناسائی حاصل کی۔پھران کے مرشد گرامی حضرت ابوالبرکات تقی الدین شیخ اخی علی دوسیؒ کی خدمت میں جا کر بائیس سال تک روحانی علوم میں کمال حاصل کیا مختصر یہ کہ متعدد نہروں سے پانی لے کرخود ایک دریا بن گئے۔آخر میں مرشد پاک کے حکم سے پچاس سال کی عمر میں سیر وسیاحت کے لئے دنیا کا سفر شروع کیا۔اور ایشیائے کوچک،حرمین شریفین،جزیرہ سرانديب اور ہندوستان سے ہوتے ہوتے ۷۶۷ھ میں اہالیان کشمیر کو

دین اسلام کی عظیم نعمت اور خدائے قدوس کی بے انتہا رحمت سے
مالامال کرنے کے لئے پیر پنچال کی برفانی چوٹیاں عبور کر کے
براستہ شوپیان وارد ہوئے۔

سیدالسا دات سالار عجم
دست او معمار تقدیرا مم
تا غزالی درس اللہ ہو گرفت
ذکر و فکر از دو دمان او گرفت

پہلی مرتبہ جب آپ یہاں تشریف لائے تو آپ کے ساتھ آپ کے دو چچیرے بھائی حجرت سید حسین سمنانی اور حضرت سید تاج الدین ھمدانیؒ آپ کے ساتھ تھے۔ اس وقت یہاں شہاب الدینؒ کی حکومت تھی اور شہاب الدین ہند میں مصروف جنگ تھا اور اس کا بھائی قطب الدین کشمیر میں اس کا جانشین تھا۔ حضرت امیر کبیر چار مہینے کشمیر میں ٹھہرے، پھر محاذ جنگ میں پہنچ کر فریقین کو لڑائی سے دستکش ہونے کا مشورہ دیا اور جنگ بند کرانے میں کامیاب ہوگئے، کہا گیا ہے کہ آپ کی آمد سے پہلے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ وہ اسلامی قدروں اور اصولوں سے کوسوں دور تھے۔ کیونکہ ان قدروں اور اصولوں کی تبلیغ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ قدرت نے اس کام کے لئے حضرت امیر کبیر میر سید علی ھمدانیؒ کو منتخب کیا تھا۔ یہاں کا بادشاہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہندو مت کا معتقد تھا۔ وہ روانہ کالی شوری مندر پر حاضری دے کر بتوں سے آشیر واد لیتا تھا۔ یہ مندر سرینگر کے وسط میں دریائے جہلم کے مشرقی کنارے پر اس جگہ واقع تھا جہاں اب خانقاہ معلیٰ کی دیدہ زیب مسجد

ہے۔اس مندر کا ہر وقت شاپور نامی بارہ سو پجاریوں کے ساتھ یہاں کے سماج پر مسلط تھا۔حضرت امیر کبیر نے شاپور سے مناظرہ کیا اور اس کو ہرا کر مسلمان کر دیا۔شاپور نے اپنے تمام پجاریوں کے ساتھ کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہوا تو مندر کو گرا کر اسی جگہ مسجد تعمیر کی گئی جس کو خانقاہ معلی کہتے ہیں۔ جو کشمیر میں تو ایک اسلام کی پہلی نشانی ہے۔ جہاں روزانہ سینکڑوں لوگ خدا کا فیض لینے کے لئے آتے ہیں۔

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہیں مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس طرح حضرت امیر کبیر میر سید علی ھمدانی نے یہاں کی تقدیر بدلا کر اسلام کی بنیاد لوگوں میں قائم کی اور چار ماہ قیام کرنے کے بعد ترکسان چلے گئے۔ پھر چودہ سال کے بعد ۷۸۱ھ میں یہاں دوسری بار تشریف لائے اور ساری وادی کا دورہ کر کے یہاں کے حالات کا جائزہ لیا۔کشمیریوں کے مزاج سے واقفیت حاصل کر کے اور یہاں کی ضرورتوں کو محسوس کر کے چند ماہ قیام کرنے کے بعد واپس چلے گئے، پھر چار سال کے بعد ۷۸۵ھ میں تیسری بار اور آخری بار یہاں رونق پزیر ہوئے اس مرتبہ آپ نے اپنے ساتھ سات سو علمائے کرام اور درجنوں ہنر منداور کاریگر لائے، علمائے کرام نے گھر گھر جا کر لوگوں کو علم وادب اور کتاب و سنت سے فیض یاب کیا اور تقویٰ کے نور سے دلوں کو منور کیا۔ہنر مندوں اور کاریگروں نے یہاں کے غریب عوام کو گبہ سازی، غدہ سازی۔قالین

بافی، شال بافی اور دیگر دستکاریوں سے روشناس کیا۔ اس طرح وادی کشمیر ساری دنیا میں مشہور ہوئی۔ ان دونوں میں کشمیر کا فرمانرواں سلطان شہاب الدین کا چھوٹا بھائی سلطان قطب الدین شاہ میر تھا جس نے مسلمان ہوتے ہوئے بھی دو سگی بہنیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھی تھیں جو قرآنی حکم کے صریحاً خلاف تھا۔ اس نے حضرت شاہ ھمدان کے سمجھانے پر ایک بیوی کو طلاق دیدی اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کو دین سیکھنے کی کتنی ضرورت تھی جو حضرت امیر کبیر نے کما حقہ پوری کردی۔

آفرید آں مرد ایران صغیر
باہنر ہائے عجیب دلپزیر
خطہ رآن شاہ دریا آستین
داد علم وصفت وتہذیب و دین

ڈیڑھ سال تک یہاں قیام کرکے ۷۸۶ھ میں واپس براستہ لداخ بغرض زیارت حرمین شریف لے گئے۔ پہاڑی علاقہ میں بمقام پکھلی (گلگت میں ایک جگہ ہے)

وہاں کے حاکم حضرت شاہ افغانی کی تحریک پر مورخہ ۴ ذالحجہ ۷۸۶ھ کو زہر پلا کر شہید کئے گئے۔ سال وفات ۷۸۶ھ جو بسم اللہ شریف کا عدد ہے۔ آخر پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے پڑھتے اپنی جانِ جاں آفریں کے حوالے کردی۔ کسی نے ان کا تاریخ وفات یوں کیا ہے۔

مفخر عارفان شہِ ھمدان کز دمش باغ معرفت بشگفت
مظہر نور حق کہ رویش را عاقبت از جہانیاں بنفت

عقل تاریخ سالِ رحلت او سید ما علی ثانی گفت

یعنی آں بانیءِ مسلمانی میر سید علی ھمدانی

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے وصال کے بعد اہل کشمیر رفقائے سید اور سلطان محمد والی پکھلی کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ہر گروہ ان کو اپنی سرزمین میں دفن کرنا چاہتا تھا حضرت امیر کبیر کے ایک رفیق شیخ قوام الدین بدخشی نے تجہیز و تکفین کے بعد کہا کہ جو شخص بھی آپ کا تابوت اٹھالے وہ اپنی سرزمین میں دفن کرے۔ یہ سن کر ہر شخص نے کوشش کی لیکن کوئی نہ اٹھاسکا آخر آپ ہی کا رفیق حضرت شیخ قوام الدین اٹھا سکے۔ چنانچہ دو ہمراہیوں کے ساتھ آپ کا جنازہ کندھوں پر کولاب لے جایا گیا مورخہ ۳ ربیع الثانی ۷۸۷ھ کو اپنے آبائی قبرستان میں مدفون ہوئے۔ یہ شہراب ختلان سے مشہور ہے۔ آپ کے خاندان والے ھمدان سے ہجرت کر کے یہاں ہی آئے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند رشید حضرت میر محمد ھمدانیؒ نے آپ کے مشن کو آگے لے جانے کے لئے یہاں تشریف لائے اور بائیس سال تک یہاں ٹھہر کر دین اسلام کی خوب خوب خدمت کر کے اور مسلک اہلسنت والجماعت کی مناسب آبیاری کر کے واپس اپنا وطن چلے گئے۔ حضرت میر ھمدانیؒ کا تذکرہ انشاءاللہ آگے آئے گا۔

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر

کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایران صغیر

سلسلہ طریقت:

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کا سلسلہءِ طریقت کبرویہ تھا۔

جس کے بانی شیخ نجم الدین کبریٰ خوارزمی متوفی ۶۱۸ھ بمطابق ۲۲
۱۲۲۱ء میں سلسلہ سہروردیہ سے تعلق رکھتا ہے۔

حالاتِ زندگی:

آپ کے حالات زندگی آپ کے مرید جناب نورالدین بدخشیؒ نے اپنی کتاب خلاصۃ المناقب میں جمع کئے ہیں بدخشیؒ کی یہ کتاب دراصل سید صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، آپ کے روحانی کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر وہ بات جو میرے دل میں ہوتی تھی بتا دیا کرتے تھے۔ آپ کی جفاکشی اور نفس کشی کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ۷۰ دن تک مسلسل کوئی چیز نہ کھائی سید صاحب نے خود اپنی زندگی کا ایک واقعہ یوں بیان کیا کہ ایک دفعہ میں نے دیار روم میں قیام کیا رات کو احتلام ہو گیا سخت سردی تھی۔ نفس نے نہانے میں سستی دکھائی۔ آخر اس کی سرکشی توڑنے کے لئے میں نے رات کو بھاری پتھر اٹھایا اور یخ بستہ پانی چل کر برف کو توڑا اور نہایا۔ چالیس دن تک ایسا کیا پھر بتایا کہ میں نے سات سال تک خرقہ اوڑھا اور کرتہ نہیں پہنا اور صرف روٹی کے سوا کچھ نہیں کھایا آخر رسول ﷺ کے اشارے سے لذیز کھانا کھایا انہوں نے بیان کیا کہ ایک دفعہ کشتی ٹوٹ گئی۔ وہ ایک تختے پر کئی روز چلتے رہے۔ تین ماہ کے بعد ایسی جگہ پہنچ سکے جہاں غذا موجود تھی۔ سید صاحب ل نے بتایا ہے کہ وہ سراندیپ میں قدم گاہِ آدمؑ دیکھنے گئے۔ ایک زنجیر بندھی ہوئی تھی جسے پکڑ کر اوپر پہاڑ پر چڑھے تین دن تک وہاں ٹھہرے پتھر پر صرف ایک پاؤں کا نشان کٹا ہوا تھا۔ آپ نے کئی مرتبہ حج کیا ایک روز اٹھائیس روز کھانے پینے کے بغیر سفر کیا۔ قافلہ میں

سے ایک شخص پانی لے کر آیا تو آپ نے پانی لینے سے انکار کر دیا۔ جب پانی پینے کی ضرورت ہوئی تو خود ٹوٹا ہوا پیالہ لے کر اہل کاروں کے پاس گئے۔ سامنے وہی شخص نظر آیا جس کے ہاتھ سے پانی لینا گوارا نہیں کیا تھا اس لئے پانی مانگے بغیر واپس آ گئے اور پیالہ توڑ دیا۔ آخر ایک کنویں پر پہنچے اور اپنے آپ کو اس میں گرا دیا ایک شخص نے پگڑی لٹکا کر ان کو باہر نکالا۔

ایک مرتبہ سید صاحب حج کے لئے نکلے۔ قریہ علی شاہ سے یزد تک ہی زادراہ ختم ہو گیا یزد میں پہنچے تو ایک عورت نے بارہ ہزار درہم لا کر دیئے اور کہا میں رسول ﷺ کے اشارے سے یہ رقم لے کر آئی ہوں یہ درہم میں نے حج کے ارادے کے لئے جمع کئے تھے۔ سفر کی قوت نہیں رہی رسول ﷺ نے خواب میں بتایا کہ اپنے بیٹے سید علی ھمدانی کو دے دو ایک سال سے قافلہ والوں میں سراغ لگا رہی ہوں، آج آپ مل گئے ہیں سید صاحب نے اس رقم سے سامان خریدا اور اونٹوں پر لاد کر سفر شروع کیا لوگ یہ لاؤ لشکر دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ اتفاقاً قافلہ راستے سے بھٹک گیا اور آہستہ آہستہ زادراہ ختم ہو گیا۔ آخر ان ہی اونٹوں کا سامان کام آیا۔

صاحب مناقب نے ایک اور واقعہ کی اطلاع دی ہے کہ ایک مرتبہ سید صاحب کی حق بات علماء کو ناگوار گزری، انہوں نے دعوت کر کے شربت میں زہر ملا دیا گھر آئے تو قے اور اسہال سے زہر کا اثر زائل ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ آپ کے ایران میں قیام کے دوران امیر تیمور. بادشاہ تھا جو کشور کشائی میں ہر دم آمادہ جنگ رہتا تھا اوئل حال میں اس کو اسلام اور اسلامیوں سے عار تھی چونکہ وہ لذائز دنیاوی کا دلدادہ تھا اس لئے بزرگان

دین کی صحبت سے کوسوں دور رہتا تھا۔ مگر رب کریم کے کام نرالے ہوتے ہیں جس کو چاہے ہدایت نصیب فرمادے اور جسے چاہے محروم رکھے روایت ہے کہ امیر تیمور اپنی رعایا کا حال معلوم کرنے کی غرض سے ایک رات شہر میں گشت کررہا تھا۔ پھرتے پھراتے اس کے کان میں ایک غم ناک آواز پڑی جس کی آہ وبکاہ سے وہ متاثر ہوا اور حالات معلوم کرنے کے لئے ٹھہر گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بڑھیا رو رہی ہے۔ اور نہایت عاجزی اور انکساری سے بارگاہ رب العالمین میں عرض کررہی ہے۔ کہ اے رب العالمین بادشاہ بیمار ہو۔ وزیر کو موت ہو۔ قاضی کی عمر دراز ہو بادشاہ کو یہ باتیں سن کر بڑا تعجب ہوا۔ امیر نہایت مسکین صورت بنا کر بڑھیا سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرہ ہے۔ اور ایسی دعا کیوں مانگی جا رہی ہیں بڑھیا نے جواب دیا کہ میں غریب اور بے کس ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے کئی روز سے بھوکے ہیں۔ اس لئے مضطرب ہوں اگر بادشاہ بیمار ہو جائے تو ضرور صدقہ خیرات کرے گا جس سے امید ہے مجھے بھی کچھ مل جائے گا اور گزراوقات ہو جائے گی۔ اور وزیر نہایت ہی نیک اعتقاد اور غریب پرور ہے۔ اگر وہ اس حال مین مر جائے گی۔ تو اس کا خاتمہ اس نیک عمل پر ہوگا اور وہ بارگاہِ رب العالمین میں مستحسن اور مبارک ہوگا، اور قاضی کی عمر درازی کے لئے اس عرض سے دعا مانگ رہی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ اس کی بداعمالی کا خاتمہ ہو کیونکہ وہ جس قدر بد اعمالیاں کرے گا قیامت کے دن اتنا ہی عذاب کا مستحق ہوگا۔ بادشاہ آب دیدہ ہوا اس اسے بڑھیا پر رحم آیا اور کہا اے بڑھیا فی الحال میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ میری تسبیح لے لو صبح کو اسے بیچ دینا اور وہ رقم

تیرے بچوں کی گزر اوقات کے لئے کافی ہو گی۔ بڑھیا صبح تسبیح ہاتھ میں لیکر اپنے ایک پڑوسی کے گھر گئی۔ وہ پڑوسی بظاہر قومیت کے اعتبار سے خاندان سادات سے تعلق ظاہر کرتا تھا مگر پرلے درجے کا حریص اور بخیل تھا۔ اسے دیکھتے ہی معلوم ہو گیا کہ یہ تسبیح تو یاقوت اور لعل او زمر جان کی ہے۔ جس سے بڑھیا بالکل ناواقف تھی اس نے غریب بڑھیا سے تسبیح تو چھین لی اور ڈرا دھمکا کر اسے نکال دیا۔ الزام یہ عائد کیا کہ تسبیح تو ہرا ہے جو تم میرے گھر سے چرا کر لے گئی تھی اب بیچنے آ گئی ہو۔ یہاں سے نکل جاؤ ورنہ عدالت میں قاضی کے سامنے تمہیں پیش کر دوں گا۔ بڑھیا خوف زدہ ہو کر خالی ہاتھ اپنے گھر واپس آ گئی۔ دوسری رات امیر تیمور حسب دستور وہاں سے گزرا۔ سنا کہ وہ بڑھیا وہی کل والی دعا دہرا رہی ہے۔ بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے بڑھیا سے پوچھا کہ سچ سچ بتا کیا ماجرا ہے۔ بڑھیا نے ایک فقیر کی مہربانی جس نے تسبیح دی تھی اور اپنے پڑوسی کے ظلم کی تمام داستان من وعن سنا دی۔ امیر نے اس بڑھیا کا نام پتہ اور اس پڑوسی سید کا پتہ اپنی یاداشت میں نوٹ کر لیا۔ صبح کو جب تخت پر بیٹھا تو ان سب کو طلب کر لیا۔ بڑھیا کو تو انعام دیا اور اس سید کو قتل کرا دیا۔ اور ساتھ یہ حکم دیا کہ اس علاقہ میں جتنے لوگ سید کہلاتے ہیں سب قتل کر دیئے جائیں۔ چنانچہ قتل عام ہوا۔ چونکہ حضرت امیر کبیر علی ھمدانی کا تعلق بھی سادات سے تھا اور آپ کے اکثر مرید بھی سید تھے اس لئے ان کی باری آ گئی۔ مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے بارے میں شاہی حکم کے اجراء کا نام بھی سنے۔ بادشاہ نے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ تجویز نکالی کہ آپ میرے مریدوں کی دعوت کی جائے اور اس دعوت میں ایک

غصب شدہ بکری ذبح کر کے آپ سب کو کھلائی جائے جس سے آپ کی ولایت کا بھید کھل جائے گا اور قتل کرنے میں کوئی دشواری س پیش نہیں آئے گی، کہتے ہیں جب کھانا تیار ہو گیا اور حضرت امیر کبیر بھی معہ مریدین تشریف لائے۔ دسترخوان پر کھانا چنا گیا تو آپ نے تمام مریدوں کو کھانا کھانے کا حکم دیا مگر خود لقمہ نہیں اٹھایا اتنے میں ایک عورت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی میری بکری غصب کر کے ذبح کر دی گئی ہے یہ بکری میں نے امیر کبیر علی کو نذر کے واسطے پال رکھی تھی ان کے پاس جا کر کیا جواب دوں گی حضرت امیر کبیر علی نے عورت کو پاس بلا کر فرمایا کہ وہ بکری مجھے دے دو اس نے کہا میں نے وہ بکری امیر کبیر علی کی تحویل میں کر دی۔ پھر آپ نے وہ کھانا نوش فرمایا یہ تمام واقعہ دیکھ کر امیر تیمور بے حد نادم ہوا۔ اور اس طرح امیر تیمور تا قیامت آپ کے ارادتمندوں اور مریدوں میں داخل رہا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امیر تیمور نے سید صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ احادیث میں آیا کہ جب آنحضرت ﷺ پر درود بھیجا جاتا ہے۔ تو آپ ﷺ کی ذات پاک پر ایک مرتبہ درود پڑھنے والے پر دس دفعہ درود بھیجا جاتا ہے۔ یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں تک صحیح ہے۔ آپ نے فرمایا آج ہی شام کے بعد اس کا جواب دیا جائے گا۔ (انشاءاللہ)

چنانچہ آپ نے عصر کے وقت اعلان فرمایا کہ اگر کسی شخص کی یہ خواہش ہو کر مجھے اور بادشاہ سلامت کی دعوت کرے تو اجازت عام ہے۔ وہ ایسا کر سکتا ہے۔ مگر اس میں دو شرائط ہوں گی۔ ایک تو یہ کہ جو کچھ گھر میں پک چکا ہے۔ وہی کھانے کو دیا جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ نماز

مغرب سے فراغت کے بعد آپ سب لوگ اپنے اپنے گھروں چلے جائیں اس کے بعد جو شخص سب سے پہلے یہاں آئے گا اس کے ساتھ ہم چلیں گے کہتے ہیں چالیس آدمیوں نے دعوت کی پیش کش کی جو آپ نے قبول فرمائی۔ حسب اقرار نماز مغرب کے بعد سب لوگ گھرون کو چلے گئے۔ چنانچہ ایک بوڑھا اور غریب آدمی سب سے پہلے حاضر ہو گیا۔ سید صاحب امیر تیمور کو لے کر اس بوڑھے کے گھر تشریف لے گئے اور کھا نا تناول فرمایا اور وہاں بیٹھ کر ایک غزل بھی لکھی۔ یہاں سے فارغ ہو کر آپ واپس مسجد میں تشریف لائے۔ اتنے میں عشاء کی نماز کے لئے تمام لوگ مسجد مین جمع ہو گئے حاضرین میں ہر ایک اس بات پر فخر کر رہا تھا کہ حضرت امیر کبیر علی اور امیر تیمور نے آج میرے گھر سے کھانا کھایا ہے۔ اور سید صاحب نے ایک غزل بھی لکھی جو میرے پاس موجود ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت امیر کبیر ساحب نے امیر تیمور کو حکم دیا کہ تم دریافت کرو کہ لوگ کیا چہ میگویاں کر رہے ہیں۔ امیر تیمور نے صورت حال دریافت کر کے سید صاحب کو مطلع کیا اس پر آپ نے امیر تیمور کو فرمایا کہ میاں رعاجز تو محبوب رب العالمین رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ کا ایک ادنیٰ غلام اور کتا ہے۔ آپ کی نظر عنایت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی طاقت دے رکھی ہے۔ کہ میں نے آن واحد میں تم کو چالیس گھروں سے کھانا کھلا دیا ہے تو کیا وہ ذات کبیر یا جو قادر مطلق ہے۔ آن واحد میں سب کے درود اور صلواۃ کا جواب نہیں دے سکتا۔ یہ آپ کے عصری سوال کا جواب ہے۔

انہ ھوا لسمیع البصیر۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نے بارہ حج ادا کئے، پہلی بار

مناسک حج ادا کرنے کے بعد آپ مدینہ منورہ میں روضہ ءمطہر رسول ﷺ کی زیارت سے فائز المرام ہو کر بغداد شریف میں حضرت جناب غوث الثقلین ؓ کے مزار پرانوار پر حاضر ہوئے۔آپ نے دیکھا کہ حضرت غوث پاک مریدوں کی بیعت کے واسطے قبر سے ہاتھ باہر نکالتے ہیں آپ نے عرض کی کہ یا حضرت آپ اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں اور استغراق کو چھوڑتے ہین۔ کیا دنیا مین آپکا قائم مقام اور کوئی نہیں رہا آواز آئی کہ اے امیر آپ کو بھی بیعت کرلیا ہے آپ دو طریقوں پر بیعت فرماتے تھے طریقہ قادریہ اور طریقہ سہروردیہ میں بھی بعد ازاں وہ ہاتھ باہر نہیں آیا۔(منہج السلوک)

رشدوہدایت:

تاریخ عظمٰی میں ہے کہ حضرت سید علی ہمدانیؒ نے کشمیر تشریف لانے کے بعد محلّہ علاو ءالدین پورہ کی ایک سرائے میں قیام کیا۔ اور پانچوں وقت کی نماز کے لئے دریائے جہلم کے کنارے ایک چکورہ چبوترہ بنوایا۔ جہاں اب آپ کی خانقاہ ہے۔اسی چبوترے پر ہمیشہ نماز پڑھتے تھے۔ بادشاہ وقت اس چبوترے پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور آداب ارادت ومحبت بجا کر آپ کے پند ونصائح سنتا تاریخ اعظمٰی میں یہ بھی لکھا ہے کہ کشمیر میں آپ کی تشریف آوری سے قبل اس خطے پر جہالت کی تاریخی اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ یہان کے لوگ علم شریعت سے بہت کم واقف تھے بلکہ مسلمان ہی بہت کم تھے۔ احکام شریعت اور اسلام کی تعلیم تقریباً مفقود تھی اسلامی احکام سے عدم واقفیت کی بنا پر سلطان قطب الدین نے بیک وقت دو حقیقی بہنوں سے نکاح کررکھا تھا۔

اور کافروں کا لباس زیب تن کرتا تھا۔ تنزلی کے اس دور میں آپ نے تبلیغ و اشاعت اسلام اور اصلاح و تربیت کا کام شروع کیا۔ یہاں کے دوردراز کے علاقوں میں اپنے رفقاء کو جو آپ کے ساتھ آئے تھے پھیلا دیا کہ دینی تعلیم اور اشاعت اسلام کی خدمت انجام دے کر اس خطے کو اسلام کے نور سے منور کریں۔ آپ نے سلطان قطب الدین کی تعلیم وتر بیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ اور اسے شریعت اسلامی کا پابند بنایا۔ اس نے اس نکاح کو فسخ کر دیا اور ہندوانہ لباس بھی ترک کر دیا۔ سید صاحب نے ازراہِ کرم اپنی ٹوپی بادشاہ کو عطا فرمائی جس کو وہ شاہی تاج کے اند پہنتا تھا۔ اس سلسلہ خاندان کے آخری تاجدار فتح شاہ تک یہ رواج رہا۔ آخری بادشاہ کی وصیت کے مطابق یہ ٹوپی کفن میں لپیٹ کر اس کے ساتھ ہی دفن کر دی گئی۔

رفقاء:

حضرت سید علی ھمدانی کے ساتھ آپ کے جو رشتہ دار رفقاء وخدام کشمیر آئے وہ تقریباً سات سو تھے جیسا کہ اوپر بیان ہوا آپ کے ارشاد کے مطابق ان لوگوں نے بھی اس علاقے میں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کئے۔ ان میں سے چند کے نام اور حالات جناب سید حسام الدین راشدی نے تذکرہ شعرائے کشمیر کے حواشی میں درج کئے ہیں نام یہ ہیں:

۱:۔ میر سید حسین سامانی (سمنانی) ۲:۔ سید جلال الدین عطائی

۳:۔ سید کمال ۴:۔ حضرت سید جمال الدین محدث

۵:۔ حضرت سید فیروز ۶:۔ سید محمد کاظم

۷:۔ حضرت میر رکن الدین ۸:۔ سید فخر الدین

۹: سید محمد قریشی ۱۰:۔ مولانا پیر محمد قادری ۱۱: شیخ سلیمان
۱۲:۔ شیخ احمد خوشخوان (اقبال کے محبوب صوفیہ)

تصانیف:

سید امیر علی ھمدانی کی فارسی اور عربی میں بہت سی تصانیف میں اکثر چھوتے چھوٹے رسائل ہیں تحائف الابرار میں مذکور ہے کہ آپ کی ایک سو ستر تصانیف تھیں ۔ ان کی فارسی تصانیف میں مندرجہ ذیل کے نام کتابوں میں ملتے ہیں۔

کتاب خانہ برٹش میوزیم کے مجموعے میں مندرجہ ذیل رسائل شامل ہیں رسالہ نوریہ، رسالہ مکتوبات، اسناد اوراد فتحیہ، من المریدین، درمعرفت صورت وسیرت انسان۔ دربیان آداب مبتدوطا لبان حضرت صمدی، ھمدانیہ، مکتوبات امیریہ، رسالہ داودیہ، مکارم اخلاق، کشف الحقائق، مشارب الاذواق، رسالہ اعتقادیہ، رسالہ درویشیہ رسالہ فتوہیہ، کتاب منامیہ فی الروٗیا، شرح مشکل حل، رسالہ مشیہ، اسناد حلیہ، حضرت رسالت،، رسالہ خطبہ امیریہ، رسالہ خواطریہ، رسالہ سادات نامہ، رسالہ مناجت، درحقائق توبہ، رسالہ وارادت عقل، سیرالطالبین، وہ قاعدہ، حل الفصوص، ذخیرۃ الملوک، چہل اسرار (غزلیات) اسرارلفقط (مذکورہ خزنیہ الاصفیا)۔

علم القیافیہ مذکورفہرست بوڈلبن لائیریری نمبر ۱۲۴۱ نیشنل لائبریری پیرس میں مندرجہ ذیل رسائل موجود ہیں

مراۃ التابئین، رسالہ ذکریہ امیریہ، رسالہ اصطلاحات الصوفیہ، منازل السالکین، کتاب الواردات الغیبیہ ولطائف قدسیہ، رسالہ دربیان

روح و نفس، مطبوعہ مع رسائل دیگر عشقیہ از قاضی حمید الدین ناگوری، مطبع قیصریہ دہلی ۱۳۳۲ھ۔

شرح علی المیہ الابن الغارض، منہاج العارفین، رسالہ وجودیہ، رسالہ التقنیہ نوریہ، رسالہ فی الطلب، رسالہ معرفت نفس، انسان نامہ۔

مستورات (انڈیا آفس لائبریری) آپ کی تصانیف میں سے ذخیرۃ الملوک اور چہل اسرار نمایاں طور پر مشہور ہیں چہل اسرار چالیس غزلوں کا مجموعہ ہے۔ جب آپ نے امیر تیمور کے ساتھ اپنے چالیس ارادتمندوں کے گھروں میں ایک ہی وقت پر کھانا کھایا تھا تو ہر گھر میں آپ نے ایک غزل لکھ کر صاحب کانہ کو بطور یادگار دی تھی۔ یہ چالیس غزلیں وہی ہیں جن کا نام بعد میں چہل اسرار مشہور ہوگیا یہ وجہ تسمیہ خواجہ مستان شاہ کابل کے دیوان آتشکدہ وحدت میں مذکور ہے کیونکہ اسی صوفی بزرگ نے چہل اسرار کی تغمین مین مخمس لکھے ہیں۔ ان غزلوں میں مسائل تصوف ہیں چونکہ یہ مضامین ایک پیر کامل نے شعر کی چاشنی سے بیان کئے ہیں اس لئے ان میں تاثیر زیادہ ہے۔ اور تصوف کے رموز واسرار کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں (پاکستان)۔

میں فارسی ادب میں، جلد اول، ڈاکٹر ظہور الدین احمد)

تعلیمات:

آپ کی تعلیمات کا جائزہ لینے کے لئے سب سے اہم اسنا د اوراد فتحیہ، دربیان آداب مبتدی وطالبان حضرت صمدی، وہ قاعدہ اور مکارم اخلاق ہیں۔ سید علی ھمدانی ایک صوفی باصفا اور عارف پاکباز تھے۔ اس لئے ان کا طریق تصوف و درویشی ہے جس میں سب سے اہم مرحلہ

عبادات کا ہے اذکار و اوراد سے مقصود ریاض و مجاہدہ نفس ہے تا کہ درویش علائق دنیا سے کٹ کر یاد الہی میں مشغول رہنا سیکھے، اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق تزکیہ نفس تصیہ باطن اور تجلیہ روحانی کی منازل طے کرتا جائے۔ اس طریق وسلوک میں قدم رکھنے والے کے لئے مخصوص آداب ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ سب سے پہلے مخلص ارادت ہے۔ پھر تشبیت و تحقیق ہے۔ اس کے بعد اپنے آپ کو مکارم اخلاق سے مزین کر نے کا مرحلہ ہے اور زمائم اخلاق سے پرہیز ہے۔ سید صاحب نے اپنے طریق میں بخل، چشم، آز، حقد شہوت، کبر و حسد کو زمائم اخلاق میں شمار کیا ہے۔ اعلیٰ مراتب تک پہنچنے کے لئے انہوں نے دس بنیادی قاعدے بتا ئے ہیں جنکی تفصیل وتشریح ان کے رسالہ وقاعدہ میں موجود ہے۔ ان ہی قواعد مین ان کی تعلیم کا خلاصہ آجاتا ہے مختصراً انہوں نے بتایا کہ پہلا قاعدہ تمام خطاؤں لغزشوں سے باز آنا اور خدا کی طرف رجوع کرنا یعنی تو بہ کرنا، دوسرا قاعدہ زہد ہے، یعنی مال وجاہ و ناموس کی طلب سے باہر آنا، تیسرا قاعدہ توکل ہے۔ یعنی تمام اسباب رسائل کا خیال چھوڑ کر خدا پر توکل رکھنا۔ چوتھا قاعدہ قناعت ہے۔ جس سے مقصد آرزوہائے نفسانی اور تمتعات بہیمی کو ترک کرنا ہے۔ پانچواں قاعدہ عزلت ہے۔ یعنی شیخ کامل کوصحبت کے سوا اخلاق کی صحبت و آمیزش سے اپنے آپ کو دور رکھنا ہے۔ اصل میں عزلت سے مقصد حواس کو یعنی آنکھ کو دیکھنے، کان کو سننے اور زبان کو ناشائستہ کلمات سے پاک کرنا ہے چھٹا قاعدہ ذکر ہے۔ یعنی غیرح سے منہ موڑنا، ذکر الہی سے روحانی بندشوں اور قلبی بیماریوں سے نجات ملتی اور ذاکر شواہد جمال حق میں محو ہو جاتا ہے۔ ساتواں قاعدہ توجہ

ہے۔یعنی سالک غیر حق محبوب و مطلوب کی طرف توجہ نہ کریاور ایک لمحہ کے لئے محبوب حقیقی سے غافل نہ رہے۔آٹھواں قاعدہ صبر ہے۔جو عبادت و مجاہدات میں ثبات ہے۔نواں قاعدہ مراقبہ ہے۔یعنی حصول مطلوب کے لئے امید رکھنا۔سالک تزکیہ نفس کے بعد مواہب الھیہ کے اقتساب کا امیدوار رہتا ہے اور صمدی سے اپنی تاریکیوں کو دور کرتا ہے دسواں قاعدہ رضا ہے۔یعنی اپنی رضائے محبوب کی رضا میں داخل ہونا اس منزل میں سالک اوصاف ربانی سے متصف ہوتا ہے اور انوار قدوسی سے تابدار ہو کر فجائے لاہوتی میں پرواز کرتا ہے۔

(پاکستان میں فارسی ادب، جلد اول، ڈاکٹر ظہور الدین احمد)

تعمیر خانقاہ سید علی ھمدانیؒ:

صاحب تارخ اعظمی نے حجرت سید علی ھمدانیؒ کے بیٹے حضرت میر سید محمد ھمدانی کے حالات میں لکھا ہے۔کہ آپ کے فرزند اکبر میر سید محمد ھمدانی سلطان سکندر بن سلطان قطب الدین (متوفی ۷۹۶ ح) کے عہد میں بارہ سال تک کشمیر میں رہ کر اسلام کی تبلیغ و ترویج کرتے رہے۔ جناب سید علی ھمدانی نے فرمایا تھا کہ کشمیر کے چبوترے کی تکمیل محمد ھمدانی (آپ کے بڑے صاجزادے) کریں گے۔چنانچہ اس چبوترے پر جو حضرت سید علی ھمدانی نے دریائے جہلم کے کنارے پپانچ وقت کی نماز کے لئے بنوایا تھا۔آپ کے بیٹے نے ایک شاندار خانقاہ اور مسجد کی تعمیر کی بنیاد رکھی۔اس عمارت کی تعمیر ۷۹۸ھ (۱۳۹۵۔۹۶ء) میں شروع ہوئی اور ۷۹۹ھ (۱۳۹۶۔۹۷ء) میں تکمیل کو پہنچی (اقبال ے محبوب صوفیہ جب آپ خانقاہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپ نے پیر پنچال کا رخ

کیا۔ ان دنوں وہاں ایک سادھو رہتا تھا وہ آپ سے معترض ہوا کہ آپ یہاں سے آگے نہیں جا سکتے جب تک اپنی ولایت کا کرشمہ مجھے نہ دکھائیں۔ آپ نے سادھو سے فرمایا کہ بھائی میں ایک مسافر اور غریب آدمی ہوں۔ آپؒ صاحب مکان ہیں آپ ہی دکھا دیں اس نے بتوں کی طرف نظر تو وہ سب ناچنے لگے امیر صاحب نے اپنے مریدوں کی طرف نظر اٹھائی سب نے پاؤں سے جوتے اتار دئے۔ وہ جوتے اڑ کر ناچنے والے بتوں کے سر پر دھڑا دھڑ پڑنے لگے اور مار مار کر سب کو نیچے گرا دیا۔ سبحان اللہ اس وقت لا الا اللہ محمد رسول ﷺ کا غلغلہ آسمان تک پہنچا اور تمام قلوب محبت اسلامی سے ہل گئے۔ ہزاروں لوگ مسلمان گئے۔ وہ سادھو بھی تائب ہوا۔ اسلام قبول کر کے اپنا نام محمد صادق رکھوایا۔ ان کا مقبرہ درہ پنچال میں ہے۔ (منہج السلوک)

حضرت میر سید محمد نے ایک بیش قیمت لعل بدخشانی جوان کے پاس تھا تبرکاً سلطان سکندر کو دیا۔ سلطان نے اس کے عوض میں تین پرگنوں سے تین گاؤں مصارف خدام خانقاہ کیلئے عطا کئے۔ آقاقی علی اصغر حکمت نے لکھا ہے۔ کہ مسجد شہر سرینگر میں محلہ علاوء الدین پورہ میں فتح کدل و زینہ کدل پلوں کے درمیان واقع ہے۔ خانقاہ کے داخلی حصے میں بالائے محراب یہ رباعی جس میں آپ کی رمیان تاریخ وفات بھی شامل ہے۔ کنندہ ہے۔

حضرت شاہ ھمدان کریم آیۂ رحمت ز کلام قدم

گفت دم آخر و تاریخ شد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سید علی ھمدانی کی عظمت:

حضرت سید علی ھمدانیؒ کو ان کی حیات ہی میں ان کے روحانی تبلیغی کارناموں کی وجہ سے اسلامی دنیا میں غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل ہوئی۔ ایران ترکستان، پاک وہند کا چپہ چپہ ان کی شہرت عظمت سے گونج اٹھا۔ اپنے میں کشمیر ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب لاکر اہل کشمیر کو زندگی کا ایک نیا کیف عطا کیا۔ آواز حق کی سربلندی نے ان کو وہ عظمت اور سربلندی عطا کی کہ دنیا ان کے نام سے گونج اٹھی۔

حضرت میر محمد ھمدانیؒ

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ جناب امیر کبیر میر سید علی ھمدانیؒ کے فرزندار جمند اور خلیفہ ہیں۔ حضرت امیر کبیرؒ کے انتقال کے روز آپ کی عمر شریف بارہ سال کی تھی۔ حضرت امیر نے دنیا سے رحلت کے وقت دو دستاویزیں ایک وصیت نامہ دوسرا خلافت نام لکھ کر مولانا سرائی کے حوالے کی تھیں۔ اور فرمایا تھا کہ دونوں کاغذ خواجہ اسحاق ختلانی اور مولانا نورالدین بدخشی کے پاس پہنچانے چاہیں جب اسحاق ختلانیؒ اور مولانا نورالدین میر محمد ھمدانی قدس سرہ کی خدمت میں مشرف ہوئے اور حضرت میر نے اپنے والد بزرگوار کے کاغذان سے مانگے حضرت خواجہ نے صرف وصیت نامہ ان کے حوالے کیا اور کہا دوسرا کاغذ اس شخص کو دینا جائز ہے۔ جس کے طلب میں خداوند کریم مطلوبیت کے مقام سے پہنچے اور جس کا رتبہ خادمیت سے مخدومیت پر انجام پائے ابھی وہ وقت نہیں جب یہ وقت آئے گا حوالہ کریں گے۔ یہ باتیں سن کر حضرت سید ھمدانیؒ

کا حال بدل گیا، سجادہ نشینی چھوڑ دی اور خواجہ اسحاق کی خدمت میں تین برس پانچ مہینے رہے۔ اور اس مدت کے شروع میں (کلوخ استنجا، بول براز صاف کرنے کا ڈھیلا) ان کے لئے تیار کرتے تھے۔ پھر پانی لانے کی خدمت سپرد ہوئی۔ پھر مولانا نورالدین سے آداب طریقت حاصل کئے۔ جب سولہ برس کی عمر کو پہنچے خلافت نامہ ان کے حوالے کیا گیا۔ اور پھر خلق خدا کی رہبری میں مشغول ہو گئے ۸۹۶ھ میں سیر کشمیر کا خیال آپ کے دل مبارک میں پیدا ہوا۔۔ تین ہزار عالموں اور سیدوں کی جماعت کے ساتھ لے کر اس دلپزیر خط کو تازہ رونق بخشی۔ مولف حسن کی تاریخ ہے۔

حسن گفت تاریخ تشریف او

مبارک امیر کبیر آمد

جب اہل وجود کے اس رہبر لیڈر کی تشریف آوری کی سعادت مند خبر شیخ نورالدین نورانیؒ کے گوشہ مبارک میں پہنچی آپ نے فرمایا ''کا شرین پیراہ آو''۔

کشمیریوں کا ایک پیر آیا۔ اس فقرے کو جب ابجدی قیمت لگا کر عددوں کو جمع کیا گیا ۔تو تاریخ ورود حضرت میر برآمد ہوئی سلطان سکندر نے شاندار استقبال کر کے تن و من سے مہمانداری اور فرمانبرداری مراسم بجالائے اور حضرت میر کی تجویز سے حضرت امیر کے بنائے ہوئے چبوترے پر خانقاہ معلیٰ کی تعمیر نہایت سنجید گی اور مظبوطی کے ساتھ شروع ہوئی۔ بھون کے گاؤں ترال اور وچی وغیرہ میں جہاں کہیں حضرت امیر کی تجلیات الہیٰ سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ عالیشان خانقاہ ہیں بنا لیکن۔

کرالہ پورہ کے گاؤں میں ان کے دل مبارک کو خوش کرنے کے لئے ایک وسیع باغ بنوایا۔ حضرت سید کے پاس ایک گراں بہا بدخشانی لعل تھا۔ اسے تبرک کے طور پر سلطان سکندر کو بخش دیا اور اس کے معاوضے میں اس سے تین گاؤں قصبہ ترال۔ نونہ ونی اور موضع وچی کو لے لیا اور ان تینوں جگہوں کی آمدنی کو خانقاہ معلیٰ کی اخراجات کے لئے وقف کیا۔ اس کی مفصل کیفیت حصہ اول میں پورے طور سے بیان کی گئی ہے۔ اور سلطان سکندر کی سند کی نقل اور حضرت سید کا وقف نامہ اس میں موجود ہے۔

الغرض حضرت سید ھمدانیؒ نے بائیس برس اسلام کی رسوم کی اشاعت شریعت کے احکام کے اجرا اور بدعتوں کے دور کرنے میں گزارے۔ ہر جگہ مندروں کی جگہ مسجدیں تعمیر کیں۔ اور بے شمار غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لایا۔ سلطان کے وزیر ملک سہہ بٹ کو استقبال کے موقع پر ایک ہی نگاہ کے اثر سے مسلمان کر کے ملک سیف الدین کے نام سے موسوم کیا اور ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت سے عزت بخشی کہتے ہیں کہ حضرت سید کے نکاح میں پہلے سید حسن بہادر کی لڑکی بی بی تاج خاتون تھی اور وہ پانچ برس کے بعد وفات پا گئی۔ اور ملک مسعود ٹھاکور کے مقبرے سے کچھ اوپر فتحکدل کے متصل دفنائی گئی اس کے بعد ملک سیف الدین کی نیک بخت لڑکی بی بی بارعہ نکاح میں لائی اور وہ تین سال کے بعد اس دنیا سے چل بسی۔ اور کرالہ پورہ گاؤں میں اپنے باغ میں سپرد خاک کی گئی۔ آجکل ودِموجی کے نام مشہور ہے۔

لکھتے ہیں کہ حضرت سید میر محمد دین اسلام کی اشاعت کے لئے ایک

مدت کے لئے تبت خورد کی طرف تشریف لے گئے۔ بلتستان کے ایک علاقے شگر اور لداخ کے علاقے لہیہ میں خانقاہیں تعمیر کر کے واپس آ گئے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ سلطان سکندر حضرت میر کی محبت اور خدمت گزاری دل و جان سے کرتے تھے اس لئے سید محمد حصاری کے دل مبارک میں تھوڑی سی کدورت پیدا ہوئی اور حضرت سید میر محمد ہمدانی سے قطع تعلق کیا اور ان کی کم عمری اور بے علمی کی شکایتیں امراء وزراء کے پاس کرنے لگے۔ ایک دن دربار بادشاہی میں علم منطق وغیرہ میں بحث ومباحثہ کرتے ہوئے حضرت میر کے ساتھ جھگڑا کیا۔ اور ان پر الزام لگایا اور حضرت میر رنجیدہ خاطر ہوئے۔ رات کو دیکھا کہ والد بزرگوار حضرت امیر کبیر نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈال دیا اور نصیحتیں کیں جب بیدار ہو گئے۔ اپنی تئیں کو عقلی اور نقلی علوم سے مالا مال پایا اور اسی روز کئی خط حقیقت معرفت اور نصیحت کے لکھ کر سلطان کو بھیجے۔ اور کتاب ''شمسہ منطق کی شرح لکھی۔ اور جب یہ کتاب سلطان سکندر کے مطالعہ میں آئی اور علماء فضاحت نے موازنہ کیا۔ تو اس میں اور حضرت امیر کے کلام بابلاغت میں کوئی فرق نہ پایا۔ اس کے بعد حضرت سید میر محمد ہمدانی نے علم تصوف کے پنتالیس رسالے تصنیف کئے۔

ایک دن حضرت سید محمد حصاری شیر پر سوار ہو کر حضرت سید میر محمد ہمدانی کے سامنے سے گزرے۔ اسی وقت کہ آپ نے جای نماز دیوار پر ڈالی۔ اور سوار ہو کر سید محمد حصاری کے آگے نکل گئے۔ اور فرمایا شیخا! جو کچھ آپ نے کیا جان آزادی ہے اور جو کچھ میں نے کیا خودداری ہے۔ کام نہ تو تند خوشمناک شیر کو ماتحت بنانا ہے۔ اور نہ بے جان دیوار کو فرما

نبردار بنانا۔ بلکہ مدعا و مقصد حضرت اللہ تعالیٰ کی دائمی حضوری اور دیدار ہے۔ کچھ مدت کے بعد حضرت سید محمد حصاری اس خیال سے پھر گئے، کدورت دور ہو گئی اور سید محمد ھمدانی کو مجازی اور حقیقی تعلیم و تربیت سے نوازا۔ اپنی خلافت کا خط نہیں لکھ کر دیدیا۔ کچھ مدت کے بعد پھر ان کے درمیان ظاہری رنجش واقع ہوئی۔ اس لئے سید محمد ھمدانی لاؤ لشکر نوکر چاکر ساتھ لیکن ۸۱۷ھ میں حج کو روانہ ہوئے۔ اور رخصت کے وقت حاضرین مجلس کو خیر باد کہی۔ داناؤں نے اس فقرے سے ان کی واپسی کی تاریخ نکالی۔ حج کے مراسم بجا لانے کے بعد اپنے وطن کو تشریف لے گئے۔ اور عمر عزیز کو ھمدان میں گزارا۔ منگلوار سترہ ربیع الاول ۸۵۴ھ کو دنیا سے رحلت فرمائی۔ اور والد بزرگوار کے مرقد کی ہمسائگی میں قرار پایا۔

اوراد فتحیہ کی اہمیت

حضرت بابا داؤد خاکیؒ رقمطراز ہیں:

حلقه کرده قاریٔ اوراد فتحیه شوق

اولیاء بسیار مشهورش شیر الله شده است

یعنی میں محبوب العالم شیر اللہ کی جھیل کے نزدیک پہنچا تو وہاں سطح زمین پر رہنے والے فرشتوں کو ایک دائرے میں پورے شوق سے اوراد فتحیہ پڑھتے ہوئے دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اوراد فتحیہ کتنی عظیم کتاب ہے۔ اور اس کی تلاوت کرنا سنت ملایکہ ہے۔ لہذا اس مقام پر وہ لوگ ذرا غور کریں جو اوراد فتحیہ کا ورد کرنا شرک و بدعت قرار دیتے ہیں۔ تعجب ہے ان لوگوں پر

کہ فرشتے اوراد فتحیہ کا ورد کریں اور آج کا نام نہاد مسلمان اس کو شرک و بدعت قرار دیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ دنیا کی ہر چیز اللہ تبارک تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے۔ ذکر الٰہی تمام چیزوں کی زندگی کی علامت ہے اس لئے درخت کی وہ شاخ جو ذکر الٰہی ترک کر دیتی ہے وہ بادصرصر کی نذر ہو جاتی ہے۔ اور خشک ہو کر اپنے فنائیت کا اعلان کر دیتی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ درخت وہ پتا جو یاد الٰہی چھوڑ دیتا ہے وہ تر و تازگی سے محروم ہو جاتا اور درخت سے سا کا تعلق چھوٹ جاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ ان دو قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان میں سے پیشاب کے قطرات سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کی ایک تر شاخ کو دو ٹکڑے کیا ایک ٹکڑا ایک قبر پر اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر لگا کر ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ شاخ تر رہے گی (یاد الٰہی میں مصروف رہے گی) ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ سرزمین کشمیر پر اوراد و وظائف اولیاء کرام کے روحانی فیوض و برکات کی وجہ سے اب بھی جاری و ساری ہیں۔ قبل نماز فجر دعاء صبح، بعد نماز فجر اوراد فتحیہ، بعد نماز مغرب اوراد قادریہ کبریت احمر وغیرہ پڑھنے کا سلسلہ جاری ہے اور یہ مروجہ سلسلہ یہاں اتنے ہی قدیم ہیں جتنا خود اسلام ہے۔ دعوت اسلام کے اولین داعی حضرت سید شرف الدین عبد الرحمان (بلبل شاہ صاحبؒ) اپنے وقت کے جید عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے صوفی صافی اور عارف باللہ تھے۔ وہ

مسلکاً حنفی اور مشرباً عالیہ قادریہ سے وابستہ تھے اور معمولات مشائخ قادریہ کے عامل تھے۔ انہیں اشاعت دین کے اس عظیم الشان کام کو جاری رکھنے کا زیادہ عرصہ تک موقعہ نہ ملا۔ ان کے واصل بحق ہونے کے بعد امام ربانی میر سید علی ہمدانیؒ نے ایک منظم اور مربوط پروگرام کے تحت تبلیغ اسلام اور اشاعت دین کی دعوت کو آگے بڑھایا۔ سات سو سادات اہل بیت کرام کی جماعت ان کے ہمرکاب تھی جو علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے بلند مراتب پر فائز تھی۔ خود میر کارواں حضرت امیر کبیر قدس سرہٗ علوم شرعیہ اسلامیہ کے تمام شعبوں پر کامل دسترس رکھنے کے علاوہ بحر حکمت و عرفان کے غواص تھے اور صوفیاء کرام کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جو شریعت و طریقت کے جامع اور کشف و مشاہدہ کی صفات عالیہ سے متصف تھے۔ علاوہ ازیں وہ ایک دور رس نگاہ رکھنے والے سیاسی مفکر دور اخاز طبیعت رکھنے والے سیاح تھے۔ کہا گیا ہے کہ کشمیر اسلام کی آغوش میں آنے سے پہلے دوشیوازم کا گہوارہ تھا اور یہاں کے لوگ روحانی سکون و طمانیت حاصل کرنے کے لئے سخت محنت و ریاضت کے مختلف طریقوں پر عمل کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ زمانہ کفر میں مندروں اور بت خانوں میں جا کر شرکیہ گیت گاتے تھے اور بتوں کے سامنے آلتی پالتی کر کے یعنی چہار زانوں بیٹھ کر پوجا پاٹ کر کے ان سے آشیرواد لیتے تھے۔ حضرت امیر کبیرؒ نے کشمیریوں کا مزاج دیکھ کر اور ان کی اس ریاضت کو اسلامی عقیدۂ توحید کے سانچے میں ڈالنے کیلئے انہیں صوفیاء کرامؒ کے طریقہ کے مطابق مراقبہ کرنے اور ذکر و اوراد کے حلقے قائم کر کے روزانہ کچھ وقت یکسوئی کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں گذارنے کی تلقین کی اور

اس سلسلے میں عملاً آپ نے اور آپ کے رفقاء کرام نے لوگوں کی رہنمائی کی اور آیات قرآنیہ وکلمات مسنونہ پر مشتمل اوراد و وظائف صبح وشام پڑھنے کی تلقین کی اور اس سلسلے میں مختلف مقامات پر خانقاہیں تعمیر کیں جہاں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ سلوک و احسان کے آداب و مشاغل کی تعلیم و تربیت سے بھی طالبان حق کو روشناس کیا جاتا تھا۔ اس کے نہایت خوشگوار نتائج جلد نمایاں طور پر ظاہر ہوئے۔ نومسلم کشمیریوں کے دل انوار وتجلیات ربانی سے منور ہوتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی صحبت ہر شئے کی محبت پر غالب آ گئی اور وادی کے طول و عرض میں فضا توحید و رسالت کے نغمات سرمدی سے گونجنے لگی۔ اور اوراد فتحیہ اور دعاء صبح حضرت امام ربانی میر سید علی ہمدانیؒ کے تلقین فرمودہ اوراد و وظائف کے اسی سلسلہ مقدسہ ومتبرکہ کے دو جامع مجموعے ہیں جو حضرت امیرؒ کے دور سے آج تک پورے تواتر کے ساتھ اہل اسلام میں رائج اور معمول بہما ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت شاہ ہمدانؒ نے اپنے سفر کے دوران دنیا کے چار سو اولیاء اللہؒ سے ملاقات کی اور ان کو آگاہ کیا کہ خدا نے کشمیری قوم کو میرے سپرد کیا ہے۔ چونکہ وہ لوگ ان پڑھ بھی ہیں اور کاہل بھی اور نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ میں ان کے لئے ایک ایسا نسخہ جمع کرنا چاہتا ہوں جو خالص توحید باری تعالیٰ کے دلائل پر مشتمل ہو۔ جس کے پڑھنے سے دلوں کی صفائی ہونے کے ساتھ ساتھ کفر و شرک سے خود بخود نفرت ہوتی ہو۔ آپؒ نے ہر ایک ولی کامل سے کہا کہ اگر آپ بھی اپنے معمولات اور وظائف میں سے کوئی فقرہ عنایت فرمائیں گے تو میں اس کو اس نسخے میں شامل کر کے آپ کو بھی

اس ثوابِ عظیم میں حصہ دار بنانے کی سعادت حاصل کروں۔ اسطرح آپؒ نے ہر ایک خدا کے نیک بندے سے ایک ایک بات کولیکر اس نسخے میں جمع کیا۔ پھر یہ نسخہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضر ہوکر مراقبہ کی صورت میں رہ کر بغرض منظوری پیش کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواجہ شریف سے باہر آکر ایسا ہی ایک نسخہ عنایت فرمایا اور حکم دیا خُذ بفَتْحِیَہ یعنی لے لو یہ تمام مشکلات سے نجات کا دروازہ کھولنے والی کتاب ہے۔ آپ جب اپنی اصلی حالت پر آگئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں وہی عبارت من وعن درج ہے جو آپؒ کے جمع کردہ نسخے میں تھی۔ تو آپؒ نے اس کا نام اوراد فتحیہ رکھا۔ (الانبیاہ فی سلاسلِ اولیاء) اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اوراد فتحیہ کتنی عظیم کتاب ہے اور اس کی تلاوت کرنا کتنی خوش بختی ہے۔ نیز جناب امیر کبیر نے اتنی بابرکت کتاب دیکر ہم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ اوراد فتحیہ کی روزانہ تلاوت کرنے سے بلائیں ٹلتی ہیں، دعائیں قبول ہوتی ہیں، دلوں میں خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اطمینان قلب اور تسکین خاطر کی نعمت میسر آتی ہے۔ خاص کر اس کا روزانہ پڑھنے والا آپؒ کے مریدوں اور پیروں کاروں میں شامل ہونے کی امید رکھ سکتا ہے۔ آپؒ نے ایسے ہی مریدوں کو یہ مژدہ سنایا ہے۔ یَا مَعْشَرَ الْمُرِیْدِیْنَ اِنْ تَکُوْنُوْا مِنَ الصّٰلِحِیْنَ یَجْمَعُکُمُ اللّٰہ مَعِیَ فِی الْجَنّٰتِہِ وَ الاَّ یَغْفِرُ اللّٰہ لَکُمْ بِبَرَکَتِہ مُحَبَّتِیْ وَھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ یعنی اے میرے مریدو! اگر تم نیکو کاروں میں سے ہو جاؤ گے تو خدا تم کو میرے ساتھ جنت میں جمع کریگا۔ اگر ایسا

نہ ہوگا تو بھی خدا میری محبت رکھنے کی وجہ سے بخش دے گا کیونکہ وہ رحم کرنے والا ہے۔ خدا ہدیت نصیب کرے اور ہم کو اہل سنت کے مسلک پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

دعاءِ صبح اور حضرت امیر کبیرؒ

کشمیر کی مساجد میں فجر کے وقت سنت اور فرض نمازوں کے درمیانی وقفے میں دعاء صبح پڑھی جاتی ہے۔ جس میں تسبیحات ربانی اور درود مناجات کے ساتھ ساتھ توبہ استغفار بھی کیا جاتا ہے۔ جب سارا عالم سکوت خاموشی میں مست ہوتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے بندے اور رسول اللہ ﷺ کے اُمتی بستر راحت کو لات مار کر مسجد میں حاضر ہوتے ہیں۔ اس سکون ساعت میں تسبیحات ربانی کی آواز فضا میں گونجتی ہے تو ایک عجیب روحانی کیفیت ماحول پر طاری ہوتی ہے۔ خلوص و محبت سے بھری ہوئی آہیں عرش الٰہی سے ٹکراتی ہیں۔ رب ذوالجلال کی بزرگی اور عظمت کے نغمے سینوں سے مچل مچل کر زبانوں پر آکر فضاء آسمانی میں گونج اُٹھتے ہیں۔ اس پُر کیف اور پُر درد سماں میں ایک مومن کامل کا رواں رواں تھر تھراتا ہے۔ آنکھوں سے گرم گرم آنسوں کے قطرے چھلک کر گناہوں کا میل بہا لے جاتے ہیں۔ ایسے عالم میں دل کی گہرائی سے ایک ٹیس اُٹھ کر آہ کی صورت میں نکلے تو کیوں نہ بیڑا پار ہو جائے۔ باطنی پاکیزگی اور خلوص دل سے جب توبہ استغفار کیا جائے تو کیوں نہ رحمت الٰہی جوش میں آئے۔ جب درد بھرے نالے عرش اعظم سے ٹکرائیں تو کیوں نہ فرشتے پکار اُٹھیں کہ یا الٰہی تمام خلقت تو تجے

سجائے پلنگوں پر سوئی ہوئی ہے اور یہ تیرے مومن بندے تیرے در پر آ کر نیازمندی کی صدائیں دیتے ہیں تو جو رحمت کے دروازے کھول دے تو تیرے گناہ گار بندے نجات پائیں اور شیطان مردود خاک ملتا رہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب ''الانتباہ فی سلاسلِ اولیاء'' میں ''وظائفِ کبرویہ'' کے زیرِ عنوان ایک باب رقم فرمایا ہے' اس عبارت کا ترجمہ ''انفاسِ قدسیہ'' کے حوالے سے ہدیہ قارئین ہے، ''جونہی صبح صادق اچھی طرح ظاہر ہو جائے تو فجر کی سنت کی دو رکعتیں پڑھ کر اور سلام پھیرنے کے بعد ایک سو بار ''سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم و بحمدہ استغفر اللہ'' پڑھے۔ اس کے بعد فجر کی فرض کی دو رکعتیں پڑھے۔

حضرت میر سید علی ہمدانیؒ فرماتے ہیں کہ ''جب میں سراندیپ میں حضرت آدم صفی اللہ کی اقدم گاہ دیکھنے کیلئے گیا تو میں نے اس روز صبح کے وقت ایک عجیب و غریب خواب دیکھا کہ اکثر مشائخ کرام اس فقیر کی ملاقات کیلئے روحانی طور پر تشریف لائے جن میں حضرت نجم الدین کبریٰؒ جلوہ افروز تھے۔ ''حضرت میر سید علی ہمدانی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ہی نجم الدین کبریٰ سے دریافت کیا کہ حضرت! اوراد واذکار میں کون سا ذکر زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اور کس کا ثواب زیادہ ہے؟ حضرت نجم الدین کبریٰ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا'' میں نے ان تمام اخبار و احادیث صحیحہ کا مطالعہ کیا ہے جو اذکار اوراد کے بارے میں وارد ہیں تو غور فکر کے بعد معلوم ہوا کہ جو فضیلت و ثواب ''سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم'' میں پایا جاتا ہے وہ اجر و ثواب کسی اور ذکر و وظیفہ میں نہیں پایا''

حضرت میر سید علی ہمدانیؒ فرماتے ہیں ''جب میں خواب سے بیدار ہوا

اور حضرت نجم الدین کبریٰ کے جواب پر غور کیا تو رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث مبارک یاد آئی جسے امام بخاری عطر اللہ مرقدہ نے بخاری شریف کی جلد دوم کے اختتام پر لایا ہے' وہ یہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا' (ترجمہ حدیث) دو کلمے ہیں زبان پر آسمان اور ہلکے' میزان عمل میں بہت بھاری اور وزن دار ہیں اور پروردگار رحمان کو بہت پیارے اور محبوب ہیں' یعنی ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم'' انفاس قدسیہ صفحہ (۳٦)

قارئین کرام اسی دعاء صبح کو حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ سے کشمیری مسلمانوں نے حاصل کیا اور ابتداء ہی سے اس کا ورد کرتے آئے ہیں۔ نہ صرف عوام بلکہ خواص نے بھی اس وظیفے کو حرز جان بنائے رکھا۔ تقریباً ساڑھے چھ سو سال سے کشمیری مسلمانوں کا اس پر تواتر کے ساتھ عمل رہا۔ کبھی کسی محدث فقیہ عالم یا مفتی نے اس عمل پر نکیر نہ کی' البتہ دورِ جدید کے بعض نادان دوستوں نے اس ذکر و تسبیح کے سرمدی نغموں کے خلاف محاذ کھڑا کیا ہے جس کے رد عمل میں یہ دلیل کافی ہے کہ حجتہ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ابی الحسن شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے بھی نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ امام شافعیؒ کو اپنی کتاب الرسالہ میں الاھمَ صلِ علیٰ محمد کلماذکرہ الذاکرونِ وصل علیٰ محمد کلمہ غفل عن ذکرہِ الغفلون لکھنے کی کیا جزادی گئی۔ رسول مکرم ﷺ نے فرمایا میری طرف سے انہیں یہ جزا دی گئی کہ قیامت کے دن انہیں حساب نہیں ہوگا۔ اور حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں ایک روز درخت لگا رہا تھا اتنے میں وہاں سے نبی مکرم ﷺ کا گزر ہوا انہوں نے فرمایا اے ابوہریرہ کیا کر

رہے ہو؟ میں نے عرض کیا درخت لگا رہا ہوں۔ انہوں نے فرمایا اس سے بہتر درخت نہ بتاؤں۔ میں نے کہا ہاں فرما دیجئے تو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا پڑھو سبحان اللہ والحمد لِلّٰہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ان میں سے ہر ایک کلمے کے بدلے تمہارے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا۔ لہذا وہ لوگ جو دعاء صبح کو غلط اور ان کی مخالفت کو ہی دین سمجھتے ہیں انہیں ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہئے کہ تسبیح ملائکہ کی فضیلت پر رسول خدا ﷺ کی احادیث مقدسہ شاہد ہیں۔ فی الواقعہ کشمیری مسلمان ان احادیث پر عمل پیرا ہیں۔ لہذا مبارک بادی کے مستحق ہیں اس معاملے میں ان کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے نہ کہ حوصلہ شکنی۔ اگر منکرین سے یہ سوال کیا جائے کہ آپ روزانہ کتنی بار ان احادیث پر عمل پیرا ہوتے ہیں؟ تو شاید ہی کوئی سر اٹھا کر جواب دینے کے قابل ہو گا۔ حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ عاملین کی مخالفت کر کے اس گمان میں مبتلا ہیں کہ دین حق کی اشاعت کرتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ

شیخ نورالدین نورانیؒ بحرِ عرفان است	مظہرِ فیض و جود رحمان است
در تجرد و جو موسیٰؑ عمران	در ریاضت بلالؓ و سلمانؓ است
در علوم تصوف و توحید	حکمت آموز صد چو لقمانؑ است
زیرِ مرقدِ شریفش را	مشکلاتش تمام آسان است

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ کشمیر کے علمدار، ریشیوں کے تاجدار، کشمیر کے خدا رسیدہ بزرگوں میں نامدار، فخر، اولیاء کبار، عبادت،

ریاضت، مجاہدہ، نفس کشی، ترکِ لذت، ترکِ شہوات میں یگانہ روزگار، کشف وکرامات، حالات اور کمالات میں آفتاب نور بار فنافی اللہ اور بقا باللہ کے میدان کا شہسوار حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ ولایت کے عظیم الشان مقام مراتب پر فائز ہیں۔ آپ کی نفس کشی دنیا سے بے رغبتی، گاروں میں گوشہ نشینی اہل وعیال سے علیحدگی اور فقیری و درویشی دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ آپ اپنی مثال آپ ہیں۔ جیسے زاہد و عابد یہاں کشمیر مین دوسرا کوئی بزرگ آج تک پیدا نہیں ہوا ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت شیخ العالمؒ پرگنہ آرونی کے ایک گاؤں کیموہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ آپ کے والد صاحب کا نام شیخ سالارؒ اور والدہ کا نام سدرہ ماجیؒ تھا۔ آپ عیدالضحیٰ یعنی دس ذی الحجہ ۷۷۹ھ بروز پنجشنبہ بوقت چاشت پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ سالار کا اصلی نام سلر سنز تھا۔ وہ کشتواڑ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا جداعلیٰ اوگر سنز کشمیر آیا تھا۔ تو یہاں کے راجہ نے اس کو روپہ ون کا گاؤں بطورِ جاگیر دیا تھا۔ اور وہ وہیں رہائش پزیر ہوا تھا۔ سلر سنز بجبہاڑہ کے ایک خدا دوست یاسمن ریشیؒ کی خدمت میں آکر مسلمان ہوا۔ تو انہوں نے شیخ سالارالدین نام رکھا۔ اوگر سنز کا ایک پوتا آرونی علاقے کے ایک گاؤں کھیہ میں رہتا تھا۔ اس کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس نے لڑکی کو گاؤں کے چوکیدار کے حوالہ کیا تاکہ وہ اس زمانے کے رسم کے مطابق اس لڑکی کی پرورش مقررہ اجرت پر کرے کیونکہ لڑکی کا باپ بڑا متمول اور امیر شخص تھا۔ اتفاق سے لڑکی کے تمام رشتہ دار دو چار برسوں میں مر گئے اور باپ کا مکان مع سرمایہ تباہ و برباد ہوا تو لڑکی چوکیدار کے پاس ہی رہ گئی تو بالغ ہو کر چوکیدار نے اس کی شادی

موضع کیموہ کے ایک چوکیدار کے گھر میں کی۔ جہاں اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے اور لڑکی دوسرا بیٹا پیدا ہونے کے بعد ہی بیوہ ہوگئی۔ لڑکی کا رضاعی باپ یعنی کیہ کا چوکیدار بھی یاسمن ریشی کا معتقد تھا۔ ایک دن اس نے ریشی صاحب کو اس کی لڑکی کی ساری داستان سنائی تو ریشی صاحب نے فرمایا کہ یہ لڑکی اصل میں راجوں کے خاندان سے ہے۔ اس کو اسی خاندان کے ایک شخص شیخ سالار سے شادی کریں گے۔ چوکیدار نے مان لیا تو شیخ سالارؒ کو اسی گھر میں لایا جہاں لڑکی کے دو کمسن بیٹے تھے۔ یاسمن ریشی نے لڑکی کا نام سدرہ ماجی رکھا اور وہ بھی مسلمان ہوئی۔ ایک روز شیخ سالار اپنی بیوی کو ہمراہ لیکر یاسمن ریشی کی خدمت میں آئے اچانک للہ عارفہ ہاتھ میں ایک گلدستہ لیکر وہاں پہنچی۔ یاسمن ریشی نے للہ عارفہ سے پھولوں کا گچھا لیکر سدرہ ماجی کو دیا۔ اور کہا ''اس کو اپنے سر پر لگاؤ تو خدا تم کو ایک بیٹا عطا کرے گا جو ہماری حقیقت اور ہمارے حال کا وارث ہوگا۔ اور ریشی مسلک کا یہاں کشمیر میں امام ہوگا۔ خدا کے فضل سے جب سدرہ ماجی نے بیٹے کو جنم دیا۔ تو نوزائد بچے نے ماں کا دودھ نہیں لیا۔ تو والدہ کو تشویش ہوئی۔ اسی وقت للہ عارفہ نمودار ہوئی اور بچے کو گود میں لیکر اپنا پستان منہ میں ڈال کر فرمایا'' چیہ مالہِ چیہ زنیہ مند چھکُ نہ چینہ چھکُ مندہ چھان'' یعنی پیو پیارے لاڈلے پیو، دنیا میں آنے سے نہیں شرمایا، دودھ پینے سے شرماتے ہو۔ بچہ دودھ پینے لگا۔ اس طرح سے للہ عارفہ نے عرفان کے دو چار گھونٹ پلا کر خوش نصیب بچے کا وجود معرفت حاصل کرنے کے قابل بنا دیا۔ بچے کا نام نندہ سنز رکھا گیا۔ تقدیر سے باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا۔ تو ماں جا بھائیوں نے پرورش کی۔ چونکہ

وہ ڈوم قوم سے تھے اور چوری کرنا ان کا پیشہ تھا۔ وہ آپؒ کو بھی یہی کام سکھانا چاہتے تھے بلکہ چوری کرنے کیلئے آپؒ کو ساتھ لیتے تھے۔ مگر آپؒ اس طرف کبھی مائل نہیں ہوتے تھے۔ بھائیوں نے آپؒ کی شادی ڈاڈسرہ ترال میں ایک نیک سیرت لڑکی سے کی جس کا نام زئی تھا۔ اس کے ہاں دو بچے ایک بیٹی اور ایک بیٹا پیدا ہوئے۔ ایک روز بھائیوں نے ڈانٹ کر کہا کہ دیکھو اب تمہارا اپنا عیال بھی ہے۔ ان کے لئے تمہارا کچھ کمانا ضروری ہے۔ لہذا ہمارے ساتھ آؤ اور وہی کرو جو ہم کرتے ہیں۔ تو حضرت شیخ مجبوراً ان کے ساتھ گئے اور ایک گھر سے ایک گائے اور ایک چادر چوری کر کے بھائیوں نے آپؒ کے حوالہ کر دی۔ اور کہا یہ دونوں چیزیں گھر لے جاؤ۔ حضرت شیخ جب رات کے آخری حصے میں گھر کے نزدیک پہنچے تو ایک کتے نے آپؒ کو دیکھ کر بھونکنا شروع کیا حضرت نے چادر کو گائے کے کمر پر باندھ کر اس کو آزاد چھوڑ دیا۔ صبح کو جب بھائیوں نے گائے اور چادر کے بارے میں پوچھا تو آپؒ نے فرمایا۔

آنگن نا داوس کران ہونو وو با و وتہ وو با وو
یمی یتہٕ وو وتے تمی تتہ لونو نند وو وتے نند ووو

مطلب یہ کہ ”مجھے ایک کتے نے نصیحت کی کہ جو بوؤ گے سو کاٹو گے۔ دنیا آخرت کا کھیت ہے۔ ہر کوئی شخص جو یہاں بوئے گا اسی کا پھل قیامت میں پائے گا۔ میں نے کتے کی یہ نصیحت سن کر گائے کے کمر پر چادر رکھ کر اسے چھوڑ دیا“ بھائیوں نے آپؒ کی سخت سرزنش کی اور ماں کو سارا قصہ سنایا اور آپ کو بال بچوں سمیت اپنے سے الگ کر دیا۔ والد نے دوسرے روز آپؒ کے پاس ایک رسی ایک گیا کا پلہ اور ایک چھوٹی سی

کلہاڑی لائی اور کہا جنگل میں جا کر سوکھی لکڑی لاؤ اور وہی فروخت کر کے بال بچوں کے لئے روزی کماؤ۔ تو آپؒ نے یہ سامان دیکھ کر فرمایا ۔

یہ یلہ سا ما نہ دماہ تا مت — بیہ کہ پھر واتی یو تے
وہ نی لوت گرھن قیامژ تامت — ونتہ ما جی کیاہ چھم تو ت گتے

مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں جو تم نے مجھ کو دیدین لکڑی کاٹ کر اور بیچ کر یہ چیزیں پھر یہاں ہی لائی جائیں گی۔ لیکن میری ماں مجھے بتاؤ کہ مرنے کے بعد جہاں ہمیشہ کے لئے جانا ہے وہاں کے لئے کیا سامان ہے جو ہم نے جمع کیا ہے؟ والدہ صاحبہ خاموش ہوئیں تو آپ نے ماں سے کہا۔ آج سے مجھے معاف کیجئے مجھ کو خدا کے کام کے لئے چھوڑ دو۔ ہمارے اور تمہارے رزق کا ذمہ دار خدا ہے۔ یہ کہہ کر گھر سے چلے گئے اور کئی روز ادھر اُدھر گھوم کر موضع کہیہ میں پہنچے۔ یہ گاؤں آپؒ کا نانیہال بھی تھا۔ گاؤں کے ایک چشمے پر بیٹھ گئے۔ اور رات کو خواب میں حضرت رحمتہ للعالمینﷺ کو چار یار باصفاؓ سمیت ایک کشتی میں جو خشکی پر چلتی تھی دیکھا۔ شیخ کو بلا کر کشتی میں اتارا اور سرور دو عالمﷺ نے نام پوچھا شیخ نے عرض کیا: میرا نام نندہ ہے'' (کشمیری میں نندہ خوبصورت اور اچھے کو کہتے ہیں) آنحضورﷺ نے فرمایا'' جب تمہارا نام اچھا، اور لائق اور زینت والا ہے پھر چاہیئے کہ تو برا نہ ہوتا کہ تمہارا نام تم پر مبارک ہو۔ پھر آپؒ کے کندھے پر دست مبارک رکھ کر دعا فرمائی اور چار یار باصفا نے آمین کہی۔ جب آپؒ بیدار ہوئے تو آپؒ کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔ انہیں معلوم ہوا کہ پاتال سے عرش اعظم تک جو کچھ ہے وہ ان کی نظر میں

ہے۔ پوشیدہ بھیدوں اور غیبی باتوں کی واقفیت سے آپ کا دل بھر گیا ہے
اس واقعہ کے بعد آپ کے سینے میں عشق کی وہ آگ بھڑک اٹھی جس
نے حرص وہوا اور نفسانی خواہشوں کو راکھ کر ڈالا اور حضرت شیخ کھانے،
پینے، سونے اور لوگوں میں بیٹھنے کو پرہیز کرنے لگے۔ آپؒ گھاس کے
پتے اور سبزی کے خشک ٹکڑوں پر گزارہ کرنے لگے۔ آپ اکثر خالی پانی پی
کر یاد خدا میں مصروف ہو جاتے تھے اور لوگ آپؒ کو دیوانہ خیال کرنے
لگے۔ تصوف کی تعلیم میں اس طریقے کو" اویسی سلسلہ" کہتے ہیں۔ اس
سلسلے میں عاشق خدا کو پیغمبروں اور ولیوں کی روحوں سے تربیت اور فیض
باطنی ملتا ہے۔ جس طرح آپؒ کو براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض
حاصل ہوا۔

متاع زندگی من ہمیں یک شعلہ عشقش
کز و جان و دو عال؛م چوں سوخت خود را کیمیا بینم

حضرت شیخ نور الدین نورانیؒ بچپن میں اپنے باپ کے ساتھ جناب
سید حسین سمنانیؒ کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد
بھی آپؒ حضرت سید سمنانی سے ملاقات کرتے رہے اور شریعت و
طریقت سے مطعلق جانکاری حاصل کرتے رہے۔ چنانچہ جناب سید
سمنانی نے آپؒ کو نندہ سنز کے بدلے نور الدین نام رکھا اور فرمایا حضرت
شیخ العالمؒ کے علم وعمل کو نور سارے کشمیر کو روشن کرے گا۔ آپؒ نے تیس
سال کی عمر میں دنیا سے کنارہ کشی کر کے کیموہ کے ایک غار میں خلوت نشینی
اختیار کی۔ جب آپؒ غار میں چھپ گئے تو آپؒ کے عیال کا بار آپؒ کی
والدہ پر پڑا تو انہوں نے غار کے دہانے پر جا کر حضرت شیخ سے مادری

حقوق پر بڑی گفتگو کی تو حضرت شیخ العالمؒ نے فرمایا۔

ماجی متے دِتم آزار، ننده ہے از مزار ژاوٗ ے
ماجی دنیا تاوِنن بازار، بوتن گھٹ رودس توے
ماجی در گہہ دِتھم ندا، سُے ندا میہ ہے دوتے
ماجی ژہ مے برمیون مُدا بوتن گھٹ رُدوس توے

آپؒ نے غار میں جنگل سے کاسنی اور ویل ہاک جمع کر کے رکھا تھا وہی کھاتے تھے اور کبھی کبھی باہر آ کر قضائے حاجت کر کے وضو فرماتے اور ٹھنڈا پانی پی کر غار میں چلے جاتے تھے۔ بارہ برس تک اسی غار میں رہے۔ ایک روز آپؒ کی بیوی غار میں آئی اور کہنے لگی میرا اور میرے بچوں کا چارہ کرو۔ مجھے کھانے کے لئے دیدو اور اپنے بچوں کو سنبھالو حضرت نے فرمایا: آج رات بچوں کو اپنے ساتھ رکھو۔ کل میں خدا سے ان کی چارہ سازی کے لئے عرض کروں گا۔ بیوی بچوں سمیت روتی روتی گھر چلی گئی تو حضرت شیخ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

دیہ طا قت لبم نتہ چھنن زایہ
یم شری میانی گورہ بل ننگ نتہ کرتک سور گس جایہ

جب صبح ہوئی تو حضرت کی بیوی نے ان دونوں بچوں کو مردہ پایا تو ہمسائیوں نے رونے کی آوازیں سن کر ان دونوں بچوں کو تجہیز و تکفین کر کے بابا سالار الدینؒ کے مقبرے کے قریب ایک ہی قبر میں دفن کیا۔ حضرت شیخ نے ایک روز کان لگا کر سنا کہ غار کے نزدیک ہی دو عورتیں آپس میں باتیں کرتیں تھیں۔ ایک نے کہا' دیکھو حضرت شیخ میدانی کا سنی جو بہت کڑوی ہوتی ہے، کے سوا کچھ نہیں کھاتے ہیں لیکن ان کی

جسمانی حالت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے' دوسری بولی'' تو نہیں دیکھتی ہے کہ چوپائے گھاس کے بغیر کچھ نہیں کھاتے پھر بھی ان میں کتنی طاقت ہوتی ہے۔

حضرت شیخ ان باتوں کو غیبی خبر جان کر غار سے نکل پڑے اور کشمیر کے سارے علاقوں کی سیر کی اور گائے کے دودھ کے بغیر کچھ نہیں کھایا۔ آپؒ نے کچھ مدت خانقاہ معلیٰ میں ریاضت کرتے کرتے گزارا۔ وچار ناگ، نوشہرہ، لدھو، قوئل، ککرناگ۔ منزگام، دریگام، روپہ ون اور چرار میں آپؒ نے سات برس تک ہر جگہ کئی مہینے گزارے اور لوگوں کو راہ خدا دکھانے، فیض پہنچانے جسمانی اور روحانی دکھوں اور دردوں کو دور کرنے میں مصروف رہے۔ ظاہر پسند لوگ منکر کرامات ہوتے ہیں وہ امتحان کے قصد سے آکر اپنی حرکتوں سے آپؒ کو پریشان کرتے اور آخر آپؒ کے اخلاق سے متاثر ہو کر توبہ کر کے واپس جاتے اور معتقد لوگ اپنے مقصدوں، مرادوں اور مطلبوں میں کامیاب ہو کر آپؒ کے گرویدہ بن جاتے۔ اس طرح ہر جگہ جہاں آپؒ ٹھہرتے لوگوں کا تانتا بندھ جاتا اور ہر ایک اپنی مراد پاتا۔

آپؒ کے مریدوں میں سے بابا نصر الدینؒ ہمیشہ آپؒ کے ساتھ رہ کر آپؒ کی خدمت گزاری کرتے تھے۔ اور اپنے مرشد، گرامی کے محرم راز بن گئے تھے۔ منکرین اولیاء کہتے ہیں کہ حضرت شیخ العالمؒ کی نفس کشی، خویش واقارب سے کنارہ کشی اور خدا کی نعمتوں کو چھوڑ کر جنگلی گھاس اور خالی پانی پر کفایت شعاری اور نیز لباس چھوڑ کر خرقہ پوشی اختیار کرنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ وہ لوگ حضرت شیخ کے اس طریقے کو شیومت

اور بدھ مت سے تعبیر کرتے ہیں جو آپؒ کے ساتھ بلکہ اسلام کے ساتھ زبردست ناانصافی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپؒ نے یہ طریقے شیو مت اور بدھ مت سے لئے ہیں۔ ورنہ اسلام میں ان کی گنجائش نہیں ہے یعنی آپؒ نعوذ باللہ اسلام کے ساتھ شرکیہ افعال پر بھی عمل کرتے تھے۔ اس امر میں قرآن کہتا ہے۔ وَمَا اُمِرُو آاِلَّا لِیَعبُدُاللّٰہَ مُخلِصِینَ لَہُ الدِّینُ حُنَفَآءَ (البینہ۔ع ۱) ''اور نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالٰی کی، دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر''۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں کو بتایا گیا کہ ان کے گرد و پیش باطل اپنی مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ ہر باطل سے دامن چھڑا کر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ حق کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ حق کی طرف متوجہ ہونے میں جو چیز حائل ہو جاتی ہو وہ مال ہو، عیال ہو، دنیوی کاروبار ہو یا اپنے نفس کی حرص و ہوا ہو، ان چیزوں سے کٹ کر مخلصانہ طریق پر اللہ کی بندگی اختیار کرنا اخلاص کہلاتا ہے۔ حضرت شیخ اسی اخلاص کے پیکر تھے۔ ایک دن حضرت سرور عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاقہ کشی سے نڈھال ہو گئے تھے شکم مبارک پشت مبارک سے پیوست ہو گیا تھا تو حضرت امّ المومنین عائشہؓ نے شکم مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کیا کہ ''خدا سے اتنا تو مانگئے کہ یوں فاقوں کی نوبت نہ آجائے'' تو آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عائشہؓ! میں نے فقر کو اختیار کیا ہے ورنہ لَو شِئتُ لَسَارَت مَعِی ھٰذِہِ الجِبَالُ ذَھَبًا'' اگر میں چاہوں تو یہ سارے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ چلیں گے'' حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں لَقَدرَاَیتُ سَبعِینَ مِن اَصحَابِ الصُّفَّۃِ مَا مِنھُم رَجُلٌ عَلَیہِ رِدَآءٌ اِمَّا اِذَارٌ وَاِمَّا کِسَآءٌ قَد رَبَطُو افِی

اَعنَا قِهِم فَمِنهَا مَا یَبلُغُ نِصفَ السَّاقِینِ وَمِنهَا مَا یَبلُغُ الکَعبَینِ فَیَجمَعُهٗ بِیَدِهٖ کَرَاهِیَتَه اَن تُریٰ عَورَتُه'' میں نے اصحابِ صفہ میں سے ستر افراد کو دیکھا ہے جن میں سے کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ اس کے پاس کوئی چادر ہو جس کو وہ دوسرے کپڑے کے اوپر اوڑھ لے یا کاندھوں پر ڈال دے۔ بلکہ صرف ایک کپڑا یا تو تہبند تھا یا کملی تھی جس کو وہ اپنی گردنوں میں باندھ لیتے تھے ان تہبندوں اور کمبلوں میں سے بعض کپڑے ایسے تھے جو صرف آدھی پنڈلیوں تک آتے تھے اور بعض ایسے تھے جو دونوں ٹخنوں تک پہنچ جاتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی شخص گھٹنے اٹھا کر بیٹھتا تھا تو وہ اس خوف سے کہ کہیں اس کا ستر نہ کھل جائے اپنے تہبند یا کملی کو ہاتھ سے پکڑے رہتا تھا''۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے:

"اَبغُونِی ضُعَفَاءِکُم فَاِنَّمَا تُرزَقُونَ وَتُنصَرُونَ بِضُعَفَآءِکُم یعنی ''تم لوگ مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کرو کیوں کہ تمھیں رزق کا دیا جانا اور دشمن کے مقابلے پر مدد کا ملنا انہی لوگوں کی برکت سے ہے جو تم میں کمزور ہیں'' مطلب یہ کہ میں غیبی طور اور روحانی طور ان لوگوں کے نزدیک ہوتا ہوں جو میری امت میں مالی طور تنگدست ہوتے ہیں یا جنھوں نے دنیا سے نفرت کر کے خدا کی خاطر ہر چیز کو چھوڑ دیا ہو اور قدرت ہونے کے باوجود غربت اور فقر اختیار کیا ہو۔ ان لوگوں کا مرتبہ خدا کے ہاں ایسا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ لوگوں کی دعائیں ان ہی لوگوں کے توسل سے قبول فرماتا ہے اور ان کو رزق دیتا ہے یا دشمن کے مقابلے میں نصرت عطا کرتا ہے۔ نیز فرمایا ہے اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبدَ اَحمَاہُ الدُّنیَا کَمَا یَظِلُّ اَحَدُکُم یَحمِی سَقِیمَهُ المَآءِ۔ یعنی ''جب اللہ

تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے'' مطلب یہ کہ جس طرح لوگ اپنے کسی پیارے مریض کو پانی پینے سے بچاتے ہیں جب وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہوتا ہے جس میں پانی کا استعمال سخت نقصان پہنچاتا ہے اسی طرح خدا اپنے پیارے بندوں کو دنیاوی نعمتوں اور نفسانی خواہشوں سے دور رکھتا ہے تاکہ وہ ہر شئے سے بے نیاز ہو کر صرف خدا کی یاد میں مشغول ہو کر اس کے قریب ہو جاتے ہیں۔ (یہ ساری احادیث معتبر کتابوں کے حوالوں سے مشکوٰۃ شریف کے باب فَضلُ الفُقَرَآء میں درج ہیں۔ وہاں سے ملاحظہ ہوں) قرآن وحدیث کے ان بیانات سے صاف طور واضح ہو جاتا ہے کہ ترک دنیا کا مطلب کیا ہے۔ حضرت شیخ العالمؒ نے اگر خدا کی رضا کیلئے اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بجالانے کیلئے نفس کشی، دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی کو اختیار کیا ہے تو اس کو رہبانیت سے تعبیر کرنا عقل وادب کے خلاف ہے۔ بلکہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کی توہین ہے۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے:

آنکس کہ تُرا شناخت جان راچہ کند
فرزند و عیال و خانمان چہ کند
دیوانہ کسیکہ ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہان راچہ کند

یاد رہے فقر کے اس میدان میں حضرت شیخ العالمؒ اکیلے نہیں ہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ میں سے حضرت علی مرتضٰی، حضرت بلال حبشی، حضرت سلمان فارسی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت مقداد بن اسود، حضرت زید بنِ خطاب، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت کعب بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرات اولیاء کرامؒ سے حضرت مالک بن دینار، حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت بشر حافی، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت جنید بغدادی، حضرت بایزید بسطامی اور حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ اور حضرت شیخ نور الدین ولیؒ کے خلفاء میں سے بابا نصر الدین، بابا بام الدین، بابا زین الدین، بابا لطیف الدین، بابا غلام الدین اور بابا قطب الدینؒ تعالیٰ سب کے سب ایسی روشن شمعیں ہیں جنہوں نے بیرون پرستی اور ظاہر داری سے کٹ کر شبستان وجود اور قلب و سینہ کو عرفان کی روشنی سے مستفیض فرمایا۔ اور مُو تُو آن تَمُو آن تَمُو اَلَا تَمُو تُو ا اَبَدًا۔ (مظاہر حق جدید ج۔۴) یعنی "موت آنے سے قبل ہی موت کو اختیار کرو یہاں تک کہ تم ہمیشہ کے لئے نہیں مرو گے، ابدی زندگی پاؤ گے۔" کے مقام پر ہمیشہ کیلئے فائز ہوئے اور خدا تعالیٰ نے اپنی صفتِ حیّ و قیوم سے ان لوگوں کو خوب نوازا اور وہ حیات جاودانی سے بہرہ ور ہوئے۔

سرِ دین صدقِ مقال اکلِ حلال — جلوت و خلوت تماشائے جمال
کم خور و کم خواب کم گفتار باش — گردِ خود گرندہ چوں پرکار باش
رنگِ او بر کن مثالِ اوشوی — در جہاں عکس جمال اوشوی
حق ہویدا باہمہ اسرار خویش — بانگاہِ خود بکن دیدار خویش

حضرت شیخ نور الدینؒ کا حضرت میر محمد ہمدانیؒ سے بیعت ہونا

حضرت شیخ العالمؒ ظاہری مرشد کی رہبری کے بغیر ولایت کے بلند درجہ پر پہنچ چکے تھے۔ اور کشف و کرامات کے مالک بن چکے تھے۔ آپؒ چرار شریف میں اپنی زندگی کے آخری یام میں قیام پذیر تھے اور حاجتمندوں کو ظاہری و باطنی فیوضات سے نوازتے تھے۔ حضرت سید السادات امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس اللہ سرہٗ کے انتقال پُر ملال کے اٹھائیس سال بعد ان کے نامور فرزند حضرت سید میر محمد ہمدانی سال ۸۱۴ھ میں یہاں کشمیر تشریف لائے۔ ان کے ساتھ مریدوں اور دوستوں کی ایک بڑی جماعت تھی۔ سرینگر کے خانقاہِ معلیٰ میں قیام کیا تو لوگ جوق در جوق زیارت کیلئے آتے تھے۔ ایک روز انہوں نے ملاقاتیوں سے کہا کہ "میں نے کئی بار خواب میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جو باطنی طور عالم قدس میں میرے آگے چلتا ہوا نظر آتا ہے یہ کون صاحب ہوسکتا ہے" لوگوں نے جواب دیا "اس مرتبے کا آدمی ایک درویش ہوسکتا ہے جس کا نام نندہ ریشیؒ ہے۔ جو آج کل چرار میں قیام پزیر ہے اور جسمانی طور بہت لاغر ہو چکا ہے کیوں کہ وہ پانی کے سوا کوئی غذا نہیں لیتا ہے" جناب میر محمد ہمدانیؒ ۲۵ ماہِ رجب ۸۱۴ھ کو اپنے دوستوں کی ایک جماعت لیکر حضرت شیخؒ کی ملاقات کیلئے شہر سے روانہ ہوئے تو حضرت شیخ العالمؒ باطنی صفائی سے ان کی روانگی کا حال جان کر حضرت بابا نصرؒ کے کندھوں پر ایک بڑی ٹوکری میں جس کو کشمیری میں یٹ کہتے ہیں، سوار ہوکر چرار شریف سے زالوسہ تک ان کے استقبال کو آئے جس جگہ اب بہت بی بی اور دیت بی بی کی قبریں ہیں جن کو کشمیری لوگ "ہندہ کورہٗ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت میرؒ نے دیکھتے ہی فرمایا "یہی ہے جو عالم قدس میں میرے پہنچنے

سے قبل ہی وہاں چلتا پھرتا نظر آتا ہے" جب ان دونوں باکمال بزرگوں کی ملاقات ہوئی تو حضرت میرؒ نے فرمایا: "اے شیخ گھوڑے کو یعنی جسم کو کیوں اتنا دبلا بنا دیا ہے؟" شیخ نے جواب دیا "کچا سوار ہوں، ڈرتا ہوں کہ اڑ بیٹھے اور سرکشی کرے، مجھے راستے میں ہی گرادے" اس وقت بہت بی بی اور دہت بی بی دونوں حاضر تھیں۔ چوں کہ یہ جگہ ان کا قیام گاہ تھا اسی لئے ان کے دربار میں بیٹھ گئیں۔ دہت بی بی نے حضرت میرؒ سے کہا "منزل رسیدہ لوگوں کو گھوڑے کی فکر نہیں ہوتی ہے۔" حضرت میرؒ نے پوچھا: "منزل رسیدہ لوگ کون ہیں؟" دہت نے جواب "جو اپنے آپ سے چھٹ کر آزاد ہو گئے ہیں" حضرت میرؒ نے پوچھا "تو نے اپنے آپ سے رہائی پائی ہے؟" دہت بی بی نے کہا "اگر میں نے اپنے آپ سے رہائی نہیں پائی ہوتی تو ایسی مقدس محفل میں کیوں کر بھیدوں کی واقف باتوں میں گستاخ ہوئی" حضرت میرؒ نے حیران ہو کر پوچھا "اچھا یہ بتاؤ کہ تو بیٹی ہے یا بیٹا؟" جواباً کہا "اگر نیست ہوں پھر میں نہ لڑکی ہوں نہ لڑکا، اگر ہست ہوں تو پھر میں کچھ بھی نہیں ہوں" حضرت میرؒ نے پوچھا "کس بات سے تجھے یہ شادمانی ملی ہے" کہا "اس بات سے کہ میں نے روحانی موت سے نجات پائی ہے"۔ حضرت میرؒ نے فرمایا "نہایت معنی خیز باتیں سنا رہی ہو" بولی "مقدس مجلس میں مقدس کلام چاہئے میرے لئے باطنی دنیا کا دروازہ حضرت شیخؒ نے کھولا ہے ورنہ میں کچھ نہیں ہوں میری بہن بہت بی بی بھی آپؒ کی رہبری سے اس عالم کی سیر کرتی ہے" حضرت میرؒ نہایت خوش ہوئے اور حضرت شیخؒ کے باطنی کمالات کا اندازہ لگایا اور آپؒ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "گوشت کھانا کیوں چھوڑ دیا

ہے؟'' آپؒ کی طرف سے دہت بی بی ہی نے جواب دیا'' ہمارے مذہب میں جان کو آزار پہنچانا حرام ہے اس لئے ہم جاندار کو ذبح نہیں کر سکتے ہیں ہم سبز گھاس کاٹنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں کیوں نکہ اس میں بھی جان ہوتی ہے۔'' پھر ادب سے بولی ''یا حضرتؒ! ہمارے شیخ سے یہ سوال پوچھنا تھا کہ دنیا اور آخرت کو کیوں اپنے آپ پر تو نے حرام کیا ہے تاکہ میں آپؒ کی طرف سے جواب دیتی کہ دنیا کیا ہے اور آخرت کیا ہے اور خدا کے پیاروں نے ان دونوں کو اپنے آپ پر کیوں حرام کیا ہے۔ جس شخص کے لئے دنیا اور عقبیٰ حرام ہیں اس کے لئے گوشت حلال ہونے یا حرام ہونے کی بات ہی کیا ہے۔'' یہ شعر اور حدیث پاک دہت بی بی کے کلام کی تصدیق کرتی ہے۔

دنیا است حرام ہر کہ عقبیٰ طلبد   عقبیٰ است حرام ہر کہ دنیا طلبد
از روئے حدیث نبوی گر گویم   شد ہر دو حرام ہر کہ مولیٰ طلبد

حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے مَن اَحَبَّ دُنیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِه وَمَن اَحَبَّ اٰخِرَتَهُ اَضَرَّ بِدُنیَاءِه فَاٰثِرُو امایَبقٰی (بیہقی، احمد عن ابن عمرؓ) یعنی ''جس نے دنیا سے محبت کی اس کی آخرت برباد ہوئی اور جس نے آخرت سے محبت کی اس کی دنیا برباد ہوئی۔ پس فانا ہونے والی شئے پر باقی ہونے والے کو (خداوند کریم کو) ترجیح دیدو۔'' الغرض حضرت سید میر محمد ہمدانیؒ ان باتوں سے بہت خوش ہوئے۔ آخر میں حضرت شیخ العالمؒ کے ساتھ حالات و کمالات، درجات و مرتبات، شریعت و طریقت، معرفت و حقیقت اور روحانی و ملکوتیت کی باتیں ہوئیں۔ بہت

گفتگو اور سوال و جواب کے بعد حضرت شیخ العالمؒ نے حضرت میرؒ سے بیعت لی اور خط ارشاد بھی حاصل کیا (جس کی ہو بہو ایک نقل میرے پاس بھی محفوظ ہے الحمدللہ) مرشد گرامی نے اپنے مرید لاثانی سے فرمایا ''غار کو چھوڑ دو لوگوں سے جا ملو ان کو خدا کا راستہ دکھاؤ اور تقویٰ کا سبق سکھاؤ۔ ہم آپؒ کو علمدار کشمیر کے لقب سے نوازتے ہیں'' اس بیعت لینے کے بعد حضرت شیخؒ کی زندگی میں نیا انقلاب آ گیا آپؒ نے اس کے بعد کشمیر کے گھر گھر اور قریہ قریہ جا کر اپنے خلیفوں کو ساتھ رکھ کر کشمیریوں تک دین اسلام اسی ڈھنگ سے پہنچایا جس طرح حضرت امیر کبیرؒ نے یہاں لایا تھا۔ اسی انقلاب آفریں زندگی کے بارے میں آپؒ نے بابا نصرؒ سے فرمایا۔

نصر بابہ جنگل کھسن گیم خامی	میہ دوپ یہ آسہِ بڈی عبادی
وچھ تہ یہ آس بڈی بدنامی	سرہ آس کرن تل کنی کتھ

حضرت شیخؒ نے اس ملاقات کے بعد اپنی ساری عمر کشمیریوں کی رہبری کرنے میں صرف کر دی۔ آپؒ نے کشمیر کے ہر علاقے میں تبلیغی مراکز قائم کیے جہاں انگنت لوگ جمع ہو کر آپؒ سے روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔ آخر میں آپؒ جب جسمانی طور زیادہ کمزور ہوئے تو روپہ ون میں مستقل طور رہائش اختیار فرمائی۔ آخر وہ وقت آ ہی گیا جب بندہ کو معبود کی طرف سے بلاوا آتا ہے اور وہ اپنے اعمال کے مطابق اپنا مقام پاتا ہے۔ حضرت شیخؒ نے اپنی علالت میں ایک رات کو اپنے پیارے وفادار خلیفہ بابا نصر الدینؒ سے پوچھا ''وقت کیا آیا ہے'' انہوں نے جواب دیا ''سحر کا وقت ہے اور آسمان پر ثریا یعنی وہ ساتھ ستارے جو ایک

ہی جھرمٹ میں ہوتے ہیں جن کو پروین بھی کہتے ہیں، ڈوبنے کو تیار ہیں'' فرمایا ''ہم بھی اب جارہے ہیں اور ہمارا ستارہ بھی ڈوبنے کو تیار ہے'' بابا صاحبؒ نے عرض کیا ''حضرت اس وقت کس چیز کی تمنا ہے'' فرمایا ''حق کی'' پوچھا ''آپؒ کے سامنے کون حاضر ہے'' فرمایا ''حق'' پوچھا ''آپؒ کس سے باتیں کررہے ہیں'' جواب فرمایا ''حق کے ساتھ'' عرض کیا ''کچھ شربت پی لیں'' فرمایا ''ساری عمر کو جو پیا وہی پی لیں گے یعنی حق کا شربت'' پھر پانی کے چند گھونٹ پی کر زور سے ''حق'' کہا اور جان حق کے حوالے کردی۔ اس وقت آپؒ کی عمر شریف ۶۳ برس کی تھی۔ رمضان المبارک کی ۲۶ ویں تاریخ تھی۔ اور ۸۴۲ھ سال تھا۔ کشمیری کلینڈر کے مطابق پوہ کا مہینہ تھا پوہ کی ۲۶ تاریخ کو صبح صادق سے قبل ثریا ڈوبتے ہیں۔

حق کا حق کہہ کے جو ادا حق کیا ؛ رحمت حق تھا حق سے جا کے ملا

حضرت شیخؒ نے کشمیریوں کو دو اہم چیزیں دیں، ایک اپنا کلامِ بلاغت نظام جسمیں حد درجہ کی فصاحت اور بلاغت ہے۔ آپؒ کے کلام میں وحدت، معرفت، حکمت، نصیحت، فلسفہ، وعظ، دنیا کی بے ثباتی، دینِ اسلام کی حقیقت، خدا شناسی اور آخرت پسندی وغیرہ کی تفصیل نظر آتی ہے۔ یوں تو آپؒ کا کلام کشمیری ہی ہے مگر موجودہ کشمیری زبان اور اسمیں نمایاں فرق ہے۔ یہ کلام سنسکرت سے بنی ہوئی کشمیری ہے جسمیں فارسی، عربی، ترکی اور ہندی الفاظ کا دخل بھی ہے۔ کشمیر کے لوگ آپؒ کے کلام کو ''کاشُر قرآن'' یعنی قرآنِ پاک کی کشمیری شرح سے تعبیر کرتے ہیں۔

دوسری چیز جو آپؒ نے اپنے پیچھے چھوڑی ہے وہ آپؒ کے خلفاء ہیں۔ جنہوں نے آپؒ کے بعد کشمیر کے گوشوں گوشوں تک دینِ حنیف کو بالکل اسی رنگ ڈھنگ سے پہنچادیا جو اولیاء کرام اور صوفیاء عظام رحمہم اللہ کا طریقہ رہا ہے خدا کے بندوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی شفقت خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، چھوٹوں پر رحم اور بزرگوں کی عزت، انساف پسندی، پرہیزگاری، کفایت شعاری، خدا پرستی، نفس کشی کا سبق گھر گھر جا کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیریوں کے دینی مزاج میں اور غیر کشمیریوں کے دینی مزاج میں آج بھی نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ آپؒ کے خلفاء نے کشمیر کے مختلف علاقوں میں تدریسی مراکز قائم کیے جہاں ہر روز لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور لوگ فیضیاب ہوکر اپنی زندگیاں اسلامی سانچے میں ڈالتے تھے۔ ان خلفاء میں سے بابا بام الدینؒ نے مٹن میں، شیخ زین الدّینؒ نے عیش مقام میں، بابا لطیف الدّینؒ نے پوشکر بڈگام میں، بابا نصر الدّینؒ نے چرار شریف میں، بابا قیام الدینؒ نے دیوسر منزگام میں، بابا غلام الدین نے برین پھاگ میں، بابا سوزن ریشیؒ نے ہلر شاہ آباد میں، بابا بدر الدین اور بابا صدر الدّین نے سابی بانگل میں، بابا تاز الدّین نے وترہیل میں، بابا سدہ ریشیؒ نے کھل ناڑہ واو میں، بابا شکور الدّینؒ نے وٹہ لب سوپور میں، بابا ہردی ریشیؒ نے ٹنگمرگ میں، حضرت سیّد علی عالی بلخیؒ نے پکھر پورہ میں اور بھی کئی بزرگوں نے مختلف مقامات میں قیام فرما کر دن رات لوگوں کو راہِ راست کی طرف رہبری فرمائی ہے۔ اسی لئے کشمیر کو ''پیرہ واری'' کہتے ہیں۔

الغرض جب شیخ کاملؒ روپہ ون کے مقام پر واصل باللہ ہوئے تو یہ خبر

آگ کی طرح ساری وادی کشمیر میں پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق گریہ کرتے کرتے اور روتے روتے رپہ ون پہنچے۔ سلطان زین العابدین بڈشاہ امیروں وزیروں کے ہمراہ آخری رسومات کی ادائیگی کیلئے خود آیا۔ حضرت شیخؒ کو چرار لایا گیا اور موجودہ بڑے تالاب پر آپؒ کو غسل دیا گیا۔

پھر چرار سے باہر ایک ٹیلے نفل ٹینگ پر نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ بابا نصر الدّینؒ امام ہوئے اور ایک لاکھ سے زائد لوگ جنازہ میں شامل ہوئے۔ نماز جنازہ ادا ہونے کے بعد تدفین کے بارے میں تصادم ہوا۔ سلطانِ وقت بڈشاہ کا دعویٰ تھا کہ اس عظیم روحانی پیشوا کو دارالخلافہ میں دفن کرنا ضروری ہے۔ مزار کے لوگوں کا دعویٰ تھا کہ کیموہ جو آپؒ کی جائے پیدائش ہے، میں ہی آپؒ کا مرقد ہونا چاہیئے۔ پرگنہ ناگام کے لوگ دعویدار ہوئے کہ مرقد مبارک روپہ ون میں ہی ہونا چاہیے جہاں آپؒ کی وفات ہوئی اور جو آپؒ کا روحانی مرکز رہا ہے۔ دریگام علاقے کے لوگ دعویدار ہوئے کہ دریگام میں آپؒ نے مسجد بنائی ہے اس کے قریب ہی پتھر پر آپؒ قرار کرتے تھے وہی جگہ آپؒ کی آرامگاہ ہونا ضروری ہے۔ غرض لوگ اپنے اپنے دعاوی جتلانے لگے اور باہمی تصادم کی نوبت آنے لگی اور نقص امن پیدا ہونے کا احتمال ہوا۔ رعایا کو بادشاہ کا احترام نہ رہا اور بادشاہ بھی جذبات میں مغلوب ہو کر رعایا کی نافرمانی کو نظرانداز کر گیا۔ آخر پر حضرت بابا نصر الدّینؒ نے تابوت کا ڈھکنا کھول کر سرگوشی میں حضرت شیخؒ سے کچھ عرض کیا پھر کیا ہوا۔ تابوت خود بہ خود پرواز کرنے لگا اور لوگوں نے حیران ہو کر اپنی اپنی راہ لی۔ ہر ایک کا خیال تھا کہ تابوت

اسی علاقے میں آئے گا۔ لیکن یہ سعادت چرار کو ہی حاصل ہوئی ۔ بابا سنگرام ڈار کے باغیچہ میں جس کو دچھ ہار کہتے تھے، تابوت آکر اس جگہ بیٹھ گیا جہاں آپؒ کی قبر شریف ہے۔ یہ جگہ آپؒ نے اپنی زندگی میں خود ہی چُن لی تھی اور اسی جگہ ایک مسجد بھی آپؒ نے تعمیر کروائی تھی جس کو بعد میں خانقاہ فیض پناہ کا درجہ حاصل ہوا۔

کھیلہ منزہ کڑیو ژارتھ کتھ موت چھی سہہ تے ہاکوتو ژلزے
سُلہ کونہ گیوکھ ژینتھ کتھ موتچ شربت چینہ روس نو بلزے

ضروری نوٹ: میں نے حضرت شیخؒ سے متعلق یہ تمام باتیں ''کشمیر کلچرل اکاڈمی جموں وکشمیر'' کی تین کتابوں ۱۔ بُرج نور، ۲۔ ریشیات ۳۔ علمدار سے بحوالہ معتبر کتب، تاریخ حسن مولفہ حسن گامرو، تارخ حسن مولفہ حسنکھو یہامی، تاریخ بڈشاہی، تاریخ ریشیانِ کشمیر، بہارستانِ شاہی، روضۃ الریاض، خوارق السالکین، فتحاتِ کبرویہ، ریشی نامہ حضرت خاکیؒ، نور نامہ مولفہ نصیب الدّین غازیؒ، واقعاتِ کشمیر اور وقائع کشمیر سے جمع کر کے لِکھ دی ہیں۔ خدا قبول فرمائے اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہو۔

حضرت شیخ زین الدین (زینہ ریشیؒ)

علماء کرام کا بیان ہے کہ حضرت شیخ زین الدین (زینہ ریشیؒ) حضرت شیخ نورالدین نورانی کے دوسرے خلیفہ تھے۔ ان کی اصلی جائے پیدائش باندرکوٹ علاقہ کشتواڑ میں تھی۔ اصلی نام زینہ سنگھ تھا۔ ان کا باپ دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ زینہ سنگھ چھوٹا تھا۔ ایک دفعہ سخت بیمار ہو گیا۔ اس کی ماں اس کی حالت دیکھکر رو رہی تھی۔ اچانک ایک نورانی

شخص وہاں آگیا اور اس کی ماں سے پوچھا۔ تو کیوں رو رہی ہو۔ عورت نے کہا میرا بیٹا بیمار ہے۔ اس شخص نے کہا۔ میرے ساتھ وعدہ کر کہ اگر یہ بچہ ٹھیک ہوگیا۔ تو تم کشمیر آکر مسلمان ہو جاؤ گی۔ زینہ سنگھ کی ماں نے وعدہ کرلیا۔ اور یہ آدمی غائب ہوگیا۔ لڑکا ٹھیک ہوگیا۔ لیکن کشمیر آنے میں ٹال مٹول کرتے رہے۔ اسی ضمن میں یہ لڑکا پھر بیمار ہوگیا۔ ماں کو شک پڑ گیا کہ یہ وعدہ خلافی کا نتیجہ ہے۔ سفر کی تیاری کی اور کشمیر کی طرف چل پڑے۔ یہ سفر میں ہی تھے کہ حضرت شیخ العالمؒ نے بابا بام الدین سے کہا ''ایک عورت بچہ لیکر یہاں پہنچے گی۔ ان کی خاطر داری اور آؤ بھگت کرنی چاہئے۔'' زینہ سنگھ اور اس کی ماں بابا بام الدین کے پاس پہنچے اور کچھ دن وہاں ٹھہرے۔ حضرت شیخ کو زینہ سنگھ کی ماں نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی بزرگ ہے جو وہاں باندر کوٹ میں آیا تھا۔ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ زینہ سنگھ کا نام شیخ زین الدین رکھا۔ جب حضرت شیخ کی صحبت، نظر اور توجہ نے اس میں اثر کیا تو ماں کو واپس وطن سے روانہ کیا۔ اور خود حضرت شیخ کی خدمت میں استقامت کرتا رہا۔ اور عبادات اور ریاضات میں اس کے درجہ کی ترقی کی۔ کہ حضرت شیخ اپنی مناجات میں ان کے بارے میں فرماتے ہیں: میر زا رینہ آب حیات کا چشمہ ہے۔ اس نے خدائے تعالیٰ کی اتنی بندگی کی کہ شاگرد استاد (چیلا گرد) سے آگے بڑھ گیا۔ اے خدا مجھے بھی ایسی ہی کشائش عطا کر۔ جب حضرت شیخ کو معلوم ہوا کہ وہ کمال کے درجہ پر پہنچ گیا ہے تو ان کو عیش مقام کے گھپا میں خلوت نشینی کا حکم دیا۔ اور شیخ زینہ الدین عیش مقام روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچنے پر کیا دیکھتے ہیں کہ غار سانپوں اور بچھوؤں سے بھرا ہوا ہے۔ سانپوں اور بچھوؤں کو مخاطب ہو

کر کہا کہ یہ غار اب درویشوں کو دیا گیا ہے۔ تم کسی اور جگہ چلے جاؤ۔ سانپوں نے رات کیلئے مہلت چاہی اور دوسرے دن نکل کر دوسرے غار میں جو پہاڑ پر ہے چلے گئے۔ حضرت شیخ زین الدین نے سانپوں سے وعدہ لیا کہ کسی کو ڈھنگ نہ مارے۔ اور نہ ڈسیں۔ اور لوگوں سے کہا کہ ان کو نہ چھیڑیں۔ باوجود کثرت کے وہ آج بھی کسی کو ڈستے نہیں۔ کہتے ہیں کہ کشمیر کے سانپوں کی قسموں میں سے یہ سانپ زیادہ زہریلے ہیں۔ چھوٹے موٹے اور بدشکل ہیں۔ کشمیر میں اس کو ''پہر'' کہتے ہیں۔ جب حضرت شیخ بابا الدین گھپا میں گوشہ نشین ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ پانی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ حاجی شمش الدین نیچے جا کر کہیں دور سے پانی لاتا تھا۔ جاڑے میں اس کا پاؤں پھسل گیا۔ گھٹنا ٹوٹ گیا اور گھڑا ٹوٹ کر چور چور ہو گیا۔ روتا ہوا بابا کی خدمت میں آیا۔ انہوں نے تھوڑی سی مالش کی تو گھٹنا ٹھیک ہو گیا۔ اور آپ نے پانی کیلئے دعا فرمائی۔ اور پھر آپ نے غار کے پاس ہی ایک درخت کے نیچے کھود کر ایک گھڑا سا بنایا۔ پانی نکل آیا۔ اور شیخ کے پیچھے بہنے لگا۔ گاؤں والوں کو بھی پانی ملا۔ جس جگہ سے شیخ واپس مڑے اسی جگہ پانی رک کر غائب ہو گیا۔ آج کل بھی پانی وہاں تک چلتا ہے۔ اور وہاں سے زمین کے نیچے غائب ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک گڈرے کو ان کا وہاں خلوت نشین ہوتا پسند نہ آیا۔ اور ان کو گھپا سے نکلنے کی تدبیر سوچا۔ چنانچہ اس نے ایک دن موقعہ پا کر ایک بکری کے بچے کو مارا۔ اس کی کھال، سر اور پاؤں اس کی جائے نماز کے نیچے دبا کر رکھ دیا۔ اور رپورٹ کی سپاہی اور کوتوال آئے۔ گڈرے نے نشاندہی کی۔ اور دبائی ہوئی چیزیں برآمد ہوئیں۔ حضرت شیخ نے سر، کھال اور پاؤں اکھٹے

رکھنے کے لئے کہا۔ خدا کی طرف رجوع کی۔ بزغالہ زندہ ہو گیا۔ بزغال کو قدرت نے زبان دی اور اس نے اصلی واقعہ بیان کیا۔ یہ واقعہ حضرت شیخ کی شہرت کا سبب ہوا۔ عقیدت مندوں کی تو بات ہی نہیں بلکہ منکر اور دشمن بھی معتقد ہو گئے۔ ایک دن حضرت شیخ نے خدمت گزار سے کوئی بے مزہ اور کڑوی چیز کھانے کیلئے مانگی۔ اس نے تھوڑی سی کالی مرچ لائی۔ شیخ نے اس کی قیمت پوچھی۔ معلوم ہوا مہنگی چیز ہے۔ واپس کی اور منہ ہاتھ دھونے نکلے۔ اخروٹوں کے درخت کے نیچے گذرے۔ کچے اخروٹ زمین پر گرے تھے۔ ایک اخروٹ اٹھایا اور اس کا چھلکا اتار کر چھلکے کا تھوڑا سا ٹکڑا منہ میں ڈال کر چبایا۔ بہت بے مزہ اور کڑو نہایت ہی چیز معلوم ہوئی۔ پوچھا اس کی قیمت کیا ہے۔ ساتھیوں نے عرض کیا حضرت کچھ بھی نہیں۔ اس وقت سے حضرت شیخ نے اخروٹوں کے چھلکے اپنی خراک بنائی۔ سوکھے ہوئے چھلکوں کو پیس کر اور چھان کر کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ زین الدین غار سے کچھ اوپر ایک جگہ پر جس کو گرنڈی مرگ کہتے ہیں۔ جا کر یاد خدا میں مشغول ہو جاتے تھے۔ وحشی جانور اور پرندے آ کر ان کے ارد گرد بیٹھ جاتے تھے۔ اگر کسی بیگانے کا آتے دیکھتے تھے۔ تو جنگل کی طرف بھاگ جاتے تھے۔ ایک دفعہ ان کا خدمت گذار ان کے پاس گرنڈی مرگ جا رہا تھا۔ لوگ ایک نہر کی کھدائی اور صفائی کر رہے تھے۔ خدمت گذار کو پکڑ کر بیگار میں لگایا۔ جب وہ حضرت کے پاس دیر کر کے پہنچا تو انہوں نے دیری کی وجہ پوچھی۔ خدمت گذار نے سارا واقعہ سنایا۔ حضرت ناراض ہو کر نہر پر آ گئے۔ اور اپنی کلاہ زمین پر رکھ کر اپنی لاٹھی (عصا) کو نہر میں ڈال دیا۔ پانی خشک ہو

گیا۔ لوگ حیران اور پریشان ہو گئے۔ کہ یہ کیا ہوا۔ آخر بات کھل گئی۔ حقیقت معلوم ہونے پر لوگ ان کی خدمت میں دوڑے۔ عجز وزاری اور منت وسماجت کرتے ہوئے معافی چاہی۔ اور التماس کی کہ اپنے خدمت گذاروں کے لئے کوئی نشانی رکھیں۔ تا کہ لوگ ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ حضرت شیخ نے ٹوپی زمین سے نہ اٹھائی اور نہر سے لاٹھی نکالی۔ پانی آگے جاری ہوا۔ اور آج تک وہ نہر کبھی خشک نہ ہوئی۔ اپنے خدمت گذاروں کو لکیر دار پگڑی باندھنے کی اجازت دی۔ جس کو کشمیری میں ریشی کا ژن کہتے ہیں۔ اس کے بعد سارے ریشی لکیر دار پگڑی پہنتے تھے۔ ایک دن سلطان زین الدین شاہ کوہل (نہر) کے معائینہ کے سلسلے میں وہاں پہنچے۔ (وہ ان دنوں بڈ شاہ کوہل کھدواتے تھے) اور حضرت ریشی کے ملاقات کو گئے۔ شیخ زین الدین نے کوئی الفت اور پوچھ پاچھ نہ کی۔ سلطان آزردہ دل ہو گئے۔ اور حکم دیا کہ ریشی کو تبت جلاوطن کریں۔ کیوں نکہ یہ ان بودھوں کی تربیت کرنے کے لائق ہیں۔ حضرت ریشی شاہی حکم کے موجب اپنے چیلے لیکر تبت گئے۔ اور بہت سے لوگوں کو تبلیغ کر کے مسلمان بنایا۔ اور لوگ ان کی خدمت دل وجان سے کرنے لگے۔ زیادہ وقت نہیں گذارا کہ تبت کے کا بیٹا بیمار ہو کر مر گیا۔ راجہ نے کچھ تو فطرتی جہالت اور کچھ لاموں کے بہکانے سے حضرت ریشی پر تہمت دھر دی کہ آپ کے آنے کی شامت کے باعث بچہ مر گیا ہے۔ یا اس کو زندہ کرو ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ حضرت ریشی بے چین ہو گئے۔ فرمایا رات کو صبر کرو اور کل صبح جو خدا کی مرضی ہو گی عمل میں آئے گا۔ رات گذر گئی صبح کو دیکھتے ہیں کہ لڑکا زندہ ہے۔ ان ہی دنوں میں شیخ بابا بام

الدین نے رحلت فرمائی۔ شیخ زین الدین طے مکان کر کے انہیں غسل دے کر اور تجہیز و تکفین کر کے پھر تبت پہنچے۔ اور اپنے دوستوں بابا بام الدین کی وفات کی خبر سنا دی۔ حضرت شیخ زین الدین شاہ تبت میں تبلیغ کے کام میں مصروف تھے یہاں کشمیر میں سلطان زین العابدین کے پاؤں میں درد ہو گیا۔ علاج و معالجہ اور پیروں فقیروں سے آرام نہ ہوا۔ خیال آیا کہ بیماری کا سبب حضرت ریشی کی نارضگی ہو گی۔ اور اپنے بیٹے حیدر خان کو ان سے عذر خواہی کرنے کے لئے تبت روانہ کیا۔ حیدر خان نے حضرت ریشی کو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ کشمیر واپس لایا۔ بادشاہ نے بذات خود استقبال میں سبقت کرنے کی تیاری کی۔ طرفہ یہ ہے کہ اپنے پاؤں چل پڑے۔ درد کا نام و نشان ہی نہ تھا۔ حضرت شیخ بابا زین الدین نے دنیائے فانی کو رخصت کیا۔ تو دوستوں اور چیلوں نے ان کی نعش کو غسل دے کر اور کفن پہنا کر تابوت میں رکھ کر غار سے کچھ دور کے فاصلے پر نماز جنازہ پڑھی۔ پاس ہی قبر کھود دی گئی۔ جب تابوت کو قبر پر لایا گیا تو اس کا ڈھکنا نعش کو قبر میں اتارنے کیلئے اٹھایا گیا۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ تابوت خالی ہے۔ اور ریشی صاحب کا جسم مبارک غائب ہے۔ یہ حال دیکھ کر ایک کہرام مچ گیا۔ لوگ زار زار رونے لگے۔ اور تابوت اسی جگہ چھوڑ کر گھروں کو چلے گئے۔ رات کو ان کے دوستوں میں سے ایک نے انہیں خواب میں دیکھا۔ فرمایا کہ میری قبر اسی جگہ بنائی جائے جہاں تابوت رکھا ہوا ہے۔ اس نے التماس کی کہ ہماری قبریں کہاں ہوں گی۔ وہاں ایک قبر کے بغیر ہی گنجائش نہیں۔ کچھ اوپر میری دوسری قبر تیار کریں۔ ان قبروں کے بیچ میں جگہ نکلے گی۔ دوسرے روز ایسا ہی کیا گیا۔ ان دو

قبروں کے درمیان ان کے یاروں کی اٹھارہ قبریں ہیں۔ یہ دونوں قبریں خاص و عام کی زیارت گاہ ہیں۔ گار میں بھی ان کے بیٹھنے کی جگہ ایک فرضی قبر بنائی گئی ہے۔ ان کا عرس کشمیری حساب کے موجب بارہ بشاکھی (دیکھ چاند کے موجب) شدی کو منایا جاتا ہے۔ تیرھویں رات کے گرد و نواح کے تمام گاؤں کے گھروں میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ لوگ چیڑ کی لکڑی کے بڑے بڑے مشعلیں بنا کر بہت رات گئے تک جلاتے رہتے ہیں۔ وہاں کے لوگ اس چراغانہ کو زؤل (فراہ) کہتے ہیں۔ (تذکرۂ اولیائے کشمیر وغیرہ)

حضرت شیخ بابا لطیف الدینؒ

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ حضرت شیخ بابا لطیف الدینؒ حضرت شیخ العالمؒ کے خلیفے تھے۔ آوت رینہ نام تھا۔ مردواڈون کے حاکم تھے۔ ہر سال ایک دفعہ بادشاہ کی سلامتی کے لئے شہر آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ قسمت کی یاوری سے حضرت شیخ العالم کی برکت والی خدمت میں آئے۔ شیخ نے پوچھا کس مقصد سے آنا ہوا؟ عرض کی آپ کی محبت سے درشن کے لئے آیا ہوں شیخ نے فرمایا جب تک دوست دوست کا ہمرنگ نہ ہو دوستی کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ پوچھا دوست کا کیا کام ہے؟ فرمایا خدا کے حکم کی تابعداری پوچھا خدا کا کیا حکم ہے۔ فرمایا خدا کا یہ حکم ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ اور وحدہ لاشریک کا بندہ بن جاؤ آوت رینہ نے کہا میں اپنے خدا کا بندہ ہوں لیکن مسلمان نہیں ہو جاؤں گا۔ شیخ نے فرمایا۔ رزق تو رزاق مطلق کا کھاتے ہو۔ اور پوجا بت (مورتی کی کرتے ہو۔ آوت رینہ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گرا۔ تھوڑی دیر بعد ہوش میں آئے اور

مسلمان ہو گیا۔ شیخ کی بیعت کی مرید ہو گیا شیخ نے اس کا نام شیخ لطیف الدین رکھا۔ ماسلو دولت اہل وعیال جاہ وحشمت اور حکومت چھوڑ کر شیخ کا خاص خدمت گزار ہو گیا۔ عبادت وریاضت پرہیزگاری وخداترسی ترک شہوات ولزات اور ترک دنیا کی باتوں میں ایسا جانباز دلیر اور سوز وگداز والا بن گیا کہ راہ ہدایت اور سلوک کے طلبگار اس سے سبق لیتے تھے۔ لوگوں کو شک ہوتا تھا۔ کہ یہ ہمیں بھی یہ حال نصیب ہو کہتے ہیں کہ حضرت شیخ لطیف الدین نے رجوع کرنے راہ طریقت پر قدم رکھنے اور معرفت کا جام نوش کرنے کے بعد شیخ العالم کے فرمانے پر پرگنہ اچھبہ کے ایک گاؤں دودو پھکری میں عبادت خانہ تعمیر کیا۔ اور وہیں عبادت وریاضت اور مشقت میں مشغول ہو گیا جنگلی ساگ (وَپل ہاکھ) کے سوا کچھ نہ کھاتے تھے۔ بابا پیر باز اور شیخ شریف اشوار جو پاکباز مرشد کے حکم کے موجب ان کی رفاقت اور خدمت کے لئے سرفراز ہوئے تھے۔ جنگلی ساگ پکا کر افطار کو پیش کرتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ لطیف الدین باورچی خانہ میں آگئے، شیخ شریف جنگلی ساگ ابال رہا تھا اور ہانڈی سے بق بق کی آواز آرہی تھی۔ بابا لطیف الدین نے شیخ شریف سے پوچھا شاید تو نے زندہ ساگ (تازہ جو سوکھی ہوئی نہ تھی) ہانڈی میں ڈالا ہے۔ کیونکہ یہ چلا رہا ہے۔ میں اس کو نہیں کھاؤں گا۔ شیخ شریف سن کر ذرا تیز ہو کر بولا۔ پھر کاژن (اندراپنچھل کے پتے) کھاؤ گے۔ شیخ نے جواب دیا۔ ہاں! وہی کھاؤں گا۔ اس کے بعد اسی گھاس کو کھاتے رہے۔ حالانکہ تمام سبزیوں ترکاریوں اور جڑی بوٹیوں میں سے زیادہ زہردار اور کڑوا ہے۔ بلکہ زہر قاتل ہے کچھ برس اس جگہ سے اٹھکر وترہیل گاؤں میں

ٹھہرے اور وہاں سے بھی کچھ دیر بعد تو علاقہ بیروہ کے ایک گاؤں پوشکر میں آئے باقی عمر وہیں گزاری۔ رحلت فرمانے پر وہیں دفن ہوئے۔ ان کی زیارت فیض ورحمت کی جگہ ہے۔ پانچ پھاگن کو ان کا عرس منایا جاتا ہے۔

بابا نصر الدین ریشیؒ

علمائے سیر واخبار کا بیان ہے کہ حضرت بابا نصر الدینؒ حضرت شیخ العالمؒ کے چوتھے خلیفہ تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بچپن میں اس کے ماں باپ بڑے دولت مند اور امیر تھے۔ تقدیر کے موجب اس کو الٹی کی بیماری لگ گئی۔ اور دوائیاں کارگر نہ ہوئیں۔ بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی طاقت گھٹتی گئی اور بستری ہو گیا۔ اسی رات اور اسی حالت میں خواب میں ایک محفل میں کھدر پوش نورانی قابل تعظیم وتکریم بوڑھا نظر آیا۔ اس نے خواب ہی میں کسی سے پوچھا یہ کون ہیں؟ محفل کے تماشائیوں نے کہا یہ ابدالوں (چوٹی کے دوستان خدا) کی جماعت ہے۔ اور ان کا سردار شیخ نور الدینؒ کی ہے جو کیموہ کے ایک گاون میں گوشہ نشین ہے۔ اور یہ یقینی ہے۔ کہ ان کی دعا کی برکت سے تمہاری بیماری دور ہو جائے گی۔ جب بیدار ہوا تو والدین سے خواب سنایا۔ وہ اسی دن اس کو ٹھیک ہو جانے کی امید سے شیخ العالمؒ کے پاس آئے۔ حضرت شیخ نے پوچھا بچہ! نام کیا ہے بچہ نے کہا اوترو۔ شیخ پھر سوال کیا۔ لقب تمہارا کیا ہے؟ (لوگ تم کو کیا کہتے ہیں) راوتھر (پہلوان) شیخ نے فرمایا کیا پہلوانی کر سکتے ہو؟ بچہ نے کہا آپ کی توجہ اور مہربانی شامل حال ہو۔ تو پہاڑ کو گھاس کے تنکے کی طرح اٹھاوں گا، حضرت شیخ نے پوچھا۔ تمہارا منہ کیوں پیلا پڑ گیا ہے۔ بچہ نے کہا الٹی کی بیماری سے حضرت شیخ نے کھانا منگوایا اور بچہ

نے پیٹ بھر کر کھایا الٹی نہ آئی بیماری رفع ہوگئی بچہ نے شفا پائی۔ لڑکے نے ماں باپ کو رخصت کیا۔ اور خود حضرت شیخ کی خدمت میں رہا۔ انہوں نے اس کا نام بابا نصر الدین رکھ کر بادورچی خانہ اور ریشیوں فقیروں کی خدمت کے حوالے کی۔ بابا نصر الدین باورچی خانے کی منتظمی کا کام انجام دیتے رہے۔ ریشیوں فقیروں اور آنے جانے والے خادموں کی خدمت کرتے رہے۔ حضرت شیخ سے سلوک کی تربیت پاتے رہے۔ روحانیت میں ان کا درجہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک کہ پہنچ گیا کو جو روٹی پک جاتی تھی۔ وہ ساری کی ساری بانٹ دیتے تھے۔ اور خود پانی میں میں تھوڑی سی راکھ ملا کر پیتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ کے پاس ایک آدمی نے شکایت کی کہ بابا نصر الدین خود تو دودھ پیتا ہے۔ اور ہمیں جنگلی ساگ دیتا ہے۔ حضرت نے کہا جب دودھ پینے لگے دودھ کا پیالہ اسی کے ہاتھ سے لے کر میرے پاس لے آنا۔ جب روزہ کھولنے کا وقت ہوا تو اس آدمی نے بابا نصر الدین کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ چھین لیا اور حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا حضرت شیخ نے اس سے کہا۔ یہ دودھ کا پیالہ میرے سامنے پی لو۔ جب اس نے ایک گھونٹ پیا تو اس کا منہ اور گلا اس کی گرمی اور کرواہٹ سے جل گیا حضرت شیخ نے بابا نصر الدین کو بلایا اور پوچھا یہ کب سے پیتے ہو۔ عرض کی جب سے درگاہ میں آیا ہوں۔ حضرت شیخ نے حکم دیا۔ کہ آج سے چاول سے افطار کیا کرو بابا نصر الدین نے انگلی کے برابر گھاس کی چھوٹی سی تھیلی تیار کی جس میں چاول کے اٹھارہ دانے آتے تھے۔ باقی عمر کو اسی مقدار پر قناعت کی لکھتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ مرشد بزرگوار کے حکم سے چلے کو بیٹھ گئے۔ چار اخروٹ غذا کے لئے ساتھ اٹھائے دس دن گزرنے پر ایک اخروٹ توڑ رہے تھے۔ کہ

شیخ تشریف لائے۔ پوچھا بابا کیا توڑ رہے ہو؟ التماس کی اخروٹ توڑ رہا ہوں شیخ نے فرمایا میں نے خیال کیا تھا کہ نفس کو توڑ رہے ہو۔ تم تو ابھی اخروٹ ہی کے خیال میں پھنسے ہو۔ جب چالیس دن گزرنے پر چلے سے نکلے چاروں اخروٹ پیر بزرگوار کے آگے رکھ دیئے۔ مختصر یہ کہ حضرت بابا مشقت اور محنت والی ریاضتوں کے کرنے میں جانباز حضرت شیخ العالم کے محرم راز تھے۔ ان کی صحبت اور ہم نشینی میں ممتاز۔ ریشیوںؒ اور فقیروں کی خدمت کے کارساز تھے۔ حضرت شیخ کے کشمیری ملفوظات کثرت سے ان ہی کی طرف خطاب کئے ہوئے پائے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ جب بابا نصر الدین کی عمر آخر کو پہنچی تو ایک رات کو حضرت شیخ نے خواب میں فرمایا، تو نے بہت تکلیف اٹھائی اب میرے پاس آ جاؤ۔ اور ملک جوگی رینہ کو چرار میں ریشیوں کا ذمہ دار بناو۔ جب آنکھ کھلی تو نہایت متفکر ہوئے کہ ملک جوگی رینہ کو جو سلطان کا وزیر ہے۔ کیونکر اس مشکل کام کا ذمہ دار بنا سکتا ہوں۔ لیکن پیر بزرگوار کے حکم کی تعمیل میں ملک جوگی رینہ کے پاس گئے، اور شیخ کا پیغام سنایا اس نے ذمہ داری لینی قبول نہ کی بابا نصر الدین واپس آئے۔ ملک جوگی رینہ کے دل میں اسی رات کو ایک زبردست انقلاب آیا بے قراری اور بے آرامی میں کپڑے پھاڑے۔ نعرہ لگاتے ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے بابا کے پاس آ گئے۔ دیکھا کہ حضرت بابا بیمار ہو کر بستر پر ہیں۔ بیمارداری کی خدمت میں لگ گیا۔ اور ان کی ایک نظر سے مقام اعلیٰ پر پہنچ گیا۔ حضرت بابا نے کئی دن بیمار رہ کر رحلت فرمائی۔

(ماخوز از تذکرۃ الاولیاء کشمیر وغیرہ)

حضرتِ سلطان العارفین محبوب العالم شیخ حمزہؒ

یک زمانے صحبتِ باولیاء | بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریاء
گر تو سنگِ راہ مرمر بوی | چوں بصاحبدل رسی گوہر شوی
دست پیر از غائباں کوتا نیست | دست او جز قبضۂ اللہ نیست

علماء سیر س اخبار کا بیان ہے کہ حضرت سلطان العارفینؒ موضع تجر علاقہ زینہ گیر میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے والد ماجد کا نام بابا عثمان رینہ اور والدہ ماجدہ کا نام بی بی مریم تھا۔ ان کے چچا کا نام بابا علی رینہ تھا۔ آپؒ کے والدین بڑے پارسا اور دیندار تھے۔ آپؒ بڈشاہ کے بعد اس کے خاندان کے تیسرے فرمانروا سلطان محمد شاہ کے زمانے میں ۹۰۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ باپ نے غیبی اشارہ پاکر "حمزہ" نام رکھا، جو حضرت سید الشہد امیر حمزہؓ کے ساتھ منسوب ہے۔ جو عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ حضرت امیر حمزہؓ نے کفار کے ساتھ دین کی خاطر جہاد کیا۔ تو حمزہ یعنی شیر نام پڑا اور حضرت محبوب العالمؒ نے نفس کے ساتھ جہاد کر کے اس کو خدا کو تعبدار بنا دیا تو آپؒ حمزہ یعنی شیر چابت ہوئے۔

یافت چوں ہم نامۂ آں غازیٔ سلطانِ دین
پہلوانے در جہاد نفس زور آور شد ہس است

آپؒ مادرزاد ولی تھے جس کی دلیل یوں ہے کہ آپؒ کی والدہ کی چھاتیوں میں دودھ کی کمی تھی تو والد صاحب نے ایک دایہ کو لایا کہ بچے کو اجرت پر دودھ پلائے مگر آپؒ نے دودھ نہیں پیا۔ دو ہفتہ تک وہ عورت دودھ پلانے کی کوشش کرتی رہی لیکن آپؒ پیتے نہ تھے۔ صرف والدہ کی

چند بوندیں پی کر زندہ رہے اور صحت میں کوئی کمی نہ آئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس دایہ نے چار ماہ کی بیٹی گھر پر چھوڑ کر خاوند سے اجازت لئے بغیر یہ کام قبول کیا تھا۔ اس طرح آپؒ نے حرام اور مشتبہ غذا کھانے سے بچپن میں ہی پرہیز کیا۔ بابا عثمانؒ رینہ کے گھر میں کافی بھیڑ بکریاں تھیں۔ ایک نوکر مہدی چوپان نامی ان کو گاؤں سے باہر چراگاہوں میں گھاس چرانے لیتا تھا۔ ایک روز ایک بھیڑ پہاڑی سے گر کر مر گئی۔ تو چوپان نے اس مردہ بھیڑ کو ذبح کیا اور اس کا سر آقاہ کے گھر لایا۔ اور کہا یہ بھیڑ پہاڑی کے نیچے گری تو میں نے فوراً ذبح کیا۔ تا کہ یہ حلال ہو جائے اور اس کا سر دکھانے کیلئے یہاں لایا ہوں۔ چوپان نے یہ حرکت عمداً کی کہ حرام کو حلال کہا اول یہ کہ بھیڑ کو کھو جانے کا الزام نہ لگے۔ دوم یہ کہ وہ مذہباً شیعہ تھا لہذا اہل سنت کو مکرہ اور مردار کھلانا ثواب جانتا تھا۔ بابا صاحب نے گھر والوں کو یہ سری پکانے کو کہا۔ حضرت شیخ حمزہؒ جو اُس وقت چار سال کے بچے تھے تو نور ولایت سے مطلع ہوئے کہ مہدی نے یہ حرکت کیوں کی اور ہمارے گھر میں حرام چیز کیوں پک رہی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کس طرح اپنے پاک باز بندوں کو حقیقت سے آگاہ کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو: وَعَلَّمْنَاہ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (کہف۔۶۵) یعنی ہم نے ان کو یعنی حضرت خضر علیہ السلام کو اپنے پاس سے ایک خاص طور کا علم سکھایا تھا۔ اس علم کو تصوف میں علم لدنی کہتے ہیں۔ اسی علم سے آپؒ کو مہدی چوپان کی بددیانتی کا پتہ چل گیا تو آپؒ نے گھومتے گھومتے کچن میں جا کر اس دیگ میں گوبر کا ٹکڑا جس کو کشمیری میں لُبڑ پھل کہتے ہیں ڈال دیا جس میں وہ سر پکتا تھا تو پکانے والی نے گوشت کو باہر پھینک دیا اور بابا صاحب کو

صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس طرح آپؒ نے گھر والوں کو مردار کھانے سے بچالیا اور مہدی چوپان کے جرم پر بھی پردہ ڈال دیا البتہ چوپان کو تنہائی میں کہہ دیا کہ اس نے یہ جرم کیوں اور کیسے کیا۔

چوں خدا علم لدنی کرد تعلیمش زمہر
بہر اسرار الٰہی عالم اہر شدہ است

بابا عثمان رینہؒ نے اپنے اس ہونہار اور روشن دل فرزند کو قرآن ناظرہ پڑھانے کے بعد دینی علوم سیکھنے کیلئے سرینگر لایا۔ یہاں ایک بڑا مدرسہ ''دارالشفاء'' نام کا کوہ ماران کے شمال مشرق میں چل رہا تھا۔ جہاں اسلامی ممالک سے طلباء تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ اس درسگاہ کے صدر مدرّس اس وقت کے ایک ممتاز عالم دین اور روحانیت کے شاسا بڑے متقی اور پارسا حضرت بابا اسمٰعیل کبرویؒ تھے۔ حضرت شیخ حمزہ کو اسی مدرسے میں داخلہ مل گیا۔ اور علم حدیث، فقہ، علم فلسفہ، علم تفسیر پڑھنے میں مشغول ہوئے۔ آپؒ نے قلیل عرصے میں اتنا کمال حاصل کیا کہ صحاح ستہ کے مستند احادیث اور فقہ اکبر کو زبانی یاد کیا۔ جبکہ قرآن مجید کو اس سے قبل ہی حفظ کیا تھا۔ الغرض دینی علوم کے ساتھ ساتھ علوم متدالہ میں بھی آپؒ نے کامل دسترس حاصل کی۔ اور اسرارِ معرفت و علم حقیقت کیلئے آپؒ کے قلب وسینہ کو باطنی طور کھول دیا۔

روشن است انوار قرآن گشت ہم اسرار آں
پس خواص اش و دید و ہم الفاظ آں از برشدہ است

آپؒ خانقاہ، شمسی چک میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ یہ خانقاہ مدرسہ دارالشفاء کے طلباء کیلئے ہوسٹل کا کام دیتا تھا۔ ایک روز وہاں ایک شہری آیا

میرے ہاں نذر و نیاز کی محفل منعقد ہو رہی ہے،
اور طلباء سے عرض کیا کہ ''میرے ہاں نذر و نیاز کی محفل منعقد ہو رہی ہے،
آپ لوگ بھی اس میں شامل ہو کر میرے لئے دعا کریں۔'' تو طلباء کے
ساتھ حضرت سلطانؒ بھی اس غرض سے گئے کہ کھانا بھی ملے گا اور کچھ
نقدی بھی تا کہ کاغذ، سیاہی اور قلم وغیرہ خریدوں گا۔ رات کو واپس خانقاہ
میں آرہے تھے کہ ایک جگہ پاؤں پھسل گیا اور ایک کھائی میں گر گئے۔
کپڑے کیچڑ سے آلودہ ہو گئے اور وہ نقدی رقم جو خمیانہ کے طور پر مل گئی تھی
ہاتھ سے گر کر کیچڑ میں غائب ہو گئی۔ اور آپؒ آزردہ ہو کر خانقاہ میں
کپڑے بدلا کر سو گئے۔ تو خواب میں ایک بزرگ نے کہا: دیکھو بیٹے آپ
عنقریب سلطان دوران ہوں گے، آپؒ کے لئے گھر گھر جانا زیبا نہیں
ہے۔ آپؒ توکل کریں اور دیکھیں کہ بڑے بڑے امیر لوگ آپؒ کی
خدمت میں آئیں گے، یہ مفت خوری آپؒ کے لئے اچھا نہیں رہے گی۔''
آپؒ نے بیدار ہو کر اسی حرکتوں سے باز رہنے کا عہد کیا۔ اور نفس کے
ساتھ جد و جہد کر کے اللہ اللہ کرنے لگے۔

علم و حکمت زاید از لقمۂ حلال
عشق و رقت زاید از لقمۂ حلال
چوں ز لقمہ تو حسد بینی دوام
جہل و غفلت زاید آں رواں حرام

سنِ بلوغ کو پہنچتے ہی آپؒ ہمہ تن یادِ خدا میں مشغول ہوئے اور دن
رات قرآن کی تلاوت کرتے رہے۔ اور فرض نمازوں کے علاوہ نوافل
بھی پڑھتے رہے۔ رات کی تنہائیوں میں ذکر و فکر اور یادِ الٰہی میں مصروف
رہتے تھے۔ لوگوں سے الگ ہو کر آپؒ پرانی مساجد میں، کھنڈرات میں،

بزرگوں کے مقابر میں بیٹھ کر یادِ خدا کرنے میں لطف اُٹھاتے تھے۔ اور کسی رہنمائے کامل کی تلاش میں تھے جو باطنی دنیا میں آپؒ کی رہبری فرماتے کیونکہ اس راہ میں ہر جگہ اور ہر موڑ پر شیطان کے ورغلانے کا خطرہ ہے۔

راہ بس باریک و شب تاریک و دُزداں در کمین

بے دلیلے عزم راہ کردن دلیلِ بے رہی است

خدا کے کرم سے سلسلۂ سہروردیہ کے ایک باکمال بزرگ حضرت سید جمال الدین بخاری ثم دہلویؒ یہاں کشمیر میں تشریف لائے اور آپؒ نے غیبی اشارہ پا کر حضرت کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرتؒ نے کسی توقف کے بغیر آپؒ کو قبول فرما کر آپؒ سے بیعت فرمائی اور چھ ماہ تک آپؒ کو اپنے ساتھ رکھ کر راہِ سلوک کے نشیب و فراز سے آگاہ فرمایا اور خطِ ارشاد عطا کیا۔ سلسلۂ سہروردیہ کے بانی مبانی حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ہیں۔ اس سلسلے میں ایک مشہور و معروف ولی کامل عارف باللہ حضرت مخدوم جہانیاں جناب سید جلال الدین بخاریؒ گزرے ہیں جو کشمیر میں بھی بغرض سیاحت آئے تھے۔ انہوں نے یہاں آکر کوہ ماران کے جنوب میں کچھ وقت ایک چھوٹی سی مسجد میں گذار کر اللہ اللہ کیا ہے۔ جس کو ذاکر مسجد کہتے ہیں۔ حضرت سلطان العارفینؒ اپنے مرشد کے حکم سے اسی مسجد میں معتکف ہو کر تنہائی میں ذکر و فکر کرتے تھے۔ حضرت سید جمال الدین دہلویؒ نے چھ ماہ تک یہاں ٹھہر کر اور اپنے مرید باصفا حضرت شیخ حمزہؒ کو طریقت کی باریکیوں اور تصوف کے رازوں سے آشنا کر کے واپسی کیلئے رختِ سفر باندھا تو آپؒ نے بھی ان کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا لیکن مرشد پاک نے اجازت نہیں دیدی اور کہا

کہ اسی ملک میں بیٹھ کر عالم ملکوت اور عالم لاہوت کی سیر کرتے رہو۔ پھر یہاں کے لوگوں کو سیدھا راستہ دکھانے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ یقین رکھو میں ہر واقعہ میں تمہارے پاس حاضر رہوں گا۔'' حضرت مرشد گرامیؒ نے اپنے مرید لاثانی کو رخصت کے وقت یہ شعر سنایا جس کے معنی کوزے میں سمندر جیسا ہے۔

گر در یمنی چُو با منی پیشِ منی
در پیشِ منی چو بے منی در یمنی

یعنی اگر تم یمن میں ہو مگر دل سے میرے ساتھ ہو تو میرے سامنے ہی ہو، لیکن اگر میرے سامنے ہو کر دل سے میرے ساتھ نہ ہو تو یمن میں ہو یعنی مجھ سے دور۔

الغرض حضرت شیخ حمزہؒ نے اپنے مرشد پاک کے ارشاد کے مطابق سارے کشمیر کی سیر کی اور خدا کے بندوں کی رہبری کر کے ان کے دلوں کو روشن فرمایا۔ آپؒ نے مختلف علاقوں میں روحانی مراکز قائم کئے جسمیں قیام کر کے آپؒ لوگوں کی روحانی تربیت کرتے تھے۔ ان مراکز میں کھویہامہ، نادی ہل، کریری، آہام، بیج بہاڑہ، بولٹو، مُنہ گام، شنگہ پال، بارہ مولہ، اور شاہ آباد بھی مشہور ہیں۔ سب سے بڑا مرکز ''مخدوم منڈھو'' نام کا سرینگر کے وسط میں تھا۔ جہاں آپؒ اپنے خلفاء کے ساتھ سلوک و تصوف پر تبصرہ بھی کرتے۔ اور ذکر اذکار بھی کرتے تھے۔ یہ جگہ آج بھی مرکز ہدیت مانی جاتی ہے۔ آپؒ ذکر پاس انفاس اور ذکر چار ضرب میں ہمیشہ مشغول رہتے تھے۔ اس قسم کے ذکر سے آپؒ اکثر سر درد میں مبتلا رہتے تھے اور سینہ مبارک میں سوزش ہوتی تھی۔

اوست سلطان تاج ذکرِ پاس ، انفاس شدہ
چار ضربش چار ترگ و ہر نفس گوہر شدہ است
گوید اکثر سوختم از کثرتِ داغ دروں
سینہ ام گویا پُر از آتش یکے مجمر شدہ است
چون ز عشق حق کشد آہِ جگر سوزِ دروں
چشم اہل کشف را مشہود ازاں اخگر شدہ است

یعنی ”آپؒ بادشاہ ہیں، ذکر فرض دائم آپ کا تاج ہے اور اس تاج کو چار گوشے ذکرِ چار ضرب ہیں۔ اور ہر سانس اس تاج کے لعل ہیں۔“ مطلب یہ کہ اسی ریاضت شاقہ نے آپؒ کو سلطان ملک غیب بنا دیا ہے۔ آپؒ اکثر فرماتے تھے کہ ”میں قلب و روح کے داغوں سے جل رہا ہوں۔ میرا سینہ گویا آگ سے بھری ہوئی ایک انگیٹھی بن چکا ہے۔“ مطلب یہ کہ ذکرِ دوام اور حبسِ نفس سے میرے دل پر وہی داغ پڑ رہے ہیں۔ جو آگ سے جل کر دکھائی دیتے ہیں۔ اور سانس بند کر کے دل ہی دل میں اللہ اللہ کرنے سے میرا سینہ آگ کی انگیٹھی بن چکا ہے آپؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ ”جب اللہ کے عشق سے جگر کو جلانے والی آہیں دل سے نکالتے ہیں تو رازداران باطنی علوم کو معلوم ہوتا تھا کہ آپؒ کے دل سے انگارے باہر آتے ہیں“ مطلب یہ کہ آپؒ کی سانس آگ کی طرح گرم ہوتی تھی جس کی وجہ سے ذکر چار ضرب تھی۔ آپؒ اکثر اپنے دل کی پُرسوز کیفیت اور باطنی دنیا میں محویت نیز عشق الٰہی کی سوزش کی صورت ان دو شعروں میں بیان فرماتے تھے اور حاضرین پر رقت طاری ہوتی تھی۔ حد یہ ہے کہ آپؒ کے سانس میں بنے ہوئے گوشت کی خشبو آتی تھی۔ فرماتے

تھے۔

سوختم چنداں کہ برتن نیست دیگر جائ داغ
بعد ازیں خواہم نہادن داغ بر بلائے داغ
اے آتش فراقت دل راکباب کردہ
وسوزِ اشتیاقت جاں را خراب کردہ

حضرت محبوب العالمؒ جب عالم شباب میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران خانقاہِ شمسی چک میں قیام پذیر تھے تو ملا بایزید اور میر شمس الدین عراقی ایران سے یہاں کشمیر میں شیعہ مذہب کی تبلیغ واشاعت کرنے کیلئے آئے تھے۔ سرینگر میں یہ چرچا ہوا کہ ایران کے بڑے علماء وہاں کی حکومت کی طرف سے یہاں آئے ہیں تو لوگ جوق در جوق ان کے پاس آنے لگے۔ حضرت سلطان العارفین بھی گئے۔ ملا بایزید نے پوچھا: ''نوجوان کون سی کتابیں پڑھ رہے ہو؟'' آپؒ نے فقہ حنفی کی چند کتابوں کا نام بتایا۔ ملا نے کہا ان کتابوں کو چھوڑ دو، یہ حق پر مبنی نہیں ہیں۔ ان کے بدلے رسالہ امامیہ اور فقا اثنا عشریہ'' پڑھا کرو۔ آپؒ نے کہا کہ یہ کتابیں رافضیوں کی ہیں، یہ کیسے اچھی ہوسکتی ہیں؟ تو دونوں عالموں کو بہت برا لگا اور آپؒ پریشان ہوئے پھر آپؒ نے استخارہ کرنیکی نیت باندھی کہ کون مذہب حق ہے اور کون باطل۔ یہ فیصلہ کر کے آپؒ کوہِ ماران کی ایک ویران مسجد میں معتکف ہوئے۔ کھانا پینا اور ملنا جلنا ترک کیا۔ تین دن اور تین راتیں گذرنے کے بعد آپؒ نے خوب دیکھا کہ سورج طلوع ہوا ہے اور لوگ درودخوانی کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ سرور کائناتﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ تو آپؒ قبلہ رو ہو کر مسجد میں بیٹھ گئے اور ایک باوقار صاحب

مسجد میں آئے اور کہا۔ :''میں ابو بکر صدیقؓ ہوں اور حضور انور ﷺ کا خلیفہ۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر تم دنیاوی عقبیٰ میں نجات چاہتے ہو تو جناب رسولِ کریم ﷺ، تمام صحابہ کرام، اہل بیتِ عظام، امہات المومنین اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنے دل میں جگہ دیکر سب کے معتقد رہو اور سبھوں سے محبت کرو۔ اہل سنت کے چار اماموں کو برحق جان کر امام ابو حنیفہؒ کی پیروی کرو۔ جو کچھ تم کو ان ایرانی شیعہ علماء نے کہا ہے وہ غلط اور مبنی بر رفض و عداوت ہے۔'' پھر دوسرے نورانی صاحب آئے اور کہا۔ ''میں ابو بکرؓ کا جانشین ہوں، عمر فاروقؓ میرا نام ہے، حضرت ابو بکرؓ نے جو کچھ فرمایا ہے، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔'' پھر تیسرے خوبصورت صاحب تشریف لائے اور کہا ہے، میرا نام عثمانؓ ہے، میں امتِ مسلمہ کا تیسرا خلیفہ ہوں اور تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ جو کچھ جناب ابو بکرؓ نے فرمایا اسی پر عمل کرتے رہو۔'' پھر چوتھے باوجاہت صاحب نمودار ہوئے اور کہا: میری طرف دیکھو، میں علی مرتضیٰ ہوں۔ میں نے امتِ مرحومہ کو خبردار کیا ہے کہ میرے بعد ایک جماعت پیدا ہوگی جو اپنے آپ کو شیعانِ علی اور محبانِ علی کہلائی گی۔۔ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر سب وشتم کریگی وہ میری جماعت نہیں ہوگی۔ میری کوئی الگ جماعت نہیں ہے بلکہ میں حضور انور ﷺ کی امت کا ایک فرد ہوں اور مجھے اپنے پیشرو تین خلفاء کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں تھا۔ جو شخص ان کی عزت نہیں کرگا اور میری محبت کا دم بھرے گا وہ حق پر نہیں ہے۔ لہذا جو نصیحت تم کو ابو بکر صدیقؓ نے کی ہے اس پر عمل کرو اور لوگوں کو اسی راستے پر چلنے کی تلقین کرو''۔ پھر آپؒ خواب سے بیدار ہوئے اور رفض و رافضی کے خلاف ہمہ

تن جہاد میں مصروف ہوئے۔ نیز اہل سنت کے مسلک کی تبلیغ وترویج میں کوشش کرنے کا تہیہ کیا۔

مصطفیٰ را ہم مع الاصحاب دیدہ بارہا
زاں سبب در مذہب سینہ راخ تر شدہ است
شیعہ وسنی یکے ہستند اما اہل رفض
ادعائے شیعگی سب وبغض انکر شدہ است

زندگی کے آخری ایام میں آپؒ لوگوں کو رافضیوں کے اصل حالات اوران کے مذہبی عقائد سے باخبر کر کے مسلک، اہل سنت کی پیروی کرنے کی پُر زور تبلیغ کرتے تھے۔ تو حسین چک اور غازی چک جو شیعہ مذہب قبول کر چکے تھے نے آپؒ کو خوب ستایا اور سرینگر شہر سے جلاوطن کیا۔ آپؒ نے کمراز، تلیل، گریس اور بیروہ میں اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ سرینگر کے اہل سنت مسلمانوں نے حکومت کے خلاف ایک تحریک چلائی تو حکومت نے مجبور ہو کر آپؒ کو سرینگر آنے کی اجازت دے دی۔

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جنکی خدا پر ہو
طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

آپؒ اہل سنت والجماعت کے مسلک کی بنیاد صرف اور صرف قرآن وسنت مانتے تھے۔ تصوف اور سلوک کی باتوں پر جب ہی عمل کرتے تھے جب وہ سنت رسول کریم ﷺ سے مطابقت رکھتی ہوں۔ اس باب میں آپؒ کی زندگی کا ایک واقع یوں ہے کہ ایک روز آپؒ جمعہ کی نماز کیلئے گرم پانی سے غسل کر کے سرینگر کی جامع مسجد کی طرف جا رہے تھے،

آپؒ کے سر میں درد تھا اور موسم بھی سرد تھا۔ حضرت بابا داؤد خاکیؒ ساتھ تھے۔ مخدوم منڈھو سے کچھ دور چل کر ایک مکان سے گانے بجانے اور ساز و سطور کی آواز سنی تو آپؒ تیز رفتاری سے چلنے لگے۔ پھر اپنے مرید خاص حضرت خاکیؒ سے فرمایا ''ٹھہرو میں نیا وضو کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا'' حضور آپؒ نے گرم پانی سے غسل فرمایا ہے اور سر میں درد بھی ہے تو نہر پر جا کر سرد پانی سے وضو کرنے میں بیماری بڑھنے کا اور خطرہ ہے'' آپؒ نے جواباً فرمایا'' ہم نے سنت نبویؐ کے خلاف گانے بجانے کی آوازیں سنیں۔ اس لئے نیا وضو کر کے کفارہ ادا کرتا ہوں'' یہ تھا آپ کا تقویٰ اور سنت کی پابندی اور رسول اکرم ﷺ کے دین پاک کا خیال۔

ہر کہ عشق مصطفےؐ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست
زانکہ ملت را حیات از عشقِ اوست
برگ و سازِ کائنات از عشق اوست

تبلیغ اسلام کے مشن کی انجام دہی میں اہل سنت کے عقائد و اعمال کی ترویج میں اور ریاضت کے ذکر و فکر میں آخر ۱۷ ماہ صفر کو بعارضہ دردِ سر صاحب فراش ہوئے اور ۲۴ ماہ صفر المظفر ۹۸۴ھ کو سات دن بیمار رہ کر ۸۴ سال کی عمر میں آپؒ کا انتقال ہوا۔ یہ خبر فوراً آگ کی طرح سارے شہر و دیہات میں پھیل گئی اور لاکھوں لوگ جمع ہوئے خواجہ طاہر رفیق عشائیؒ نے آپؒ کی وصیت کے مطابق غسل دیا اور عید گاہ میں نماز جنازہ پڑھائی اور آپؒ کی وصیت کے مطابق آپؒ کو اس جگہ پر دفن کیا گیا جہاں آپؒ کا معبد اور رشد و ہدایت کا مرکز تھا۔ یعنی کوہِ ماران کے جنوبی گوشے

میں ذاکر مسجد کے بالکل قریب۔

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ

عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام

آپؒ کے بعد آپؒ کے نورانی اور پُر فیض کام کو آپؒ کے خلفاء نے کشمیر کے گوشے گوشے میں جا کر انجام دیا۔ ان میں سے چند مشہور و معروف خلیفوں کے نام یہ ہیں:۔ حضرت بابا دوؤد خاکیؒ، ملا جوہر گنائیؒ، ملا شمس الدین پالؒ، ملا داوؤد طوسیؒ، خواجہ حسن قاریؒ، بلدیمریؒ، خواجہ اسحاق قاریؒ، شیخ احمد چاگلیؒ، شیخ حسن متویؒ، شیخ بہرام گورٹینگیؒ، شنگرف گنائیؒ، شیخ بایزید شمناگیؒ، میر حیدر تولہ مولیؒ، خواجہ عثمان کولؒ، خواجہ ابراہیم کولؒ، مولانا میر افضلؒ، مولانا نازین علیؒ، میاں نعمت اللہؒ، بابا علی رینہؒ، خواجہ بیرمؒ، مولوی فیروز ثانیؒ، صوفی اللہ دادؒ، مولانا سوفی علیؒ، مولوی جعفرؒ، ملا عبدالغنیؒ، شیخ محمد شاہؒ، خواجہ ابوالحق سمرقندیؒ، بہادر شیخ وزیتی ریشیؒ، ملک ریگی ڈارؒ، نوروز ماگرےؒ، نور محمد گائیؒ، کشمیر کے مختلف علاقوں میں ان حضرات کے معابد اور مقبرے موجود ہیں۔ اور متعدد لوگ آج بھی ان مقامات پر جا کر فیض حاصل کرتے ہیں۔

درزیارات ولی نفع وثوابِ بیحد است

خواہ در وقتِ حیات و خواہ بعد از انتقال

نوٹ:۔ اس مضون سے متعلق ساری باتیں دستور السالکین، حرز المحبین، تاریخ حسن حصہ سوم، تاریخ کشمیر، ہدایتا لمخلصین سے نقل کی گئی ہیں۔ جو معتبر کتابیں مانی جاتی ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ

شیخ بابا داؤد خاکیؒ

علماء تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت شیخ بابا داؤد خاکیؒ محلہ کلاشپورہ سرینگر کے گنائی خاندان سے تھے۔ دانائی اور عقلمندی کے مجسمہ تھے۔ بچپن ہی میں ماں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا۔ خدا کی یاوری سے ملا بصیر، ملا رضی اور شمس الدین پال جیسے عالم اور فاضل استاد ملے۔ اس پر ان کی خداداد فہم و فراست، ذہانت اور ذکاوت نے سونے پر سہاگ کا کام کیا۔ نقلی اور عقلی علوم میں ان کے ہم عصروں میں سے ان کے مقابلے کا کوئی دوسرا نہ تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد سلطان کے بیٹوں کو سو روپے ماہوار تنخوہ پر پڑھاتے تھے۔ ایک دن جناب حضرت محبوب لعالمؒ کی خدمت میں چلے گئے۔ ان کی عرفان سے بھری ہوئی باتوں سے اتنے متاثر ہوئے کہ علم و ادب میں فضل ہی کا گھنڈ دل سے نہ جاتا رہا۔ بلکہ دنیا و مانیھا سے متنفر ہو گئے۔ ننگ و ناموس، عزت و آبرو، شان و شوتک کو سلام کیا۔ دنیاوی جاہ و حشم، مال و متاع، اسباب و عیش و عشرت کو خیر باد کہا۔ جناب حضرت محبوبالعالمؒ کی خدمت گذاری کیلئے ہمت کی کمر باندھی۔ سبحان اللہ! بابا داؤد خاکیؒ عالم فاضل، شاعر کامل، صاحب دربار سلطان، شہزادوں کا استاد کمر باندھ کر دامن اوپر چڑھا کر، گھاس کی بنی ہوئی جوتی پاؤں میں لگا کر حضرت کی سواری کے وقت گھوڑے کی بھاگ دوڑ پکڑ کر آگے آگے یا شکار بند پر ہاتھ رکھ کر ساتھ ساتھ دوڑتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ نے دوپہر کے بعد کی نماز کے وقت عیش مقام جانے کا ارادہ فرمایا۔ یاروں نے کہا پیشین نماز پڑھ کر روانہ گے۔ انہوں نے فرمایا

آگے جا کر ادا کریں گے۔ شہر سے روانہ ہوئے عیش مقام پہنچے۔ پیشین نماز وقت پر ادا کی۔ اور مسافت دو پڑاوے سے زیادہ تھی۔ واپسی کے دن جب شہر کے نزدیک پہنچے۔ بابا داؤد خاکیؒ نے شرم کے موجب دامن کو کمرے سے نیچے کر دیا۔ حضرت شیخ تاڑ گئے۔ کہ اس نے یہ حرکت لوگوں سے شرمانے کی موجب کی۔ دوسرے دن حضرت شیخ نے شہر میں سوار ہو کر چکر لگانے کا اردہ کیا۔ بابا داؤد خاکی کو حکم ہوا کہ وہ گائے کا چمڑہ پہن کر چمڑے کی ٹوپی سر پر رکھ کر، گھاس کی جوتی پاؤں میں لگا کر ساتھ چلنے کیلئے تیار ہو جائے۔ حضرت سوار ہوئے۔ خاکی آگے آگے دوڑتے تھے۔ شہر کے لوگوں نے بابا داؤد خاکی کی یہ حالت دیکھ کر اندازہ لگایا کہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ بہت افسوس کرنے لگے۔ جب گھر واپس پہنچے۔ حضرت نے فرمایا۔ یہ محنت کل لی حرکت کی سزا ہے۔ دو برس اسی طرز پر گذارے۔ ننگ و ناموس اور غرور و گھمنڈ خاک میں مل کر خاک ہو گئے۔ اور بابا داؤد خاکی ''ہُوئے'' پھر علاقہ کھویہامہ کے ایک مقام شنگہ پال میں چالیس کے لئے چلے خلوت نشینی کا حکم ملا۔ اس عرصہ میں جو کی روٹی کھائی اور کسی سے بات نہ کرنے کی پابندی تھی۔ جب حکم کے مطابق مسجد شنگہ پال میں بیٹھے تو بوت پریت، جن اور پریاں ستانے لگیں۔ اور حضرت خاکی کو مسجد سے باہر نکالا۔ دوسرے دن حضرت محبوب العالم بذات خود تشریف لائے اور ایک دن اور ایک رات میں بھوتوں، جن اور پریوں کو وہاں سے نکالا۔ حضرت بابا کو کہا اب بغیر کسی وسوسے اور اندیشے کے اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ۔ اس کے بعد خاکی چالیس چلے ختم ہونے تک وہیں رہے۔ زیادہ تر جنگلی سبزی، ترکاریاں (وپل ہاک اور جنگلی کاسنی

وغیرہ) سے افطار کرتے ہے۔ اور کبھی جو کی روٹی کھاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس عرصے میں ایک شیر رات کو مسجد کے گرد پہرہ دیتا تھا۔ اور صبح کو غائب ہو جاتا تھا۔ ان دنوں اگرچہ شیعوں کا غلبہ تھا لیکن دن دھاڑے کچھ نہ کرتے تھے۔ انہوں نے چوروں کی ایک جماعت حضرت بابا کو مارنے کیلئے مقرر کی۔ ایک رات یہ لوگ حضرت بابا کے عبادت خانے پر گئے۔ ساری رات مسجد کے اردگرد چکر لگاتے رہے۔ شیر کے ڈر سے نزدیک آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ صبح کو بھاگے اور گاؤں کے نمبردار کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ ذدکوب اور تفتیش کرنے پر چوروں نے اصلیت بیان کی۔ اور میر عدل (چیف جسٹس) کے حکم کے موجب سزا پا گئے۔ ان میں سے ایک جو بچ گیا تھا حضرت بابا کا مرید ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت بابا داؤد خاکی خلوت نشینی کے دنوں میں کسی سے بات نہ کرتے تھے۔ ایک دن ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے تفسیر و مدرس کی ضرورت پڑی۔ کچھ لفظ لکھ کر کھڑکی پر رکھے۔ خادم پرچہ لیکر شہر گیا۔ حضرت شیخ باطنی طور پر حضرت بابا کی اس حرکت سے مطلع ہوئے۔ حضرت بابا کو عتاب کیا۔ تم ملا ہو تمہارے ہاتھ سے درویشی نہیں آئے گی۔ آؤ اور علاقہ الدین پورہ میں بچوں کو سبق پڑھاؤ۔ ایک دن نماز تہجد کے غسل کے لئے چشمہ پر نکلے تھے۔ چشمے کے بیچ میں ایک آدمی کو کپڑے پہنے ہوئے کھڑا دیکھا۔ ڈر گئے کہ بھوت ہے۔ بہت ڈر لگنے کے باوجود خدا پر بھروسہ کر کے چشمہ پر گئے۔ دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ سلام کے بعد آپس میں پیار و محبت کی باتیں ہوئیں۔ حضرت بابا نے سوالات پوچھے۔ تسلی بخش جوابات حاسل کیے۔ چشموں کی کیفیت دریافت کی۔ اور حضرت خضر

نے ان کی حقیقت بیان کی۔ اور کہا کہ آج سے جہاں جاؤ گے چشموں کے موکل تمہارے استقبال کو آئیں گے۔ اور مرید بنیں گے۔ جہاں کہیں خطرناک چشمہ ہوگا وہاں تمہاری مدد کروں گا۔ انہی دنوں میں مرزا حیدر سلطان سکندر کاشعری کا لشکر ساتھ لیکر کشمیر پہنچا۔ کوہ شنگہ پال کے دامن پر کیمپ لگایا اور کشمیریوں کے ساتھ لڑتا رہا اور حضرت خاکی کو اس خطرناک واقعہ کی خبر تک نہ ہوئی۔ خلوت نشینی کی مدت ختم ہونے پر حضرت شیخ کے زما نے سے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے آستانے کی زینت کے لئے ملتان چلے گئے۔ اور اوچھ میں زیارت پر کچھ مدت رہے۔ وہاں کے صاحب دلوں اور بزرگوں کی ملاقات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ اس ملک کے متبرک مقامات دیکھنے کے بعد لاہور آئے اور وہاں جناب حاجی احمد قادری کو اپنے ساتھ کشمیر لے آئے۔ جون ہی حضرت بابا سفر سے واپس آکر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے ان کو خلعت ارشاد پہنایا۔ شیخیت کے سجادہ پر بیٹھ گئے۔ لوگوں کو فیض رسانی اور فائدہ رسانی میں کوششیں جاری کی۔ امر معروف اور نہی منکر پر عملدرآمد کرانے کی بڑی سعی کرتے رہے۔ نہایت ہی عالی مرتبہ خدا دوستوں اور ولیوں سے اخلاص اور دوستی تھی۔ جن میں سے میر سید احمد کرمانیؒ، حاجی احمد قاری اور بابا ہردے ریشی قابل ذکر ہیں۔ حضرت میر سید اسمٰعیل شامی سے سلسلۂ علیہ قادریہ کی اجازت حاصل کی۔ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ بزرگانِ خاص میں اکیلے بیٹھے تھے۔ شیخ داؤد خاکی نے باہر سے باتیں کرنے کی آوازیں سنی۔ یہ آوازیں قسم قسم کی مختلف نوع کی تھیں۔ دروازہ سے انہوں نے اندر جاتے کسی کو نہیں دیکھا۔ متجردہو

گئے۔ اور حضرت شیخ سے اجازت لینے کے بغیر ہی دروازہ کھولا۔ نہایت حد درجہ خوبصورتوں کی ایک جماعت دیکھی۔ جو بحث ومباحثہ میں اور بات چیت میں مشغول تھی۔ حضرت نے غصہ کا اظہار کیا۔ اور فرمایا ایسی حالت میں بلا پوچھنے کے دروازہ کھولنا اور اندر آنا ادب کے خلاف ہے۔ یہ چشموں کی روحیں تھی۔ جو فیض حاصل کرنے کو آتی تھیں۔ خدا نے چاہا تمہیں بھی کچھ وقت کے بعد ایسی ہمت اور طاقت حاصل ہو گی۔ کہ تم ان کے مکانوں میں جا کر غیبی باتوں کی حقیقتوں سے واقف ہو جاؤ گے۔ غیب لوگوں کا یہ طمائفہ فرشتوں اور جنوں سے الگ ہے۔ ان کی مثال آگ کی سی ہے۔ اور پانی جوان سے ابلتا ہے دھواں جیسا ہے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت داؤد خاکیؒ علاقہ کے مراج کے ایک گاؤں اندر ہامہ میں ایک چشمہ پر کچھ مدت کیلئے خلوت نشین ہو گئے۔ اور درود اعظم۔ صرزیمانی، جذب البحر، اسماء عظام اور سورہ یاسین پڑھتے رہے۔ جب تک ان کو غیبی کائنات کا کشف حاصل ہو گیا۔ اور پھر جہاں جاتے چشموں کی روحوں کا معاینہ کرتے اور ان سے باتیں کرتے اور ان کی تربیت فرماتے۔ اس معاملہ میں انہیں حضرت خضر علیہ سلام سے پوری مدد ملتی اور بابا ہردے ریشی سے بھی۔ سب سے پہلے دوسو (۲۰۰) افراد ساتھ لے کر ترناگ گئے۔ یہ چشمہ دیوسر کے پہاڑ پر ہے۔ وہاں پہنچنے پر آندھی چلی۔ کالے بادل چھا گئے۔ بجلیاں چمکنے لگیں۔ گرج کے ساتھ اولے اور بارش برسنے لگی۔ لیکن جناب کی توجہ سے کوئی نقصان نہ ہوا۔ اور سورج نکل آیا۔ یہ چشمہ کے کنارے بیٹھے۔ چشمہ سے ایک سیب ابھرا اور کنارے کے پاس پہنچا۔ حضرت نے اٹھا کر توبرے میں ڈال دیا۔ اور

چادر پہن کر چشمہ میں اترے۔ چشمے کے موکلوں میں ایک جماعت اکٹھے ہوئی۔ اور مسلمان ہو گئے۔ اور بیعت کا نوشتہ مانگا۔ حضرت بابا چشمہ سے نکلے۔ کچھ لفظ لکھ کر پانی کی سطح پر ڈال دیئے۔ اچانک ایک بڑے سانپ نے پانی سے سر نکالا۔ تین دفعہ جناب کی طرف سر جھکایا اور خطِ بیعت لے گیا۔ وہاں سے واپس آکر بابا ہردے ریشی کے فرمانے پر دو سو آدمی ساتھ لیکر داسک ناگ چشمہ پر گئے۔ اس کے مُوکلوں کی تلقین اور تربیت کی۔ اس چشمے سے واپس آکر بڑی جماعت ساتھ لیکر کاجی ناگ چشمہ پر گئے۔ چشمے میں اترے اور اس کے مُوکلوں کو مسلمان کیا۔ کہتے ہیں کہ چشمے سے نکلتے وقت چشمہ کے مُوکلوں نے ایک چھوٹا سا پیالہ اور ایک مٹی کی سربستہ ہنڈیا نذر کے طور پر پیش کی۔ جب اوپر لائے تو دونوں میں پیسے تھے۔ جن کی ایک طرف عورت کی تصویر تھی۔ دوسری طرف راجا ہرشہ دیو لکھا تھا۔ حسین علی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ وہ پیسے مدت تک میرے پاس موجود تھے۔ وہاں سے ڈیڑھ سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ کوہ شاردا پر گئے۔ جو دراغلہ میں واقع ہے۔ جب شالپوت ناگ چشمہ پر پہنچے۔ ایک شہزادہ نمودار ہوا۔ کہا میں شالپوت ناگ ہوں۔ اور یہ میرا وزیر نیلہ ناگ ہے۔ ہم جناب کے استقبال کو آئے ہیں۔ حضرت بابا نے پوچھا۔ شالپوت کا معنیٰ کیا ہے۔ کہا۔ دراؤ زبان میں شالپوت اس کو کہتے ہیں۔ جو ایک لاکھ بیٹوں کا باپ ہو۔ کوہستان داراؤ میں ایک لاکھ چشمے میرے بیٹے ہیں۔ دونوں نے بیعت لی اور غائب ہو گئے۔ اسی طرح اس ملک کے سارے چشمے جناب کی مریدی کے دائرہ میں آ گئے۔ اس کی کیفیت ان کے خلیفہ حسین علی نے جو ہر جگہ ان کے ساتھ تھا اپنی کتاب

تذکرۃ الابرار میں پوری طور پر لکھی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخ بابا داؤد خاکیؒ بلند مرتبہ صاحب حال وقال صوفی تھے۔ علم وفضل اور اجتہاد پر نظر رکھ کر کچھ ان کو امام اعظم ثانی کہتے ہیں۔ امر معروف اور نہی منکر کے اجراء میں سخت کوشش کرتے تھے۔ جس وقت قاضی موسیٰ یعقوب خان چک کے ہاتھ شہید ہوئے۔ آنجناب نے چکوں کے حق میں بد دعا کی کہ ان کے زوال کی پیشین گوئی کی۔ پھر حضرت خود بذات اور حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ، بہرام نیا یک، فتح خان چک اور حیدر خان یعقوب خان کا بھائی دہلی چلے گئے۔ اور اکبر بادشاہ کو کشمیر پر فوج کشی کرنے کی ترغیب دی۔ اور ایک عہد نامہ پر دستخط کئے۔ جب اکبر بادشاہ کی فوج کشمیر کی تسخیر کے لئے روانہ ہوئی حضرت بابا مرشدوں اور پیروں کی ملاقات کے لئے ملتان تشریف لے گئے۔ وہاں کی زیرتوں اور متبرک مقاموں کو دیکھنے کے بعد کشمیر واپس لوٹے۔ راستے میں ہی طبیعت ناساز ہوگئی۔ اور کشمیر پہنچتے ہی تین ماہ صفر ۹۹۴ھ کو اس دنیا سے کوچ کیا۔ تاریخ ''خیر مقدم ہے۔ اور ردی جنت بدید شیخ نم'' پہلے ان کا مقبرہ اسلام آباد میں مقرر ہوا تھا۔ پھر ان کے دوستوں اور عقیدت مندوں نے نعش مبارک کو شہر لاکر مرشد بزرگوار کے مرقد میں سپرد خاک کیا۔ بلند پایہ کے مصنف تھے۔ وردالمریدین اور اس کی شرح دستور السالکین، قصیدۂ جلالیہ، قصیدۂ غیلہ، رسالہ ضروریہ اور اس کی شرح مجموعتہ العنایدان کی تصنیفات میں سے ہیں۔

خواجہ اسحاق قاری

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ قاریؒ خواجہ حسن قاری کے بھائی حافظ قرآن مجید اور علم قرأت کے عالم تھے۔ شروع میں شیخ احمد قلندر سے جو ایک مجذوب بزرگ تھے، ملاقات تھی۔ اور ان کی تربیت سے بڑے فائیدے حاصل کئے۔ پھر حضرت سلطان العارفین کی خدمت میں آکر حلقہ مریدان میں داخل ہو گئے۔ تصوّف اور سلوک کے مشغل جو قلندر کے فرمانے کے موجب عمل میں لاتے تھے۔ ان کے زمانے میں ترک کئے۔ ایک دن کسی معمولی سی بات پر جناب حضرت مخدومؒ کچھ کوڑے مارے۔ خواجہ پروانہ کی اور نہ آزردہ ہوئے۔ حضرت شیخ نے قبولیت کی خوشخبری سنائی۔ بائیس برس شیوہ میں اپنے بھائی کے ساتھ عبادت و ریاضت میں خلوت نشین ہو کر گذارنے کے بعد حج کو گئے۔ اور ڈیڑھ برس خانۂ کعبہ کے مجاور رہنے کے بعد دنیا سے کوچ کیا۔ مزار بقیع میں دفن کئے گئے۔ حضرت محبوب العالم شیخ حمزہؒ مرشد بزرگوار کے حالات پر چل چلتہ العارفین ان کی تصنیف ہے۔

شیخ احمد چاگلی

کہا گیا ہے کہ شیخ احمد چاگلیؒ حضرت مخدومؒ کے خلیفوں میں سے تھے۔ انہوں نے خود فرمایا ہے کہ میں نے ایک رات خواب میں ایک پل دیکھا اور ایک شیخ پل کی تعریف کرتا تھا۔ اور کہا کہ پل حضرت مخدومؒ کا پل ہے۔ جب میں پل سے پار گیا۔ حضرت حمزہ کو ایک محل پر دیکھا۔ حضرت

نے آواز دی۔ ملا احمد اوپر آجاؤ۔ میں اوپر گیا اور مجھے اپنے پاس بٹھایا۔ دوسرے دن میں جب حضرت کی خدمت میں گیا تو انہوں نے میرے خواب کو ادھر ہی سے بیان کیا۔ اور فرمایا کہ اے ملا احمد تو نے مجھے بارگاہِ الٰہی سے قبول کیا گیا۔ آؤ اور بیعت کرو۔ اسی وقت نہا کے بیعت کر کے مریدوں کے زمرے میں شامل ہوا۔ لکھتے ہیں کہ شیخ احمد کو سلسلہ میں داخل کرنے کے بعد ''معرفت'' حاصل کرنے کیلئے خلوت نشینی کی تجویز ہوئی۔ حکم ملتے ہی ہرون کے پہاڑ پر چلے گئے۔ اور ایک گھپا میں تنہا نشین ہو گئے۔ چھ برس غار میں گذارے اور کسی آدمی کو منہ نہ دکھایا۔ درندے اور وحشی جانور دوست بنائے۔ چھ برس کے بعد حضرت مخدومؒ خلوت نشینی کی جگہ پر تشریف لے گئے۔ اور ان کو اپنے ساتھ موضع چاگل میں لائے۔ اور حکم دیا کہ جو چاہو گے اور جتنا چاہو گے کھاؤ۔ اب ان کی روزانہ خوراک چاول اور سبزی ترکاریوں کے دو من خالی تھی۔ کبھی جنگلی گائے خود بخود رسوئی خانہ میں آتی اور باورچی حلال (ذبح) کر کے اس کو پکاتا اور شیخ احمد ایک ہی دم میں سارا گوشت چٹ کر کھا جاتے تھے۔ اور خوراک کی اتنی مقدار کھانے پر نہ تو وضو کرنے کی ضرورت پڑتی اور نہ بیعت الخلا (پاخانہ) جانے کی۔ یہ حال چھ برس تک رہا۔ اور تمام لوگ حیران تھے۔ پھر سلطان العارفین نے اس کو اس مقام سے نکال کر بلند مقام کے راستے پر ڈال دیا۔ اور کمال کے درجے کو حاصل کر کے علاقہ مچھی پورہ کے گاؤں چاگل میں ارشاد کے مسند پر بیٹھ کر لوگوں کی رہبری اور فیض رسانی میں مشغول ہوئے۔ وفات پر ان کی نعش کو اسی گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا۔ رسالہ سلطانیہ کی کتاب حضرات مخدومؒ کے حالات میں ان کی تصنیف ہے۔

شیخ بایزید شمہ ناگی

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ حضرت شیخ بایزید شمہ ناگی اسلام آباد کے علاقے کے رہنے والے تھے۔ جب حضرت مخدومؒ کے مریدوں میں شامل ہوکر بیعت کی، ریاضت وعبادت میں تن ومن سے مشغول ہو گئے۔ حج کو جا کر مکہ میں خانہ کعبہ اور مدینہ روضہ مطہرہ کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔ ادائے حج کے بعد کشمیر واپس آ کر پرگنہ اُتر کے ایک گاؤں شمہ ناگ میں قرار پذیر ہو گئے۔ اور ایک کوٹھری میں جسکی کوئی کھڑکی نہ تھی، تنہا نشین ہو گئے۔ ایک دن حضرت مخدومؒ اسی جھونپڑی میں تشریف لائے اور اس کا حال دیکھ کر نہایت ہی خوش ہوئے۔ حضرت مخدومؒ کی واپسی پر ایک اخلاص مند نے جھونپڑی میں دروازہ اور کھڑکیاں لگوانے کی پیشکش کی۔ لیکن بایزید نے قبول نہ فرمائی۔ کہا حضرت مخدومؒ کو اسی صورت میں جھونپڑی پسند آئی۔ اس واسطے اس کو کسی طرح سے بدلا نہیں جا سکتا ہے۔ جب اس دنیا کو الوداع کہی۔ اسی گاؤں میں دفن کیے گئے۔ قدس سرہٗ۔

حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ قدس سرہٗ

علمائے سیر واخبار کا بیان ہے کہ حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ خاندان عاصمی کے شیخ حسن گنائی کے فرزند تھے۔ جو شہر کے امیروں، دولت مندوں اور شہریوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت صرفی کی پیدائش ۹۲۸ھ کے مہینوں میں مشہور ہے۔ بچپن ہی سے زیرکی، دانائی، تیز فہمی، سخن فہمی کے آثار ان کے ماتھے سے دکھائی دیتے تھے۔

سات برس کی عمر میں قرآن مجید کو زبانی یاد کیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا آنی کے شاگرد ہوئے۔ مولانا حضرت جامی کے شاگرد تھے۔ ان کی تیز طبعی اور خداداد فہم وفراست کے موجب مولانا انہیں جامی ثانی کے نام سے پکارتے تھے۔ ان کا لقب انہوں نے جامی ثانی رکھ دیا۔ ان سے استفادہ کرنے کے بعد ملا بصیر کی خدمت میں جاکر زانوی ادب تہہ کئے اور علم کے تمام شعبوں (مذہب، فلسفہ، منطق، نجوم، صرف ونحو، عروضی، تاریخ وسیر، طب، ریاجی، الہیات، بعد الطبیات وغیرہ وغیرہ) میں کمال حاصل کیا۔ حضرت ایشان کے نام سے یاد کئے جانے لگے۔ ایک دفعہ باپ سے اجازت لئے بغیر دوستوں کے ساتھ گاؤں کی سیر کو گئے۔ وہاں کوئی ناپسندیدہ کام ان سے سرزد ہوا۔ اس برے کام کا پتہ جناب کے والد کو لگا۔ انہوں نے لعنت وملامت کر کے گاؤں واپس بلایا۔ دوسرے دن صبح کی نماز میں حضرت ایشان نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوکر گر پڑے۔ لوگوں نے دیکھا ہے کہ ان کا پاؤں زخمی ہوا ہے۔ اور خون بہہ رہا ہے۔ کپڑے آلودہ ہوگئے ہیں۔ نماز دیگر (چار بجے) کے وقت ہوش میں آئے۔ اور حاضروں نے حال پوچھا۔ فرمایا جب میں نماز کی دوسری رکعت کے لئے اٹھا جناب حضرت امیر کبیر جلوہ گر ہوئے اور کوتوال سید محمد خلیل کو حکم دیا کہ اس بھگوڑے کا پاؤں کاٹ دو۔ تا کہ دوسری دفعہ بھاگ نہ جائے۔ سید خلیل نے میرے پاؤں میں تلوار کا زخم لگایا۔ ساتھ ہی التجا کی کہ اب یہ کبھی راہ حق سے نہیں بھاگے گا۔ دوسرے دن پھر بیہوش ہوگئے۔ ہوش میں آنے کے بعد فرمایا کہ میں نے ایک سرخرد اونچے قد والے بوڑھے کو دیکھا جس نے فرمایا کہ میں شیخ حسین خوارزمی ہوں۔ مجھے

حضرت امیر کبیر میر سید علی ثانی نے تمہیں تربیت کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم کو چاہئے کہ جلدی میرے پاس آکر اور النہر میں پہنچ جاؤ تاکہ تم کو تربیت کروں۔ (ماورالنہرہ ترکستان میں دریائے سیحوں اور جیحوں کا درمیانی علاقہ بخارا، سمرقند، تاشقند وغیرہ شہر اسی میں واقع ہے)

اس واقع کی رونما ہونے کے بعد حضرت ایشان استخارہ کے ارادے سے خانقاہ معلی میں خلوت بیٹھ گئے۔ وہاں جناب حضرت امیر کبیرؒ پھر جلوہ گر ہو کر حضرت ایشان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا اے فرزند میں نے تم کو مخدوم اعلم کے سپرد کیا ہے۔ جلدی ان کی خدمت میں جاؤ تاکہ ہمارے فیض و برکات کے وارث ہو جاؤ گے۔ بیدار ہوتے ہی سفر کا خیال پیدا ہوا۔ والدین اور استاد سے حقیقت بیان کی۔ وہ ٹالنے لگے اور رونے لگے۔ لیکن ان کی ممانیت کا کوئی اثر ان پر نہ ہوا۔ مصمم ارادہ کر کے اور چار ساتھی ہمراہ لیکر بانہال کے راستے کو کوچ کیا۔ کشمیر سے سمرقند تک سفر خطرات سے کب خالی تھا۔ لیکن راستے میں حل مشکلات کے جو واقعے ظاہر ہوئے وہ معجزوں اور کراماتوں سے کم نہ تھے۔ سمرقند پہنچے حضرت شیخ حسین خوارزمی کا پتہ دریافت کیا۔ جاکر دروازہ پر بیٹھے اور مجلس میں جانے کی جرأت نہ کی۔ حضرت شیخ نے دور ہی سے انہیں دروازہ پر دیکھا اور اندر بلایا، عنایت و مہربانی کے پورے انداز میں حال پرسی کی۔ سات خلیفے جو سات دروازوں پر مقرر تھے راہ خدا ڈھونڈنے والوں کو مرشد بزرگوار حضرت شیخ کے حکم سے تربیت کرتے تھے۔ حاضر ہو گئے۔ اور منتظر رہے۔ کہ اس نو وارد نوجوان کی تربیت کس کے سپرد ہوتی ہے۔ حضرت مخدوم اعلم نے فرمایا اس نوجوان کا کام ہی جدا قسم کا ہے۔ اس کو مجھ پر ہی

چھوڑ دو۔ حضرت مخدوم اعلم بذاتِ خود حضرت ایشان کی تربیت، تعلیم اور تلقین فرمانے لگے۔ ان کے ذمہ جنگل سے باورچی خانہ کیلئے جنگل سے لکڑی (بانس) لانے کا کام ہوا۔ جھاڑے کے موسم میں چلہ کشوں کے غسل خانوں کو صاف کرنے کی ڈیوٹی پر مامور ہو گئے۔ پھر حضرت مخدوم اعلم نے اپنی صحبت میں لے لیا۔ سلوک کے منزلوں اور مقاموں کو سخت ریاضت اور مجاہدہ کر کے یکے بعد دیگرے طے کرتے گئے۔ اور منظورِ نظر ہو گئے۔ دن دن حضرت مخدوم اعلم کی مہربانیاں اور عنایتیں ان پر بڑھتی تھیں۔ اور حضرت مرشد بزرگوار نے خلعت ارشاد سے انہیں نوازا۔ والدین کی جدائی اور وطن کی یادیں کبھی کبھی تو ستاتی تھی۔ ارشاد حاصل کرنے پر وطن آنے کی رخصت چاہی۔ اجازت عطا ہوئی، کشمیر آئے۔ یہاں پہنچ کر فیض کے دروازوں کو کھولا۔ سالکوں اور طالبوں کی ایک بڑی جماعت کو فیض پہنچایا۔ عام و خاص کو فائدہ پہنچا۔ جام عرفان کے پیالوں کی پیاس بجھائی۔ بہت مدت گزرنے پر دنیا کے مرشد کی قدم بوسی پھر حاصل کرنے کیلئے خراسان کو روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم اعلم زیارت حرمین شریفین (مکہ اور مدینہ) کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت ایشان نے اس حرکت کو شگون نیک سمجھا اور موقعہ غنیمت جان کر بغداد کے راستے قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ سفر میں ایک بیابان ایسا آیا جسمیں دو پڑاؤ تک پانی کا نام ونشان نہ تھا۔ قافلہ والے نہایت پریشان ہو گئے۔ حضرت ایشان کیمپ سے تھوڑا دور صحرا میں کھڑے ہوئے اور خداوند کریم کی بارگاہ میں دعا کی تو خدا کے فضل و کرم سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ اور قافلہ والے سیراب ہو گئے۔ ایک دن

خرچ راہ کے لئے رفیقوں کے پاس کوئی پیسہ نہ تھا۔ حضرت ایشان ایک پتھر کو راستے سے اٹھایا۔ ان کی دعا کی برکت سے پتھر کو سونا بنا۔ اور فروخت کر کے خرچ راہ میں صرف کیا۔ اس سفر میں بھی حضرت ایشان کو بزرگوں کی ملاقاتوں سے کمال درجہ کا روحانی فائدہ حاصل ہوا۔ ان میں سے دو واسطوں سے شیخ ابو سعید معمر حبشی کا مصافحہ شہر، مقدس اصغریہ کی زیارت، شیخ ابن حجر مکی سے مختلف روایتوں سے حدیث کی سند کو، حضرت امام ابو حنیفہ کا چوغہ، حضرت بایزید بسطامی کی کلاہ مبارک اور حضرت امام موسیٰ علیؑ کا عصائے مبارک حاصل کرتے ہیں۔ شیخ سلیم چشتی کی ملاقات اور اس طریقے کی اجازت ان سے لینا اور دوسرے عطیئے جن کی تفصیل ان کے خلیفوں نے اپنی کتابوں میں دی ہے۔ فتوحات سفر میں شامل ہیں۔ اس سفر سے جب حضرت ایشان واپس کشمیر پہنچے چکوں کی حکومت کا دبدبہ اور غلبہ تھا۔ شیعوں کے مذہبی فساد نے کشمیر کے لوگوں کو پریشان کر دیا تھا۔ حضرت ایشان اس کی روک تھام کی فکر میں پڑھ گئے۔ اور کیا کیا باطنی طور پر کوشش میں لگ گئے۔ حضرت ایشان نے یہاں کے کچھ رئیسوں اور بابا داؤد خاکی کو اپنے ساتھ متفق کر کے اکبر بادشاہ کے پاس جانے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ان کی سرگرگی میں یہ وفد ہندوستان روانہ ہوا۔ اکبر بادشاہ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اور ان کی اطمینان دہی پر فوج شاہی ساتھ لے کر کشمیر آئے۔ اور کشمیر چکوں کے ہاتھ سے نکل کر اکبر کی سلطنت میں شامل ہوا۔ حضرت ایشان نے مخالفوں کو ہٹانے اور لوگوں کو امن وامان سے بسانے کے بعد پھر حج کا اردہ کیا۔ دہلی میں حضرت شیخ احمد سرہندی سے ملاقات ہوئی۔ ان کو طریقہ کبرویہ کی اجازت بخشی۔ زیارت

بیت اللہ اور روضہ مطہرہ کر کے جلدی واپس آئے۔ اور تفسیر حدیث کی وہ کتابیں جو یہاں کسی کے پاس موجود نہ تھیں جمع کر کے ساتھ لائیں۔ ان کی کراماتوں میں لکھتے ہیں کہ آنجناب کو ہندوستان کے سفر میں ایک لڑکے کے ساتھ دل لگی اور عنایت کی نظر تھی۔ کسی نے مذاق اور مخول کے طور پر اس کو کہا کہ حضرت ایشان سے کیمیا گری کا ہنر سیکھو۔ لڑکے نے اس بات کا اظہار حضرت ایشان کے پاس کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ میں تو کیمیا گری نہیں جانتا ہوں۔ البتہ مٹی کو نظر سے سونا بنا سکتا ہوں۔ مٹی کا چھوٹا سا ڈھلان پانی میں۔ لے کر لڑکے کے ہاتھ میں دے دیا تو یہ سونے کا ڈھیلا تھا۔ دوستوں میں سے ایک دوست کی عجز زاری اور اصرار پر حضرت ایشان نے ایک پتھر کے ٹکڑے پر نظر ڈالی۔ پتھر کا ٹکڑا سونا بن گیا۔ ان رفیقوں میں سے کئی ایک کی روایت ہے کہ جب ہم آگرہ میں تھے۔ حضرت ایشان کو قیلولہ (چاشت کا کھانا کھانے بعد کی نیند) میں ایک سخت تھرتھراہٹ سی ہو گئی۔ اور ساتھ ہی ان کے جسم مبارک پر ایک سفید کپڑا نمودار ہو گیا۔ جب حضرت بیدار ہو گئے تو فرمایا آنحضرت ﷺ اور حضرت مخدوم اعلم جلوہ گر ہو گئے۔ حضرت مخدوم نے نبی کریمؐ کی خدمت میں عرض کی کہ یہ میرا صادق مرید ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا جامہ مبارک ان کے ہاتھ میں دے کر فرمایا۔ یہ کرتہ اس فرزند کو دے دو۔ میں نے جامہ مبارک پہن لیا اور مجھے خوشخبری کی بہت سی باتیں بتائیں اور میں بیدار ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ جامۂ مبارک اس دنیا سے جاتے وقت تک حضرت ایشان کے پاس موجود تھا۔ آخر پر خواجہ حبیب اللہ کو بخشدیا۔ انہوں نے اپنے خلیفہ زین الدین علی دار کو عطا کیا۔ شیخ عبدالوہاب نوری

فرماتے ہیں کہ میں نے اس جامہ مبارک کی زیارت کی ہے۔ اور وہ مقدس جامۂ مبارک زین علی دار کے پوتوں کے پاس موجود ہے۔ جس کو وہ عرس کے دن لوگوں کو تبرکاً دکھاتے ہیں۔ ایک دن حضرت ایشان تقریباً سو دوستوں کو ساتھ لیکر ایک درویش کی ملاقات کو گئے۔ درویش ایک سیر چاول پکائے تھے۔ وہی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت بِسْمِ اللہ کہ کر خود تقسیم کرنے لگے۔ اور سبھوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ ایک دن اسی طرح دس بارہ آدمیوں کا کھانا باورچی خانہ میں موجود تھا۔ آتے آتے دوسو کے قریب مسجد میں جمع ہو گئے۔ حضرت نے کھانا منگوایا اور خود تقسیم کیا۔ دوسو آدمیوں نے سیر ہو کر کھایا۔ یہ ہیں حضرت ایشان کے کمالات اور فیوض و برکات کے خزانے میں معمولی سے نمونے۔ غرض یہ کہ حضرت ایشان کی زندگی ہوش سنبھالنے وقت سے آخری سانس تک شریعت کی اشاعت اور معرفت کی قیادت کے لئے وقف بھی۔ لوگوں کی دینی اور دنیاوی بہتری کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہا اور فیض رسانی میں بہت ہی کوشش کی۔ بارہ ذیقعدہ ۱۰۰۳ھ کی تاریخ پر دنیا فانی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کر کے رفیق اعلیٰ کے پاس جا پہنچے۔ محلّہ زینہ کدل میں دریا کے مغربی کنارے کے متصل جسم عنصری پردہ خاک مین چھپا ہوا ہے۔ حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفیؒ کا شمار بہت بزرگ صوفیائے کرام ہی میں ہی نہیں بلکہ چوٹی کے عالموں میں اور بلند پایہ شاعروں میں، فارسی شعر گوئی میں انہیں جامی ثانی کا لقب ملا تھا۔ ایران کے شاعروں کو ان کے سامنے سر تسلیم خم تھا۔ نثر اور نظم میں کامل دستگاہ اور قدرت رکھتے تھے۔ صرفیؔ تخلص کرتے تھے۔ تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی ہے۔ ان کا کلام

معرفت اور حقیقت سے لبریز ہے۔ نازک خیالی اور بلند خیالی میں کبھی کبھی اتنے شکل پسند واقع ہوئے ہیں۔ کہ سخن فہم بھی آسانی سے معنی کو درستی سے نہیں پاسکتا تھا ان کی بے شمار تصنیفات ہیں:۔ تفسیر قرآن مجید نہایت مسبو طریقہ پر شروع کی تھی۔ جو پوری نہ ہوئی مسلک الاتیار۔ وامق وعزار لیلا مجنوں مغازی النبی مکانات مرشد پانچ کتابیں۔ حضرت مولانا جامی کے خمسہ کے مقابلے میں مناسک حج، شرح صحیح بخاری حاشیہ توضیح وتلویح، قرآن کریم کے آخری دو پاروں کی تفسیر شرح رباعیات، رسالہ اذکار کنز الجواہر چہار رسالہ دیوانی، قصائد، غزلیات، لغت اور منقبت وغیرہ وغیرہ۔ تاریخ وفات: شیخ اہل مسجد اور فخر الانام ہیں۔

گفت جی بسال تاریخش پنج و ہفتا دسالہ آتشہ

میر محمد خلیفہ

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ حضرت میر محمدؒ حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ کے برگزیدہ خلیفوں میں سے تھے ان کا باپ یوسف میر یعقوب خان چک کا وزیر تھے۔ یعقوب خان شیعہ مذہب کا تھا اور سنیوں کو بہت ستاتا تھا کہتے ہیں کہ جب شیعوں نے غلبہ پایا تو سنی عالموں اور امیروں کو رنگ رنگ کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا چنانچہ اکثر امیر اور عالم یہاں سے ہجرت کر گئے۔ ایک دن یعقوب خان نے یوسف میر سے کہا کہ سنی رئیسوں کا تدارک کس طرح کر سکیں گے اس نے جواب دیا کہ میرا بیٹا محمد میر بہت بہادر اور دلاور ہے۔ اس کے ہاتھ سے شیخ یعقوب صرفیؒ کا کام ختم ہوگا پھر دوسرے لوگوں کا ڈر اور اندیشہ نہیں یعقوب نے میر کو عہدہ

بڑھانے کا وعدہ کیا اور حضرت ایشان کے قتل پر آمادہ بنایا جب محمد میر موقعہ پر پہنچے تو حضرت ایشان نے سر مبارک کو مراقبہ سے اٹھا کر اس پر نظر ڈالی اس کے ہاتھ پاؤں سن ہو گئے بدن تھرتھرایا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ گھنٹہ بھر کے بعد ہوش میں آیا ان کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا۔ مریدوں میں شامل ہوا اور بیعت لینے کی درخواست کی تمام مال و دولت کو مسکینوں اور محتاجوں کے لئے وقف کر دیا اور خلیفہ لقب پایا ۔شیعوں کو معاملہ کی خبر ہوئی اور ان کو ستانے لگے یہ کریری چلے گئے اور حضرت ایشان کے ایک مرید میر حمزہ کے گھر میں چھپے رہے۔ سلوک کے ابتدائی ایام میں نیند کے ڈر سے ایک ستون پر ساری رات یاد خدا کرتے تھے۔ جاڑے اور گرمی میں سوت کے ایک کرتہ کے بغیر اور کچھ نہیں پہنتے تھے۔ جب حضرت ایشان مرشد بزرگوار کی ملاقات کے لئے خراسان روانہ ہوئے میر محمد کو ارشاد کا خلعت پہنا کر خلافت کے مسند پر بٹھا دیا اور خلیفہ در گجن پل کی خانقاہ میں بیٹھ کر لوگوں کو ہدایت اور فیض رسانی کرتے رہے کچھ مدت کے بعد ملا رٹہ آ کر سکونت کرنے لگے اتفاقی طور پر واقعات کچھ ایسے پیدا ہو گئے۔ کہ سلطان ابدال پکھلی کے حکمران سلطان حسین کا بھائی ان کا مرید ہو گیا اور اس نے خلیفہ سے پکھلی آنے کے لئے التماس کی۔ خلیفہ نے مولانا شریف خادم، میر باقر اور میر حمزہ کریری کو سلطان ابدال کے ساتھ پکھلی روانہ کیا پھر سلطان نے بذات خود تشریف لانے کے لئے نہایت منت و سماجت کی اور خلیفہ مجبور ہو کر پکھلی روانہ ہو گئے سلطان نے خدمت گزاری کے سارے درجے بجا لائے۔ ان کے احکام کے تعمیل کمر بستہ ہو کر کرتے رہے۔ ان کے خدمت گزاروں کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی

حضرت خلیفہ نے زندگی کے باقی ایام وہیں بسر کئے۔ اور بہت سے لوگ ان کی تربیت سے انسان کامل کا مرتبہ پا گئے۔ اور اکثر مریدوں کو ان کی خلافت کا فخر حاصل ہوا۔ چار محرم الحرام ۱۰۱۵ھ کو کل نفسٍ ذایقتہ الموت کا جام نوش کیا پکھلی میں دفن ہوئے۔

(ماخوذ از تذکرۃ الاولیاء کشمیر وغیرہ)

حضرت خواجہ طاہر رفیق

علماء تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ طاہر رفیقؒ اشائی خاندان سے تھے۔ شروع میں اُویسی تھے۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات سے فیض یاب ہوئے تھے۔ بارہ برس تک بزازی کی دکانداری یونہی کرتے تھے۔ مال کی بکری کی طرف چنداں توجہ نہ تھی۔ ان کے والد کو کچھ وسوسہ سا پیدا ہو گیا۔ اور دکان کی پڑتال کی دیکھا کہ صندوق اور برتن روپیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ ان کے والد خواجہ ابراہیم اشائی تجارت کیلئے لاہور چلے گئے۔ ان دنوں میں شیخ عبدالشکور جو مخدوم بہاؤالدین زکریا ملتانی کے پوتوں میں سے تھے۔ لاہور تشریف لائے۔ ان کی بزرگی اور ولایت کا شہرہ لاہور میں ہو گیا۔ خواجہ ابراہیم بھی ملاقات سے سرافراز ہوئے۔ ایک دن خواجہ ابراہیم نے شیخ عبدالشکور کو ڈیرہ پر آنے کی دعوت دی۔ اور حضرت شیخ معہ یاروں کے تشریف لے گئے۔ ضیافت تناول فرمانے کے موقعہ پر خواجہ ابراہیم نے ایک عجیب وغریب تحفہ حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت شیخ تحفہ دیکھ کر نہایت خوش ہو گئے۔ اور فرمائے۔ خواجہ ہم سے بھی کچھ مانگو۔ خواجہ نے عرض کی کہ کشمیر میں میری

بیٹی بیمار رہتی ہے اس کے حق میں دعاء خیر فرمائیں۔ حضرت شیخ نے دعا کی اور فرمایا۔ یہ کون سا مشکل کام تھا۔ اس سے بہتر کوئی چیز مانگو۔ التماس کی جو کچھ عنایت ہو۔ مجھے قبول ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ کتنے بیٹے رکھتے ہو۔ عرض کی دو بیٹے۔ فرمائے جو خواجہ طاہر ہے۔ اس کو میں اپنا خلیفہ بناتا ہوں۔ خواجہ نے کہا۔ حضرت وہ تو کشمیر میں ہے۔ شیخ مسکرائے اور خواجہ نے اپنے بیٹے خواجہ طاہر کو مجلس میں دیکھا۔ شیخ عبدالشکور نے خط ارشاد، اسناد، اذکاروں میں بیٹھنے کے طریقوں کی تعلیم وطریقت کے قائدے اور مسلے، خلوت نشینی کے اداب، طالبوں اور مریدوں سے بیعت لینے کی اجازت تحریر کر کے خواجہ ابراہیم کے حوالے خواجہ طاہر کو پہنچانے کیلئے کئے۔ اور فاتحہ پڑھ کر دعا کی۔ اپنی تسبیح (مالا) اور خرقہ (گدری) بھی دیدیئے۔ اور فرمایا میں مشکلات کے وقت ہر وقت اس کے پاس حاضر ہوں گا۔ خواجہ ابراہیم جب کشمیر واپس آیا۔ تو اس نے خواجہ طاہر کو امانت کی چیزیں دے دیں۔ خواجہ طاہر کا حال یہ عطیہ وصول کرتے ہی کچھ سے کچھ ہوگیا۔ تحائف لیتے ہی مجاہدہ کے منزل سے مشاہدہ کے مقام پر پہنچ گیا۔ اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا۔ سلوک میں یہ مرتبہ حاصل ہونے کے بعد بھی حضرت خواجہ بزازی کی دکان پر بیٹھتے تھے۔ ایک دن حضرت خضر علیہ السلام نے اشارہ دیا۔ سب سے بُری جگہیں بازار ہیں۔ حضرت خواجہ نے دکان چھوڑ دی اور وانی گام جا کر جہاں ان کی اپنی زمین تھی کاشتکاری کرنے لگے۔ حضرت خواجہ طاہر کو حضرت مخدومؒ، شیخ یعقوب صرفیؒ میر بابا والی اور بابا ہردے ریشیؒ کے ساتھ دوستی تھی۔ سلسلہ سہر دریہ، نقشبندیہ، کبرویہ اور قادریہ میں ممتاز تھے۔ حضرت سلطان العارفین فرماتے تھے کہ حضرت

خواجہ طاہر نے سرمایہ کو خزانے میں جمع کر کے محفوظ رکھا۔ میں زمیندار تھا۔ میں نے خرچ کیا۔ حضرت خواجہ فرماتے تھے مجھے بارگاہ الٰہی سے بخشائش عطا ہوئی۔ میں نے اسی طرح محفوظ رکھیں۔ حضرت مخدومؒ نے تجارت کر کے اس کو بڑھایا۔ حضرت مخدومؒ فرماتے تھے کہ میں نے اور اس نے (خواجہ طاہر نے) مساوی درجے کی خدمت کی۔ مجھے تو صرف مزدوری دی گئی اور اس کو ایک تو مزدوری ملی اور پھر انعام ملا۔ کچھ مورخوں کا خیال ہے۔ کہ حضرت خواجہ کچھ مدت کیلئے قطب الاقطاب تھے۔ (وقت کے مالک کل تھے۔) ایک دن یعقوب خان چک ان کے پاس آیا۔ راستے میں نوکر کو کہہ کر رکھا کہ جب میں اشارہ کروں تو حضرت خواجہ کو قتل کرنا۔ یعقوب خان حضرت خواجہ کے پاس اندر چلا گیا۔ انہوں نے برتن میں کچھ انڈے لاکر اس کے سامنے رکھ دیئے اس نے انڈوں کو چھلکا اٹھانے کے بغیر ہی کھا لیا اور رخصت چاہی باہر آ کر نوکر نے پوچھا؟ آپ کیوں پیلے پڑ گئے ہیں اور آپ نے اشارہ کیوں نہ کیا کہا میں نے مجلس میں ایک منہ کھولے ہوئے شیر کو دیکھا اور میں سخت ڈر گیا کہ مجھ پر حملہ نہ کرے۔ ایک دن ملک مسعود کی مسجد کے امام نے ان کے پاس تنگ دستی کی شکایت کی انہوں نے فرمایا۔ لوگوں کے خوابوں کی تعبیر بتایا کرو۔ اسی وقت اس کے خوابوں کی تعبیر بتانے کا ملکہ پیدا ہو گیا۔ اور لوگوں کے خوابوں کی تعبیر بتانے لگے۔ افلاس دور ہو گیا۔ ایک دن اشائی مسجد کے امام نے آزمائش کے طور پر عرض کی کہ مجھے کوئی چیز عطا کریں جس سے مردہ زندہ ہو جائے حضرت خواجہ نے اپنی چٹائی کا ایک تنکا کاٹ کر دیا۔ اس نے ٹھٹھا سمجھ کر پگڑی میں رکھا اور جناب سے رخصت لے کر نکلا۔ کچھ قدم چلتے ہی

راستے میں ایک مری ہوئی چڑیا نظر آئی۔ تنکا پگڑی سے نکال کر اس پر رکھ دیا۔ چڑیا زندہ ہوگئی اور تنکے کو چونچ میں لے کر اُڑ گئی۔ امام صاحب حیران ہو کر دیکھتے ہی رہ گئے۔ لکھتے ہیں کہ ان کے ایک اخلاص مند نے اپنے حال کی سختی اور تنگدستی کا گلہ ان کی خدمت میں آکر کیا۔ انہوں نے فرمایا شام نماز کے سجدے میں آج کے دن سے تم کو روزانہ ایک ایک اشرفی ماتھے کے نیچے ملتی رہے گی اسی کو عیال پر خرچ کیا کرو۔ دوسرے دن کے لئے اس میں سے کچھ بھی نہ رکھو۔ مدت تک اشرفی (سونے کا پونڈ) ملتی رہی۔ ایک دفعہ اس نے پامپور سے زعفران کی کچھ کیاریاں خرید لیں۔ سجدے میں اسی شام سے اشرفی بند ہوگئی۔ شیعہ حاکموں کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے دنوں اس ملک کے اکثر عالم اور فاضل صالح اور بزرگ یہاں سے ہجرت کر گئے۔ حضرت خواجہ شہر چھوڑ کر مراج کے کوہستانوں میں ۹ برس رہ کر گوشہ نشینی کرتے رہے۔ اس علاقے کے بے شمار لوگ ان کے فرمانبردار اور مرید ہوگئے۔ کچھ مدت لورہ گام، کولی اور میر میں گزارا۔ یہ پرگنہ اولر کے گاؤں ہیں۔ اور کچھ مدت پرگنہ کوٹھار کے گاؤں سامورن میں گزارا۔ اور پھر شیخ یعقوب صرفیؒ اور بابا داؤد خاکی کے ساتھ شاہ آباد پہنچے۔ اور آدرسہہ کے گھر میں جو اس علاقے کا رئیس تھا کچھ دیر ٹھہرے۔ آدرسہہ مسلمان ہوگیا۔ یہاں سے شیخ یعقوب صرفی اور بابا داؤد خاکی اور یہاں کے بڑے بڑے رئیس ہندوستان گئے۔ اور اکبر بادشاہ کی فوج ساتھ لا کر کشمیر آئے۔ اور ملک کو شیعوں (چکوں) کے ہاتھوں سے چھڑا دیا۔ لکھتے ہیں ہجرت کے موقعہ پر جب اولر کے علاقہ میں تنہا پہنچے تو کاٹنے والی ایک جھاڑی کے نیچے چالیس دن خلوت نشیں ہو

گئے۔ اکتالیسویں دن ایک صاف دل اور روشن ضمیر بوڑھے نے بہت دور ٹیلے پر نور کی روشنی چمکتی ہوئی دیکھی۔ یہ دوڑتا ہوا موقعہ پر پہنچا۔ اور حضرت خواجہ کو خاردار جھاڑی سے نکال کر اپنے گھر لایا۔ جہاں انہوں نے چھ مہینے گذارے۔ ایک دن نہر کے کنارے وضو کرتے تھے۔ آدھی جلی لکڑی بہتی ہوئی آئی۔ انہوں نے اُٹھا کر کنارے رکھ دی۔ درویش بوڑھا وہیں تھا۔ اس نے التماس کی اس کو اپنے ہاتھ سے لگائیں۔ اس کے کہنے پر حضرت خواجہ نے لکڑی کو زمین میں گاڑ دیا۔ وہ چنار آج تک سرسبز ہے جب۔ شیعوں کے غلبہ کا خاتمہ ہو گیا۔ جناب شہر آگئے۔ اور فتح کدل میں سکونت اختیار کی۔ لوگوں کو ظاہری اور باطنی فیض پہنچانے میں مشغول ہو گئے ۹۹۶ھ میں ایک خانقاہ تعمیر کی اور لنگر جاری کیا۔ غرہ ماہ ذالحجہ ۱۰۰۱ھ میں رحلت فرمائی اور فتحکدل میں دفن ہوئے۔ جہاں ان کی زیارت مشہور ہے۔ ''شیخ الاولیاء اور شیخ کامل'' تاریخ وفات ہے۔

(ماخوذ از تذکرہ اولیاء کشمیر وغیرہ)

مغلوں کا دور!

مغلیہ عہد کے مختصر حالات اور واقعات

کہا گیا ہے کہ کشمیر جنت نظیر کو تسخیر کرنے کے بعد اکبر بادشاہ سترہ سال تک زندہ رہا اور اس کے عہد میں کئی ناظم یہاں آئے جن میں قاسم خان میر بحر، مرزا یوسف خان، محمد قلی خان، اور مرزا علی اکبر خان مشہور ہیں اکبری عہد میں یہاں ایک عظیم قحط پڑا جس سے بکثرت لوگ مر گئے اسی کی حکومت میں چکوں نے چھینی ہوئی حکومت پھر پانے کے لئے ہاتھ

مارے پاؤں اور چھوٹے چھوٹے حملے بھی کئے تھے۔ بلکہ یعقوب چک نے جان توڑ کر کوشش کی تھی مگر فضول اسی عہد میں فتنہ مرزا یادگار بھی تاریخ میں ثبت ہو چکا ہے۔ وہ شخص مرزا یوسف کے بنی اعمام میں سے تھا اور سوپور میں بغاوت کا جھنڈا لہرا دیا تھا۔ لیکن اسکا سر کاٹ کر بادشاہ کو کشمیر میں ہی پیش کیا گیا تھا اسی زمانے میں اکبری ناظموں کے ساتھ راجہ ٹوڈرمل بھی کشمیر آیا۔ جو یہاں پہلا سٹلمنٹ آفیسر تھا اور اسی نے سب سے پہلے یہاں بندوبست اراضی کیا اس نے مالیہ وغیرہ کے قواعد وضوابط تشکیل دئے۔ اسی عہد میں کوہ ماران پر ایک قلعہ اور پھر اس کے گرداگرد پتھروں کی فصیل بھی بنائی گئی تھی جو آج تک موجود ہے۔ اکبر بادشاہ ۱۰۱۴ھ میں مر گیا۔

۲:۔ شہزادہ سلیم جہانگیر کے لقب سے تخت ہند پر بیٹھا۔ اس نے باپ کے عہد میں ہی کشمیر کی سیر و سیاحت کی، اور بادشاہ ہو کر بار بار آیا کرتا تھا۔ یہاں عدل و انصاف سے لوگوں کے دل جیت لیتا تھا۔ اس نے یہاں باغات لگوائے اور تعمیر کروائے تھے۔ اس کے عہد میں جو ناظم آئے تھے۔ ان میں نواب قلیچ خان نے نظم ونسق کے ساتھ ساتھ ترویج اسلام اور رعیت پروری کی مثالیں بھی قائم کی تھیں اس کے بعد نواب خان آیا اور پھر صفدر خان انہوں نے بھی عدل وانصاف سے لوگوں کو خوش کیا۔ نواب احمد بیگ خان نے رفاہ عامہ کے لئے کافی کام کئے تھے۔ تاہم اس کی نظامت میں اس سرزمین پر قہر الٰہی نازل ہو چکی تھی۔ پہلے شدید قحط پڑا اور پھر طاعون پھوٹ پڑی تھی اس وبائی بیماری میں یہاں اتنے لوگ مر گئے تھے۔ کہ تجہیز وتکفین بھی محال ہو گیا تھا۔ حسن شال شہر کا ایک دولتمند امیر

تھا اس کے گھر کے تمام افراد اور دیگر متعلقین لقمہ ءاجل بن گئے تھے۔ اس کے پاس مال ومتاع کے علاوہ کافی مویشی بھی تھے۔ جو مالک نہ ہونے کی وجہ سے جنگلوں میں باغی ہو کر پھرتے جا رہے تھے۔ وہ بیماری برابر چالیس دن تک جاری رہی اور دلاور جان ناظم ہو کر آیا تھا۔ لوگ ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے بلکہ اہل تشیعہ اب بھی تعصب سے باز نہ آئے تھے اور وہ بدستور رسول ﷺ کے اقربا اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سب وشتم دیا کرتے تھے۔ ان کے حق میں بے ادبی کے الفاظ بولا کرتے تھے۔ رات کے وقت لوگوں کے دروازوں پر چپکے سے کچھ ایسی دلخراش باتیں کہہ دیا کرتے جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کو سخت ناپسند اور ناگوار تھیں، اس لئے قہر الٰہی کا بادسموم پھر سے جھومنے لگا۔ اور ایک شدید آگ کا ظہور ہوا تھا جس سے تقریباً گیارہ ہزار گھر جل کر راکھ ہو گئے ان میں جامع مسجد بھی تھی۔ چونکہ ان دنوں بادشاہ خود کشمیر میں تھا اس لئے اس کی حفاظت کا بھرپور انتظام بھی کیا گیا تھا مگر تقدیر نے اپنا کام کر ہی لیا تھا۔ حیدر ملک اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ اہل سنت نے خانقاہ جڈی بل کے جل جانے کی تہمت میں مجھے اور میرے خاندان کو پکڑا کہ تم لوگوں نے جامع مسجد کو بدلے میں جلا دیا ہے۔ شکایت بادشاہ تک پہونچائی گئی تو انہوں نے مسجد شریف کے تعمیر نو کا بوجھ میرے کندھوں پر ڈال دیا۔

اس کے بعد ملک محمد ناجی نے زبردست کوشش کی کہ مسجد کو اپنی اصل تعمیر کے مطابق ہی مکمل کر دیا جائے اور ایسا ہی کیا گیا تھا۔ جامع مسجد مکمل ہوئی تو شاعروں نے اس کی تعریف وتوصیف اور اس کی تصویر کشی یوں کی ہے۔

تحسین مسجد جامع ز شاہ اسکندر ثانی
عمارت یافت ونگہ سوختہ از تقدیر سبحانی
دگر بارہ حسن شاہ آنکہ بود از نسل پاک او
بشد بانی ایں مسجد ہم از توفیق ربانی
ولیکن از دو جانب بے ستوں آراستہ بے شقفش
ز ابراہیم احمد ماگرے شد راست تا دانی
ز ہجرت نہفقد و نہہ بود تا دور محمد شاہ
کہ ایں جنت سرا شد زینت دین مسلمانی
بتاریخ ہزار و بست نہہ از ہجرت سید
بروز عید روزہ سوختہ در نوبت ثانی
ملک حیدر رئیس الملک در عہد جہانگیری
نہاداز نو بنائیش باز روز عید قربانی
چو تاریخ بنائیش جنت گفتا رہاتف غیبی
نہاد از نو اساسش بارگاہ عید قربانی

دلاور خان کے بعد ارادت خان آیا اور دو سال تک حکومت کی۔اس نے ناوہ پورہ سومتی بٹن یار کے مغرب میں ایک جگہ قریش مرگ کے پاس ایک عمارت بنوائی جس کے مشرق میں ایک باغ بھی لگوایا اس میں برج زینے، اور پایہ سنگین بناڈالے چونکہ اس زمانے میں عمارتیں اکثر لکڑی کی بنائی جاتی تھیں۔اس لئے وہ عمارت ایک عجوبہ خیال کی جاتی تھی کیونکہ عمارت کے پنجرے بھی کچھ اس قسم کے تھے۔جو کہیں اور نظر نہ آتے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی لئے اس کاریگر نجار کے ہاتھ کاٹ دئے گئے تھے تاکہ

وہ کسی اور جگہ ایسی عمارت نہ بنا سکے مگر اسے صلہ بھی کافی دیا گیا تھا۔اب نواب اعتقاد خان ناظم بن کر آیا تھا۔اور پونچھ کو فتح کیا وہاں ایک جامع مسجد بھی بنائی تھی وہ بھی حیدر ملک کے اہتمام سے ہی بنی تھی۔اس ناظم کے عہد حکومت میں چکوں کا مکمل صفایا کیا گیا تھا۔جہاں بھی ان کی بستی کا پتہ چلتا تھا وہاں سے پکڑ کر لائے گئے اور فوج قتل کر دیے گئے تھے اس نے چکوں کو شالی کے دانوں کی طرح چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا یہاں تک کہ انہوں نے ملک گیری کا ہوس چھوڑ کر گمنام زندگی بسر کی اور وہ بہادری کے داعیہ سے یکسر دست بردار ہو گئے پھر وہ اپنی اصلیت پر آئے اور خدمتگاری کا پیشہ اپنایا ، حمالی مزدوری اور زراعت کے کاموں میں جٹ گئے تھے۔غرض اعتقاد خان کے کام یہاں ضرب المثل بن گئے۔اس ناظم نے لچمہ کول کی مرمت کرائی تھی اور جامع مسجد کلاں کے محلات تک پانی کا انتظام کرایا۔جڈی بل ویران پڑا تھا۔اسے پھر آباد کیا شمس عراقی کی سوختہ خانقاہ کو پھر سے بنوایا۔

جہانگیر سات دفعہ کشمیر آئے تھے اور آکر یہیں راجوری میں انتقال کیا تھا، یہ ۱۰۳۷ھ تھا۔

۳:۔شہزادہ خرم شاہ جہاں کے لقب تخت پر بیٹھا تھا۔ظفر خان کشمیر کا ناظم بنا اور سترہ سال کے بعد جامع مسجد کو پھر سے تعمیر کر ڈالا۔اسی سال بادشاہ بھی کشمیر آیا تھا۔ظفر خان ایک عیاش مگر خوش خلق ناظم تھا اس نے موضع بریہ وارہ میں باگ ظفر آباد۔اور تبتیوں کے پل کے نزدیک ہی باغ گلشن بھی بنا دیا تھا۔ان باغون میں قسم قسم کے پھل اور پھول ولایت سے لا کر نہال کیے تھے جن میں گل زنبق گلاب گلاس وغیرہ مشہور ہیں اس سے

پہلے یہ پھول یہاں نہیں تھے۔اس نے اکثر بدعات سلطانی اور مظالم اعتقاد خانی کو بھی دور کیا تھا۔

ان فرمانوں کو جامع مسجد کی پتھر پر کندہ کرایا تھا اس کے عہد میں شیعہ سنی جھگڑا بھی ہوا تھا۔جس کا آگ مائسمہ میں بھڑک اٹھا اور پورے شہر میں پھیل گیا تھا۔

مائسمہ کے مادان میں ایک توت زار تھا اور کافی لوگ توت کھا رہے تھے جن میں شعیہ اور سنی دونون شامل تھے۔کسی بات پر نزاع ہوا اور شعیوں نے بے خوف ہو کر گالی گلوچ دینا شروع کیا سینوں نے قاضی ابوالقاسم کے پاس جا کر دعویٰ درج کیا اور سابیوں کی اعلام شرعی پالیا مگر ناظم نے اس کی طرف خاص توجہ نہین دی تھی اس لئے لوگ شورش میں آگئے تھے اور قاضی کو بھی مداہنہ کی تہمت لگائی تھی پھر لوگ خواجہ خاوند نقشبندی علیہ الرحمہ کے پاس گئے تھے۔انھوں نے حاکم شرع اور ناظم مملکت دونوں کے پاس پیغام بھیجے تھے۔مگر ناظم نے ان کی طرف اپنی افتادگی ظاہر کی۔ لیکن جب سابیوں کو کوئی تنبیہہ نہ کی گئی تھی تو خواجہؒ ہفت چنار میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ناظم نے ان کو منت سماجت سے واپس شہر لایا تھا اور سابیوں کو سخت سزا دی تھی۔تاہم ظفر خان نے خواجہ علیہ الرحمہ کی شکایت حضور میں لکھ بھیجی تھی اور ان کو طلبی کا حکم ہوا تھا، وہ اکیلے گئے اورہفت چنار میں منزل کیا تھا۔جہاں شہر کے روساء کی ایک جماعت بھی ان کے ساتھ ملی اور ہمراہ چلی تھی۔زیارت کے بعد شاہ جہاں کے حکم سے پھر وہیں بس گئے تھے۔اور لاہور میں متوطن ہو گئے تھے۔مگر خواجہ معین الدینؒ کو طریقت کی ترویج اور خانقاہ کو سنبھالنے کے لئے واپس کشمیر بھیجا وہ خود مستقل طور پر لا

ہور میں رہے آسودہ بھی ہوئے تھے۔

یاد رہے کہ حضرت خواجہ خاوند محمود علیہ الرحمہ اکابر سادات میں سے تھے۔ان کے والد بزرگوار میر سید شریف الدین علیہ الرحمہ پانچ واسطون میں سے خواجہ علاوء الدین عطارؒ سے جا ملتے تھے۔خواجہ صاحبؒ کو جب جوانی خدا طلبی کا داعیہ ہوا تو غیبی اشارہ حجرت خواجہ محمد اسحاق علیہ الرحمہ وہ بیدی سے بیعت ہوئے تھے جو سے حضرت مخدوم اعظم خواجہ احمد کاشانی علیہ الرحمہ سے باطنی سلوک میں محو ہوئے تھے۔اصل میں روحانیت کے جذبات خواجہ بزرگ مشکل کشاؒ سے لئے تھے۔پھر تھوڑے ہی وقت میں عجائب حالات اور غرائب کمالات پر فائز ہو گئے تھے۔وہ اکثر قرآن پر بھی فائق تھے۔رفتہ رفتہ طے مکانی اور عروج پر پہونچے پھر بخارا سے سفر اختیار کیا تھا۔ اور گجرات سے ہوتے ہوئے کشمیرآ کر سکونت اختیار کی تھی پھر وہ اسی محلہ میں بس گئے جہاں ان کے اولاد بس رہے ہیں۔یہاں چند وقت تک وہ ارشاد بخشی ک رکے پھر ہندوستان لوٹ گئے اور وہاں لوگوں کو فیضیاب کرتے رہے پھر کشمیر تشریف لائے تھے۔ یہاں ان کا مکان اور خانقاہ حسین شاہ کا گھر تھا کیونکہ وہ بھی ان کے خادموں میں شامل تھا۔انہوں نے ایک چھوٹی سی مسجد شریف بھی بنائی تھی۔جب یہاں طریقت کا رواج بڑھ گیا اور اہل ارادت کی کثرت ہوئی تھی تو ایک وسیع تر خانقاہ کا ارادہ فرمایا تھا کہا جاتا ہے کہ اس معاملے س میں جناب رسول پاک ﷺ سے مبشر بھی ہو گئے تھے۔خانقاہ میر اویسی علیہ الرحمہ اشم میں نہایت وسیع اور مزین و آراستہ تھی۔اسے تحیہ اٹھا کر کا لایا تھا اور اس موضع پر نصب کیا تھا تا کہ ویرانی سے آبادی میں آئے۔

وہاں بھی ایک چھوٹی سی مسجد شریف بنوائی تھی جو آج بھی موجود ہے۔اس باب میں مفتیوں سے افتویٰ بھی لیا تھا۔

سلطان مراد بخش کی نظامت کے بعد علی مردان خان ناظم ہو کر آیا۔ اگر چہ وہ نیک اور خیر خواہ بھی تھا مگر تقدیر کی زبردستی سے اس کا عہد شدتوں میں گزرتا تھا ۔غلہ ناپید اور قحط عام لوگ بھوکے مر رہے تھے۔ بادشاہ نے رعیت پروری سے خود توجہ کی اور گجرات سیالکوٹ لاہور وغیرہ جگہوں سے ءغلہ بھیجدیا تھا۔ اس کام کے لئے محصل اور سزاول مقرر کئے گئے تھے بلکہ بادشاہ نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ شاہزادیاں کو اور بیگمات وغیرہ اپنا خیرات کشمیری فاقہ زدوں کو بھیجدیا کریں گی علی مردان کے بعد حسن بیگ ناظم ہوا تھا اور نوشہرہ میں باغ لگوایا تھا۔پھر واپس چلا گیا تھا۔اب پھر علی مردان ناظم بن کر آیا تھا اور اس دفعہ سات سال تک حکومت کی تھی۔ خزانے خالی کئے اور عمارت بنوائی تھیں۔نوشہرہ میں ایک عالی شان حویلی تعمیر کروائی نہرین کھدوایئں اور فوارے لگوائے تھے۔ پرگنہ پھاگ کے موضع تیلبل میں ایک باگ بنوایا تھا۔جس کے چارون طرف پختہ اینٹوں کا دیوار بنوایا تھا پھر پہاڑ کے پیچھے ایک بڑی سی نہر کھدوالائی اور باغ میں بڑے بڑے حوض بنوائے تھے۔ کشمیر میں اس کے برابر اور کوئی باغ نہیں تھا اس میں پھلدار درختوں کے علاوہ چنار اور سفیدے لگوائے تھے۔جس کے ماحصل کو مشہد مقدسہ رضویہ کو وقف کر دیا تھا۔وہ باغ نہر اور تیل بل کے درمیان میں تھا۔اس کے دونوں طرف سبزہ اشجار، اثمار، بید مشک اور مخمل کی طرح سبزے کی چادریں بچھی ہوئی تھیں بہار میں اس کا پانی کناروں تک آتا تھا جو نہایت ٹھنڈا اور فرحت بخش ہوتا تھا۔بعض

اوقات بیمار بھی اس سے شفا پاتے تھے اور مریض صحت۔ اس نے پیر پنچال کے وسط میں ایک سرائے بھی تعمیر کی تھی۔ بارہ مولہ میں دو جگہوں کا نام علی آباد رکھا گیا تھا۔ انہون نے پہاڑوں کے نیچے سے راستوں کی مرمت بھی کرائی تھی کیونکہ وہاں جگہ جگہ پر ہلاکتون کا ڈر رہتا تھا، ناظم خود جاڑے کے چھ ماہ لاہور میں گزارتا جو اسی کی علمداری میں تھا اس نے شان سے شاہانہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ غلام خدم، نوکر چاکر زریں پوش طلا و نقرہ کے عصا ہاتھوں میں لئے کھڑا ہوا کرتے تھے۔ اس کے بعد لشکر خان کو یہاں بھیجا گیا تھا۔ اس نے عدل و انصاف کیا تھا اور غلہ اتنا وفور ہوا کہ دیہات میں ایک مرغی کے عوض ایک خروار غلہ ملتا۔ اس نے پرگنہ پھاگ مین شمال کی طرف کولہ بل'' پر ایک عالیشان باغ بنوایا تھا جس میں نہریں آبشار اور فوارے جاری کئے تھے۔ وہی باغ سرینگر کے لوگوں کے لئے سیر گاہ تھی۔ اس کے عہد میں موسم سرما کے دوران دریا جہلم یخ بستہ ہو گیا تھا کہ گھوڑے منوں بوجھ اٹھا کر اس پر سے گزرتے تھے جو آج تک کشمیر میں یادگار زمانہ رہا ہے۔

۴:۔ شاہجہاں کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب تخت پر بیٹھا اور اعتماد خان کشمیر کا ناظم ہو کر آیا تھا۔ وہ خود بھی عالم تھا اور فریقین کا بلا کر مقدموں کا فیصلہ کرتا تھا۔ اس کے بعد ابراھیم خان آیا جو علی مردان خان کا بیٹا تھا اسی نے آردت قضیہ کا فیصلہ کیا تھا جو شیعہ اور سنیوں کے مابین ایک مسجد کے بارے میں نزاع تھا اور وہ مسجد سنیوں کے حق میں گئی تھی۔ اسی سال بادشاہ خود بھی کشمیر آیا تھا۔ علی آباد کے نزدیک ایک پہاڑ کے سامنے ہاتھی باغی ہو گیا تھا اور بہتوں کو لکد مال کیا تھا۔ اس واقعہ میں بیگمات مخدرات میں

سے ایک جماعت تلف ہوگئی تھی۔ اس لئے بادشاہ کا دل مکدر ہو گیا تھا اور تین ماہ یہاں رہ کر واپس چلا گیا تھا۔ اس کے بعد اسلام خان سوبہ دار مقرر ہوا تھا۔ وہ عالموں صالحوں اور فاضلوں کے ساتھ وقت گزارتا تھا۔ اسلام خان نے یہاں اسلام کی زبردست ترویج کی تھی اور عیدگاہ میں ایک مسجد شریف بھی بنائی تھی جو پہلی مسجد سے وسیع تر تھی اور چوب وحطب سے پختہ کر دی گئی تھی۔ اسے علی مسجد کہتے ہیں۔ کیونکہ زین العابدین کے پوتے علی شاہ نے اسے پہلے بنایا تھا۔ اور ابھی تک اسی نام سے مشہور ہے مگر آج اسے عال مسجد کہتے ہین۔ اس مسجد کا صحن توت کے درختوں سے پر تھا اسلام خان نے پرانے قد اور درخت کٹوا دئے تھے۔ اور زمین کو مسطح کرایا تھا۔ پھر اسے چنار باغ بنوایا تھا۔ وہ ستون جو آج عیدگاہ میں کھڑا ہے۔ اسی کا بنایا ہوا ہے۔ اسلام خان شاعر بھی تھا۔ اور والا تخلص کرتا تھا۔ اس کا اصلی نام میر ضیاالدین تھا میرے حافظے میں اس کے دو شعر ہیں اور وہ یہ ہیں ؂

بے تو شام تا بروز ما شب خون میکند
مردم چشم ز گریہ غوطہ در خون میکند
وسعتے پیدا کن اے صحرا کہ امشب از غمش
لشکر من آہ از دل خیمہ بیرون میزند

اس کے بعد سیف خان آیا اور وہ بڑا ضابطہ مہیب اور مشتاق ناظم تھا۔ وہ نماز پنجگانہ۔ وظائف وغیرہ اذکار اوراد سے بھی خالی نہیں تھا۔ جب وہ ہیرہ پورہ سے آگے بڑھا تو زمینداروں نے اس کا پرجوش استقبال کیا تھا۔ اور وہ بڑے طمطراق سے شہر میں داخل ہوا تھا اس نے تمام

فرسودہ قوانین کو منسوخت کر دیا تھا اور پھر داد و دہش سے ملک کو معمور کر دیا۔اس کے حملہ واقعوں میں یہ واقع مشہور ہے۔کہ تبت کلاں کا تسخیر کیا، ولدل محل کے زمیندار مسلمان ہو گئے تھے۔اور شاہی سکہ جاری کیا۔اس نے تبت میں مسجد شریف بھی بنوائی تھی۔

دوسرا واقعہ یوں ہے۔کہ شیخ عبدالرشید حسینی علیہ الرحمہ نے حسین ملک ولد حیدر ملک چاڈورہ پر سب رفض کا دعویٰ کیا تھا۔جس کی تفصیل یوں ہے کہ شیخ مذکور چرار شریف جا رہے تھے اور ملک چاڈورہ اپنے دروازہ پر تھا اور کچھ بک رہا تھا جس پر دونوں میں باتیں ہوئیں اور دست و گریبان تک نوبت آپہونچی تھی ملک مزکور کی زبان سے اصحاب رضی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے الفاظ سن کر شیخ طیش میں آیا تھا اور حاکم کے پاس جا کر استغاثہ کیا۔چونکہ سوبیدار ملک کا رعایت کرتا تھا اس لئے حد شرعی کے اجراء میں توقف ہوتھا۔پس شیخ نے حضور میں ساری روداد لکھ بھیجی تھی۔بعض درباری بھی شیعہ تھے۔اس لئے حمایت کی کوشش کی مگران کا کچھ پیش نہ ہوا تھا پھر بڑی گفت وشنید کے بعد شاہ عدالت شعار نے ملک مذکور کو قاضی عسکری کے فتوے سے قتل کرا دیا تھا۔جس پر بعض اہل تشیعہ نے جرأت کر کے اشعار لکھے۔مثلاً

شد از ظلم و بیداد قوم پذیر
حسین رض ابن حیدر دوبارہ شہید

سیف الدین خان نے ڈل کے مغربی کنارے پر باغ سیف آباد لگوایا تھا۔دراصل وہ ان کے باپ کا تعمیر کردہ تھا اور اس نے اسے مزید آراستہ کیا تھا،اس کے بعد مبازر خان ناظم ہوا تھا وہ ایک صالح آدمی تھا

اور صوبیدار کے باوجود جوتا پہنا تھا تو جامع مسجد میں حاضر آتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھی گستاخی اور بے ادب تھے انہوں نے بے باکی بلکہ ناپاکی کا اظہار کیا تھا۔ وہ اکابر اور اصاغر کی اہانت کرتے تھے انہوں نے ناحق خون بھی کئے تھے۔ اس لئے ناظم نے خود کو معزول کرادیا تھا اس کے وقت میں کاشغر کے والی عبداللہ خان بھی بھاگ آیا تھا اور یہاں اس کی احترام کی گئی تھی پھر وہ بادشاہ کے حضور چلا گیا تھا۔ سیف خان کے وقت کشمیر میں ایک عظیم زلزلہ آیا تھا۔ جس سے صبح و شام عمارتیں گھوارہ کی طرح ناچ رہی تھیں تاہم کوئی نقصان نہیں ہوا تھا سیف خان نے رینہ نار میں ایک آراستہ باغ نزول کیا اور قاضی عبدالرحیم کو منصبدار بنایا تھا ۔ قاضی ابو القاسم بن محمد رضا خان مذکور کے ساتھ کدورت رکھتا تھا کیونکہ اسے مبارز خان کے ساتھ حمایت رکھنےسکی پاداش میں شہر سے نکالدیا گیا تھا۔ پھر منصبدار مزروعات اور دیگر امور آبادی میں کوشان رہا تھا۔

سیف خان کی نظامت میں عارف امجد محبوب الصمد مرشدنا و سیلتنا اِلی اللہ تعالیٰ یعنی شیخ عبدالاحد السرہندی الفاروقی قدوس سرہ نے قدوم میمنت لزوم کشمیر میں ارزانی فرمایا تھا۔ ان کا برادر کلاں شیخ سعدالدین محمد علیہ الرحمہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ آیا جن کے ساتھ میاں محمد قطبؒ بھی تھے۔ وہ ان کی عقیدت میں اپنے آتش خانہ کو ساتھ ساتھ رکھتے اور خود ان کی خدمت کرتے تھے اور ان کی روزمرہ ضروریات پورے کرتے تھے۔

شیخ احمد علیہ لرحمہ سے یہاں ایک بڑی جماعت فیضیاب ہوگئی تھی، خاص کر میرے مرشد محمد مراد علیہ الرحمہ جو ترک دنیا کر کے دو سال میں

صاحب کمال ہو گئے تھے مرشد کی خدمت میں رہ کر علاقہ معنویہ میں قرب پایا تھا۔ ان کی وساطت سے فضلاء کی ایک جماعت مثلاً: مولانا عبدالرشید زرگر اور مولانا حیدر بجہ علامہ اور ان جیسے دیگر بڑے بڑے علامہ بھی اس بقعہ نور میں داخل ہو گئے تھے۔ اس کے بعد افتخار خان ناظم بنا اور مرزا محمد سلیم کی حویلی میں اترا تھا س وہ ملا محمد پارسا علیہ الرحمہ کے نزدیک ہی مسجد شریف کے قریب تر تھے، وہ مقبرہ متبرکہ س مشہور بھی ہے۔ ظاہری طور پر اس کی بناء اس وقت ہوئی جب افتخار کے زمانے میں وہ خوفناک آگ رونما ہوئی تھی جس نے پورے شہر کے ساتھ جامع مسجد کو بھی جلا ڈالا تھا۔ آگ کی ابتدا کاوہ ڈارہ سے ہوئی تھی پھر ایک عالم کو بھسم کر دیا تھا۔ جامع مسجد تیسری بار سوختہ ہوئی تھی تو بادشاہ کے احکام سے پھر تعمیر کی گئی تھی۔ افتخار خان سبکدوش ہوا تو قوام الدین نے چارج سنبھالی تھی، وہ بھی مرزا سلیم کی حویلی میں ہی اترا تھا۔ وہ مسائل کا واقف اور ضابطہ دان تھا۔ مجرموں کی تنبیہہ کے لئے تختہ وکلاہ'' اسی کی ایجاد تھی۔ اس نے عید گاہ کی طرف ایک باغ بھی بنوایا تھا جس میں ایک عمارت تعمیر کی تھی۔ اسی کی نظامت میں خواجہ محمد شریف وہ بیدی علیہ الرحمہ اور خواجہ محمد صابر علیہ الرحمہ جو خواجہ محمد اعظم مخدوم وہ بیدی علیہ الرحمہ کی اولاد میں سے تھے نے کشمیر میں نزول فرمایا تھا۔ یہ خواجہ محمد اشرفؒ خواجہ عبدالغفارؒ کے بھائی تھے۔ ان کی نسبت حضرت مخدوم اعظم المعروف بہ سید احمد کا شانی علیہ الرحمہ کے ساتھ تھے۔ یہ سب حضرات خواجگان اکابرین ولایت سے تھے۔ قوام الدین کے بعد ابراھیم خان دوبارہ آیا تھا۔ اس دفعہ کشمیر میں عجیب وغریب حادثات ہوئے تھے۔ جو زبانوں پر مذکور اور کتابوں میں

مسطور ہیں۔

ایک حادثہ سیلاب کا تھا جس نے لوگوں کے مکان بہا لئے تھے کہتے ہیں کہ مکان پانی میں کشتیوں کی طرح ڈھول رہے تھے۔ بسا اوقات اہل خانہ بھی ان میں برابر موجود تھے۔

دوسرا حادثہ زلزلہ کا تھا۔ جو نہایت تندو تیز تھا ان جھٹکوں سے لوگ مدت تک لرزاں تھے۔ وہ جھٹکے ایک ماہ سے زیادہ عرصے تک رہے تھے۔ زمین گہواری کی طرح ہل رہی تھی۔

تیسرا حادثہ قلماق کا تھا۔ وہ تبت کلاں میں آیا تھا۔ ابراھیم خان نے بیٹے کی قیادت میں راجے کی مدد کیلئے فوج بھیجدی تھی۔ جس نے قلماق کی ہزیمت دی تھی۔ تو انہوں نے تبت کو فتح کیا تھا۔ اسی اثنا میں مذہبی فتنہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ حسن آباد کے شیعوں میں عبدالشکور نامی ایک شخص نے بیٹوں کی معیت سے صادق نام کے ایک سنی کی زدوکوب کی تھی تو خصومت نزاع بن گئی تھی۔ اس جھگڑے میں اہل تشیعہ سب وشتم کے بھی مرتکب ہوئے تھے اور حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کو برا بھلا کہا تھا۔ صادق مذکور نے اعلام شرعی کیا تھا۔ مگر ابراھیم خان نے ملزموں کو اپنی حمایت میں لے لیا تو قاضی محمد یوسف غیرت میں آئیں اور شہر کے لوگوں نے آسمان سر پر اٹھایا تھا، جس سے فساد کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ جب ابراھیم خان نے مدعا علیہم کو گھر میں پناہ دی تو ہجوم اُمڈ آیا اور حسن آباد کو آگ لگا دی گئی تھی۔ اس حرکت سے فدائی خان حسن آباد کے لوگوں کا طرف دار بن گیا تھا۔ اور شہریوں کے ساتھ خوانین قابل مل گئے تھے۔ ان کے ساتھ فوج بھی تھی اور ان کے نام تھے مرید خان، الف خان

اور مرزا مقیم وغیرہ۔ یہ سب کے سب سنی تھے اور بعض منصبداروں کے ساتھ مل کر حملہ آور ہوئے تھے۔ جن میں سرکردہ اشخاص خواجہ محمد شریف دہ بیدیؒ کے ساتھی خواجہ محمد صابر تسلیم مرزا اور حلیم بیگ کاشغری تھے۔ طرفین میں سے ایک جماعت مقتول اور بہت سے مجروح بھی ہو گئے تھے۔ عوام نے غلبہ کیا اور قاضی کے ہاتھ سے سررشتہ چھوٹ گیا تھا۔ ابراھیم خان نے خود کو عاجز پایا تو عبدالشکور وغیرہ کو چبوترے سے نکال کر سب کو قتل کرادیا تھا۔ ان مین عبدالشکور کے علاوہ اس کے دو بیٹے اور ایک داماد بھی تھا۔ اس کے بعد قاضی نے صوبیدار کے گھر آنا جانا ترک کیا تھا۔ وہ اعتذار کے باوجود گھر سے نہیں نکلا تھا۔ مفتی اعظم ملا محمد طاہر نے مداخلت کی تو اس کے گھر کو بھی مسمار کر دیا گیا تھا۔ شہر میں بہت سے لوگ عوام کے دست برد ہو گئے تھے۔ شیعوں کے مقتداء بابا قاسم کو لوگوں نے راستے میں پکڑ لیا اور اہانت وخواری سے قتل کر دیا تھا۔ فدائی خان جو ناظم کا بیٹا تھا عوام کو تنبیہ کرنے کے لئے سوار ہوا اور مرزا سلیم کے گھر کے پاس جنگ چھڑ گئی تھی۔ جس میں مرزا مذکور کچھ اور ساتھیوں کے ساتھ قتل ہوا تھا۔ اسی اثنا مین مشیخیت پناہ حضرت بقا باباؒ جو عرفان دستگاہ خواجہ حبیب اللہ نوشہری علیہ الرحمہ کے اولادوں میں سے تھے۔ نے اجتماع کے ساتھ ابراھیم خان کے مکان کو آگ لگادی تھی ناظم نے اپنے فوج کو بھیجا اور بقا بابا، وقایع نگار قاضی بخشی وغیرہ کے علاوہ شہر کے دوسرے روسیاء جن میں خواجہ لالہ کانی خواجہ حاجی بانڈے اور خواجہ قاسم لنگر بھی شامل تھے سب کو گرفتار کرادیا تھا، اہل شہر کو خوف ہوا اور دونوں طرف مرعوب ہو گئے تھے۔ جب اس کی اطلاع بلاکم وکاست حضرت عالم گیر کو دی گئی تھی تو انہوں نے حفظ اللہ

خان کو بھیجا اور ابراہیم خان معزول ہوا۔ پھر تمام محصورین دربار میں بلائے گئے تھے۔ اور وہاں رہا کر دئے گئے تو وہ واپس وطن لوٹ آئے۔ مگر قاضی اپنا مرضی سے حضور میں بیٹھے رہے اور ایک ہفتہ کے بعد رحلت کی تھی۔ یہ ۱۰۹۴ھ کا واقعہ تھا۔

حفظ اللہ خان نے گلشن حویلی ظفر خان میں سکونت کیا تھا اور پھر گذشتہ فساد کا اصلاح کیا تھا اس کو حضور کا حکم ملا تھا کہ جموں کے راجے کو تنبیہ کرے تو ابوالفتح خان کو ایک سال کے لئے نیابتاً رکھا اور حفیظ اللہ خان کے تغیر پر مظفر خان آیا جو ظالم اور عیاش تھا۔ اس لئے واپس بلایا گیا تھا۔ اب اسی کا بھائی ابوالنصر خان ناظم ہوا مگر وہ بھی بھائی سے کم نہ تھا۔ اس کے عہد میں قدوۃ الاولیاء شاہ محمد علی رضا سرہندی فاوقی علیہ الرحمہ کشمیر میں آئے تھے اس کے عہد میں ایک رستم مانتو بدعوائے سب وشتم سویہ بگ کے باباوں کی شہادت پر قاضی عبدالکریم کے حکم سے قتل ہوا تھا اور یہ واقعہ ہے۔

اسی عہد میں در ۱۱۰۳ھ کشمیر میں ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ ماہ رمضان المبارک میں میر حسن نام کا ایک سردار کشمیر میں داخل ہوا تھا اس نے کوہ سلیمانی کے نزدیک سکونت کیا تھا۔ لوگ بتدریج اس کے پاس آنے لگے تھے۔ اس نے ماہ مبارک میں ہی ایک جشن منایا تھا جس میں چراغاں کیا گیا۔ اور شہر کے لوگ تماشہ دیکھنے گئے وہاں کشتیوں میں پہنو نچے تو لوگوں کا اژدھام اور کشتیوں کا غلبہ ہوا اس لئے لوگوں نے بے باکیاں کیں تو ظہر کے بعد ہی بادوباراں شروع ہوا اور رعد و برق کا غلبہ اس قدر ہوا تھا۔ کہ رات کی طرح دن میں ہی تاریکی ہو گئی تھی۔ پورے شہر میں دیر تک رات غالب رہی یہاں تک کہ یقین ہوا تو لوگوں نے افطار کیا اور کھا

نکلے بعد نماز کے لئے نکلے معاً باد و باران رفع ہوا اور آفتاب عالم تاب
چمک رہا تھا۔ اب لوگ خجل ہو گئے تھے اور سخت ندامت اٹھائی۔ اس واقعہ
کو میر حسن کے فعل شنیعہ پر محمول کیا اور شور برپا ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کی خبر
شاہ عالم تک بھی پہونچی تو عالم گیر نے اس میں غور فرمایا پھر اس کے
نکال دینے کا حکم دیا تھا۔ اس طرح نائب ناظم نے میر حسن مذکور کو ملک
بدر کر کے جلاء وطن کر دیا تھا۔

اب فاضل خان آیا تو اس نے کافی احسان اور فیض بخشی کی تھی وہ
عالموں کی عزت کرتا اور اکثر خود ان کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ گذشتہ
حاکموں کے ظلم و بیداد کو ختم کر دیا تھا۔ ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ عید کے روز
لوگ مصلے پر جا رہے تھے۔ کہ شہسوار بیگ جو حضور کے توپ خانے کا
داروغہ تھا طاہر وہ بیدی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اس بنا پر ان میں پہلے
ہی رنجش تھی۔ محمد طاہر نے شہسوار بیگ کو عید مصافہ کے بہانے سے سواری
پر ہی مار ڈالا تھا۔ مومن بیگ شہسوار کا رضائی بھائی تھا۔ نے بڑھ کر خواجہ کو
بھی قتل کر ڈالا۔ خیر فاضل خان سب کو انعام و اکرام دے کر خوش رکھتا
تھا۔ اس نے مسجدیں اور سرائیں بنائیں نہریں کھدوائیں اور باغات
لگوائے تھے ہفت چنار میں سر بندی کرائی تھی اور ایک سرائی بھی بنوائی
تھی۔ حسن آباد کی خانقاہ جوگی لنگر نو مسجد سنگین کے متصل مدرسہ اور حمام بھی
اسی کے بنائے ہوئے تھے۔ ان کے بغیر بھی دوسرے مواضع پر باقیات
صالحات ہیں وہ جمعتہ المبارک کے روز بھی اکثر جامع مسجد اور بزرگوں
کے مقابر پر جایا کرتے تھے۔ غرض اس خان کے عہد میں کشمیر خوشحال ہوا
تھا۔ خاص کر مواہب عظیم الہیٰ کے برکات نزول فیض نامتناہی نے یہاں

نزول فرمایا تھا جس سے دنیا بھر میں خطہ کشمیر خاص تر بلکہ ممتاز ہو گیا تھا۔ یعنے ورود سعادت مورود موئے مبارک مقدسہ نبی ﷺ کی سعادت و شرافت خواجہ نورالدین معروف بہ اشبری علیہ الرحمہ نے اسے بڑی منت سے حاصل کیا تھا۔ اور پھر محنت تامہ سے یہاں لایا تھا۔ جب خواجہ مذکور کا واقعہ حضور میں گیا کہ یہ تبرک عالی مقدار اپنی نعش میں چھپا کر۔

کشمیر لایا تھا تو راقم الحروف اس وقت سات یا آٹھ سالہ تھا۔ اس وقت یہاں کیسی شادی تھی۔ میں کہہ نہیں سکتا ۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس آثار نور کے دخول کے وقت کس قدر جان نثاری سے مسلمانوں نے ہجوم کیا تھا۔ اور ذکر و درود میں مشغول ہو گئے تھے۔ جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ مرد عورت سب کمال اخلاص اور دفور محبت سے جوش میں آ گئے تھے۔ گویا ہر کوچہ بازار میں انسانوں کا سیلاب آ رہا تھا۔ جس کو عبور کرنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ غلبہ کثیر الانوار بھی تھا۔ اور سب لوگ شورش میں آ رہے تھے۔ علماء فضلاء، مشائخ اور فقراء کافی ذوق و شوق سے سعی و اہتمام کرتے تھے۔ کہ محمل مبارک کو جو ایک صندوقچہ میں تھا اپنے سر اور کندھے پر بٹھائیں مگر ہزار سختی اور جدوجہد کے بعد ہی کوئی وہاں تک پہونچنے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ قلندر بیگ جو اس وقت آزاد شعراء میں سے تھا، نے یہ تاریخ بتایا تھا:

محتاجان را بوقت حاجت طلبی
موئے مدد است یا رسول عربیؐ
تاریخ نزول یکے از ہاتف گفت
کشمیر مدینہ بشد از موئے نبیؐ

اصحاب حال اور ارباب کمال قاطبتہ برکات وفیوض ایں آثار فائز الانوار کے قائل بلکہ متفق ہیں کہ راقم الحروف نے فضائل وشرافت مرتب وسیادت وکمالات منزلت خواجہ نورالدین محمد آفتاب نقشبندی علیہ الرحمہ جو خواجگان عالی شان کے بقایات میں سے تھے۔ کی زبان سے سنا ہے۔ کہ حضرت ولایت وارشاد پناہ، صاحب حالات صوری ومعنوی خواجہ احمد یسوے علیہ الرحمہ اس آثار شریف کی زیارت کے بعد ایک مدت تک مراقبہ میں تھے۔ اور فرمایا کہ جناب مقدس معلائے نبویؐ حاضر ہوئے تھے۔ اور اس استفسار کے جواب میں جو کہ آثار شریف کے متعلق تھا۔ آنحضورﷺ بزبان وحی نشان پر لاکر فرمایا ''یہ موئے گیسوئے مبارکہ کا ہے جو دائیں طرف کا ہے'' اس قسم کی حکایتیں بہت سی ہیں ان سب کا یہاں بیان کرنا طوالت کا باعث بن سکتا ہے۔ لہذا نقل نہیں ہوں گی۔

غرض فاضل خان کے استعفیٰ کے بعد پھر ابراھیم خان آئے تھے مشہور ہے کہ یہ جارہا تھا اور وہ آرہا تھا راستے میں ملے اور تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ کر باتیں کیں۔ وقائع نگار خواجہ علی اکبران کے ساتھ تھا۔ جب ان ناظموں کو اکٹھا پایا تو برجستہ کہا کہ۔

عید رمضان آمد و ماہ رمضان رفت

صد شکر کہ ایں آمد و صد حیف کہ آں رفت

اس دفعہ ابراھیم خان نے رعیت پروری کی تھی۔ شیعوں میں کوئی تخصیص یا تفاوت نہیں کی تھی۔ اس کے عہد میں دو تین باتیں بھی قابل ذکر ہوئیں۔ مثلاً پرگنہ کامراج مین ایک شخص ظاہر ہوا تھا۔ جو عالم گیر کے بھائی شجاع کی صورت میں تھا۔ دوسرا کاشغر کے والی عبداللہ خان کے

بھائی ارسلان خان کا یہاں آنا تھا۔

تیسرا یہ راجور کے ہنگامے کو رفعہ کرنے کے بعد راجہ زادے کو کشمیر طلب کیا گیا تھا۔ اور اسے مسلمان کر دیا گیا تھا۔ پھر اس کا نام لطف اللہ رکھا گیا تھا۔ جس سے اسلام اوروں تک پہونچا تھا۔

چوتھا یہ کہ سید عبدالفتاح گوجر جو عبدالرزاق کا باپ تھا کو پکڑا گیا تھا۔ جو بغاوت کر رہا تھا۔ اس کے عہد میں اور بھی دادو رسیاں ہوئی تھیں جن کی ذکر باعث طوالت ہوگی اور کتاب کے حجم بڑھنے کا کافی اندیشہ رہے گا۔

ابریاھیم خان کے بعد نوازش خان آیا تھا یہ آخری زمستان تھا۔ وہ ابھی شہر میں داخل نہیں ہونے پایا تھا۔ کہ حضرت عالم گیر علیہ الرحمہ کے وفات کی خبر آئی۔ یہ ۲۸ ذی قعدہ تھا۔ دن جمعہ تھا اور تاریخ وفات اس مصرعہ سے ماخوذ ہے۔ ؎

آہ شد! آفتاب زیر زمین

وفات کے وقت اس عالی گہر، داد گستر، شہنشاہ ہند کی عمر اکانوے سال اور تیرا دن تھی۔ انہوں نے پچاس سال اور دو ماہ حکومت کی تھی۔ ان کے بعد بتدریج خاندان مغلیہ کا زوال شروع ہوا۔

۵:۔ محمد معظم عالم گیر کے بعد تخت پر بیٹھے، وہ خود بھی حافظ قرآن تھے۔ حدیث فقہ اور دوسرے علوم کے ایک بڑے عالم تھے کشمیر مین ان کا پہلا ناظم جعفر خان تھا۔ جو نہایت ظالم تھا اس نے پکلی کی ایک عورت کو حد شرع نکالنے کے بجائے جان سے مار ڈالا تھا۔ لوگ بھی اس کے افسروں سے بہت تنگ آچکے تھے۔ کیونکہ وہ ظلم اور تشدد کرتے تھے۔ اس لئے ہجوم کر کے جعفر خان کے بعض پیش کاروں کو لوٹ لیا اور اکثروں کے

گھر جلا ڈالے تھے۔ خان مزکور اکثر شراب میں مست رہتا تھا اس لئے دوسرے ہی سال میں مرگیا۔ اس کے بعد عارف خان نائب ناظم ہوا تھا۔ اور پھر ابراہیم خان چوتھی دفعہ کشمیر آیا تھا۔ مگر وہ بھی جلد ہی مرگیا تھا۔ اس کیس عہد میں یہاں سیلاب آیا اور لوگوں کے مکان بہالے گیا تھا۔ موسم گرما تھا کہ محلّہ صرافاں میں آگ لگ گئی تھی جس نے سرینگر کے بیس محلوں کو خاکستر بنادیا تھا اور چالیس ہزار، کان جل گئے تھے۔ آب و آتش کے ان حادثوں سے کشمیر جنت نظیر تباہ و برباد ہوگیا تھا۔ ابراہیم خان کے بعد عنایت اللہ خان ناظم مقرر ہوا تھا۔ اس کے عہد میں کئی واقعات ہوئے تھے۔ جن میں خلیل بیگ کا قتل مشہور ہے۔ وہ ایک شیعہ تھا۔ جو سب وشتم کرتا تھا۔ عوام الناس نے شورش کی اور قاضی محمد اکرم نے اسکو قتل کا فتویٰ دیا تھا۔ لوگوں نے سودرشن داس کے مکان کو بھی آگھیرا جو جعفر خان کا پیش کار رہ چکا تھا۔ مگر وہ عیال سمیت خواجہ نورالدین محمد آفتاب علیہ الرحمہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا تھا اس کے بعد کشمیر کا ناظم سید نعمت اللہ آیا تھا اور اسی عہد میں بادشاہ نے رحلت کی تھی۔

۶:۔ اب ہندوستان کا بادشاہ جہاندار شاہ بن گیا تھا۔ اور کشمیر کا ناظم عنایت اللہ خان مقرر ہوا تھا۔ اس نے یہاں آکر اچھی طرح سے نظم ونسق سنبھالا تھا۔ اسی کے عہد میں ہدایت اللہ خان اور سعد اللہ خان نے نیابتاً حکومت کی تھی۔ جہاندار خان نے مختصر وقت حکومت کی تھی اور اس کے بعد ہندوستان کے تخت پر فرخ پر بیٹھا تھا۔ مگر چند ماہ بعد ہی سادات نے ان کو گرفتار کیا اور جیل بھیجدیا تھا۔ پھر آنکھوں میں سلائی پھیر کر اسے مروا ڈالا تھا۔ اس کے بعد سلطان رفیع الدرجات ہندوستان کا بادشاہ بنا تھا اور

پانچ چھ ماہ تک ہی حکومت کرسکا تھا۔ اس سارے مدت میں علی محمد خان اعظم خان، احترام خان، آقا خان، اور میر احمد خان وغیرہ کشمیر کی نظامت پر مقرر ہو گئے تھے۔ اور کوئی قابل ذکر واقعہ نہ ہوا تھا ان تمام مختصر عہود کے بعد آخر ہندوستان کا والی ملک محمد شاہ ہوا تھا اور طویل مدت تک حکومت کی اسی کے عہد میں ہماری یہ تاریخ لکھی گئی ہے۔

۷:۔ **محمد شاہ بادشاہ:** اس کے عہد میں ہندوستان سے یہاں بہت سارے ناظم آئے ہیں۔ واقعات، حادثات اور فسادات بھی بکثرت ہوئے ہین جن میں ہم چند واقعات کی ذکر ذیل میں کرتے ہیں۔

محتوی خان نے ہندوں کی فتنہ پردازیوں کو بہانا بنا کران پر چند سخت پابندیاں عاید کی تھیں۔ مثلاً: دستار باندھ کر گھوڑے پر چڑھنا، قشقہ لگانا، اور پاؤں میں چمڑے کی جوتی پہنا وغیرہ سب ممنوع قرار دیا تھا۔ چنانچہ ان احکام کو منظوم بھی کیا گیا تھا ایک شاعر ان ممنوعات کی ذکر یوں کرتا ہے۔

حریف میگ اران صدق آہنگ — چنین زد شیشہ ایں قصہ برسنگ
کہ از کفار آنجا محتوی خان — بتقصیرے شد از دل دشمن جان
منادی کرد یکسو ایں کہ دستار — فرد و آرند از سر ہائے کفار
دگر بر اسپ ننشنید ایں ہا — نشان قشقہ شویند از جبین ہا
زپا ہم کفش چرمین دور رسانند — بکشتہ با دل رنجور رسا زند
مقرر شد کلاہ از بہر کفار — فتاد از بام طشت شان ز دستار

اس کے بعد ایک اور فتنہ اٹھا تھا۔ جس میں عوام کا غلبہ ہوا اور محتوی خان بھی ایک جماعت کے ساتھ قتل ہوا تھا۔ اہل تشیعہ پر تہمت لگائی گئی

تھی۔ کہ وہ بھی ہندوؤں کے ساتھ فتنے میں شامل تھے۔ اس لئے لوگوں نے جڈی بل پر یلغار کیا جس میں مردوں اور عورتوں کو قتل کر ڈالا۔ شیعوں کے ننگ و ناموس اور مال و متاع سب کو غارت کر دیا تھا۔ اور ایسا طوفان مچایا کہ ابتداء سے آج تک اہل تشیعہ پر کبھی ایسی مصیبت نہ آئی تھی۔ اس سیلاب قہر رجال میں کچھ نامور مسلمان اور ہندو بھی بہہ گئے تھے اور اکثر مصائب کا شکار بن گئے تھے۔ بہت سے جان مارے گئے اور کچھ خانمان سمیت برباد کر دیئے گئے تھے۔ اور ہر طرف سے ہولناک منظر تھا۔

اس فتنہ اور مصیبت کا قضیہ بھی شاعروں نے اپنے اشعار میں بیان کیا تھا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

پس از یک چند خاں صدق تخمیر — دل خود جمع کرداز اہل تذویر
برائے دیدن بخشی روان شد — اجل در پردہ با او ہمنانشد
پس از یک لحظ خلقے شورش انگیز — شدند آتش صفت ہر سو جلو زیر
دگر بر حضرت قاضی دویدند — چو آتش یکنفس انجا رسیدند
بجرم بے گناہی خانہ اشرا — کشید ند آتش دکردند یغما
نمودند شمکان بے اعتدالی — زروبہ بازی وقوم شناسی

محتوی خان کا بیٹا روپوش ہو گیا تھا مگر نئے ناظم نے اسے ڈھونڈ نکالا اور باپ کی جگہ پر بیٹھا دیا تھا۔ پھر ڈیڑھ سال کے بعد ہندوؤں کو اجازت مل گئی تھی کہ وہ اپنے رسوم کو بدستور رواج دیں۔ اس عہد کے منجملہ اور واقعات کے ایک عظیم قحط بھی مشہور رہے۔ غلہ اتنا گیران ہوا تھا کہ آٹھ روپیئے میں بھی شالی کی خردار نہیں ملتی تھی چاول تو چاندی بن گئی تھی۔ اس قحط کی ہولناکیوں کو بھی ایک طویل نظم میں بیان کیا گیا ہے۔ جسے پڑھ

کرانسان کے رونگھٹے کھڑے ہوجاتے۔ چند اشعار یہ ہیں:

ز بس در اضطرار اہل کشمیر	غم خود ہم نخوردہ ہیچکس سیر
زسوز جوع از بس آتش افروخت	بیا دِ دانہ پختن اشتہا سوخت
تنور آسا شکمہا گشت بریان	بسوز آرزوئے یکلبِ نان
اگر جائے ظہورے کرد مہمان	نمک دانش بود از شور دافعان
ہاں پامال از جنگ جفاشد	زقحط آب ودانہ کربلا شد
جو گندم اگر ریش کسے ہست	چو شانہ برنمیدارند از دست
ہزاراں بیت شاعرے سراید	زینت امال یک پشمش نہ آید
تسلی مے دہد مادر پئے خواب	بطفیلِ خویشتن از شیر مہتاب
بحسرت گفت مزارے نجاتون	نماندہ در کفم جز چمچہء خون

اس عہد میں ایک اور سنگین واقعہ یوں ہوا کہ چند حاسدوں اور بد فطرت لوگوں کی شورش اور سازش سے مولانا عنایت اللہ صدر مفتی اور مولانا اشرف مفتی اعظم کو جامع مسجد میں لاکر شہید کیا گیا تھا۔ اسی اثنا میں چند اور متہم ذخیرہ اندوزوں کے گھر بھی جلاڈالے گئے تھے۔ وہ دونوں عالم وفاضل مفتیاں غرائب روزگار تھے۔ مولانا عنایت اللہ نے اسی سال درس میں گزارے تھے اور مولوی محمد اشرف ایک عظیم عالم، مفتی فقہیہ اور سارے ہندوستان میں مسلم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں ایک نئی شورش کا آغاز ہوا تھا۔ راقم الحروف (خواجہ اعظم) نے ان کی تاریخ یوں لکھی

دل ما سر بید او بسال تاریخ
مے گفت زہی شہادت ہر دو فقیہہ

اسی عہد میں در سال ۱۱۴۶ھ خانقاہ معلیٰ کی چوتھی بار تجدید تعمیر ہوئی

تھی۔ ۱۱۴۱ھ میں ایک شدید سیلاب بھی آگیا تھا اور پھر سخت قحط پڑا تھا۔ اسی سال ذی قعدہ میں ایک عظیم زلزلہ آیا جس سے قیامت کبریٰ برپا ہو گئی۔ ۱۱۴۹ھ میں ایک ملک گیر فتنہ اور ہزاروں مکان جلادیئے گئے۔ اس کے بعد نادشاہی لڑائیوں میں پورا ہندوستان گھر گیا تھا اور ہر طرف بربادی ہوگئی تھی۔ ۱۱۵۷ھ میں سیلاب، قحط اور فسادات ایک ساتھ واقعہ ہوئے جس سے قریباً! ایک تہائی آبادی گھسٹ گئی تھی۔ اور شہر برباد ہو گیا تھا۔

ایک دن ایسا فساد برپا ہوا کہ زینہ کدل کے دونوں اطراف کو آگ لگا کر بھٹی بنا دیا گیا تھا اسی سانحہ عظیم میں حضرات میر بہاؤالدین حاجی عتیق اللہ اور ہاشم وہ بیدی علیہم الرحمہ کو شہید کر دیا گیا تھا۱۱۶۱ھ میں ایک اور عجیب واقعہ رونما ہوا تھا وہ یہ کہ دوپہر کے بعد شام تک فضا آسمانی ایسا سیاہ اور تاریک ہوا کہ گرج، چمک اور بادوباران کے علاوہ گپ اندھیرہ ہوا جس نے دن کو برابر رات بنا دیا۔ اس سے پہلے ایسا ابر سیاہ کبھی دیکھا نہیں گیا تھا اس حالت کو ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ غیر موسم میں موقعہ بارش شدید ہوئی جو آٹھ دن تک دن رات برستی رہی۔ پھر وہ طغیانی آئی کہ اس کا عشر عشیر بھی کسی نے نہ دیکھا اور نہ سنا تھا۔ یہاں ہمیشہ سیلاب آتے رہے ہیں۔ مگر ایسا سیلاب کوئی نہیں جانتا تھا۔ مکان گر کر تباہ ہوئے۔ شہر کے سارے پل مسمار ہو گئے تھے اور پانی میں درخت اکھڑ گئے۔ تاہم خداوند تعالیٰ کے فضل سے قحط نہیں پڑا، بلکہ خوشحالی اور فارغ البالی برحال اور برقرار رہی۔

(ماخوذ از تاریخ بزرگان کشمیر وغیرہ)

شاہ قاسم حقانی

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ حضرتِ شاہ قاسم حقانی رحمتہ اللہ علیہ شمس الدین شامی کے پوتوں میں سے تھے۔ جو جناب حضرتِ علی ثانی امیر کبیرؒ کے ساتھ کشمیر آ کر یہاں ہی سکونت پزیر ہوئے تھے۔ شاہ صاحب کو کچھ لوگ ملا قاسم اور حاجی قاسم کہتے تھے۔ علم و ہنر دونوں میں مہارت رکھتے تھے۔ نیک کاموں کے کرنے اور بُرے کاموں کو چھوڑنے پر بڑی کوشش کرتے تھے۔ اس وقت میں میر محمد خلیفہ صوفیانہ گانے، رقص اور وجد و حال میں مست تھے۔ مُلا قاسم ان سے اس بارے میں پوچھ پاچھ کرنے کا ارادہ کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اس کے چیلوں اور مُریدوں میں سے ایک ایک کو سو سو کوڑے ماروں گا۔ انہی ایام میں حضرت ایشان اکبر آباد میں تھے۔ اور خلیفہ کو وہاں ہی سے لکھا کہ مُلا قاسم کو آپ سے باز پُرسی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ انشا اللہ:۔

قید میں ایسا پھنس جائے گا کہ دوسروں کو عبرت ہو گی۔ ایک دن میر محمد خلیفہ پانپور میں محفلِ سماع رچائی تھی۔ مُلا قاسم کو پتہ لگا۔ غضبناک ہو کر محفل میں گئے جونہی خلیفہ کے چہرے پر نظر پڑی تھر تھر کانپنے لگے۔ خلیفہ نے شیخ یوسف سوتی کو اشارہ کیا۔ شکار کا وقت آیا ہے۔ یوسف نے یہ شعر ترنم کے ساتھ شروع کیا:۔

خنجر کشیدہ برسر قتلم شتاب چیست
خود کشتہ میشویم و ترا اضطراب چیست

(میرے قتل کیلئے خنجر نکالنے میں جلدی کرنے کی کیا ضرورت ہے! ہم تو خود ہی قتل ہو جائیں گے۔ تجھے کس بات کی بے چینی ہے۔) مُلا

قاسم وجد میں آکر بیہوش ہو کر گرے۔ جب پیشین (دوپہر کی نماز) کا وقت نزدیک آیا۔ شیخ یوسف نے یہ بیت شروع کیا۔

اے گرفتار و صالش تابہ کے گرد بروں

اندر آتا گویمت اسرار از راز دڑوں

(اے! اس کا وصل چاہنے والے کب تک باہر پھرتے رہو گے۔ اندر چلے آؤ تکہ تمہیں چھپے ہوئے بھیدوں سے واقف کروں) مُلا قاسم نے آنکھ کھولی اور خلیفہ کے پاؤں پر پڑ گئے۔ جب نماز کی اذان ہوئی۔ مُلا نے خلیفہ کے وضو کے لئے پانی لایا۔ خلیفہ نے نماز کے بعد فرمایا۔ اے! مُلا قاسم ''مُلا'' رہو گے یا ''شاہ'' کہا جو فرمائیں گے۔ خلیفہ نے کہا حضرتِ ایشان نے مجھے فرمایا ہے آج جس کسی کو میں تمہارے پاس بھیجتا ہوں اس کو''شاہ'' کہنا چاہئے۔ اب تم کو خطاب ''شاہی'' دے دیا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت، خلیفہ کریری تشریف لے گئے اور جناب ''شاہ'' کو میر حمزہ کریری کے ساتھ خلوت نشین رکھا۔ اور شاہ نے کچھ عرصہ میں سلوک کے سات طریقوں اور منزلوں کو طے کر کے تکمیل کے درجے کو پہنچ کر سب سے مافوق ہو گیا۔ جب حضرتِ ایشان کشمیر آئے تو اُنہوں نے حضرتِ شاہ کو اپنا خاص آدمی بنایا۔ آخیر کے وقت پر اپنا خرقہ پہنایا۔ اور خلیفہ مقرر کیا۔ حضرتِ شاہ صاحب کی عنایت اور مہربانی سے اس حال پر پہنچے کہ ایک دن ذکر (یادِ خدا) کی گرمی سے ان کے پہنے ہوئے کپڑوں میں آگ لگی۔ ایک دن نماز تہجد کے غسل کے بعد سردی کی شدت سے سارے بدن سے لہو نکلنے لگا۔ حضرتِ ایشان کو خبر ہوئی۔ انہوں نے اپنا جامہ پہنایا۔ خون بند ہو گیا۔ اور یہ ٹھیک ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن

حضرت، ایشان کے ساتھ شاہ کہیں جارہے تھے۔ سامنے سے ایک سوار آیا۔ گھوڑے سے نہ اترا اور نہ تعظیم بجا لایا۔ حضرتِ شاہ نے قہر کی نظر ڈالی۔ سوار، گر کر بیہوش ہوگیا۔ حضرت، ایشان نے اس کو اُٹھایا اور منع کیا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ ایک دن حضرتِ شاہ چلتے تھے دو آدمی آپس میں باتیں کررہے تھے۔ ایک نے کہا۔ حضرتِ ایشان خدا کے پیاروں میں سے ہیں۔ دوسرے نے کہا۔ اے کیا کہتے ہو؟ ایک مُلا ہے اور کیا ہے۔ یہ بات سنکر شاہ غضبناک ہو گئے۔ اور جلال کی نظر ڈال کر وہیں ڈھیر کردیا۔ ایک دن حضرتِ ایشان نے جمعہ کی نماز کے وقت ہیبت کے انداز میں فرمایا۔ اس وقت کون میرے ساتھ آئے گا؟ حاضروں میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرتِ شاہ نے کہا۔ حضرت میں حاضر ہوں۔ دونوں مجلس سے غائب ہوگئے۔ مکہ معظمہ میں نماز جمعہ ادا کی۔ مدینہ منورہ میں سرور کائنات کو سلام کیا۔ حضرتِ سرور دو عالم ﷺ نے جواب سلام کرکے حضرتِ ایشان سے فرمایا۔ یہ تمہارا بیٹا عجم میں بے مثل ہے۔ اور تمہارا آخری پہلوان ہے۔ تمہارے نام کو زندہ رکھے گا۔ اور صحابیوں نے شاہ کے حق میں دعا کی۔ حضرتِ ایشان پھر مجلس میں آئے۔ اور اہل مجلس کو سنایا۔ کہ آج کے دن مہربانیاں نچھاور ہوئیں جو اس جوان (شاہ) کے نصیب ہوئیں۔ حضرتِ ایشان کے انتقال کے بعد شاہ قاسم حج کو روانہ ہوئے۔ راستے میں بڑے بڑے خدا دوستوں سے ملے۔ صوبۂ اجینؔ میں شیخ فیض اللہ قادری کی زیارت سے بہرہ مند ہوئے۔ حضرت شیخ ایک جنگل میں خلوت نشین تھے۔ حضرتِ شاہ بھی چالیس دن پے درپے روزہ رکھ کر اعتکاف کو بیٹھے اور چلہ گزرنے پر ہرنی کے دودھ سے افطار کیا۔

جب شیخ فیض اللہ نے ان کی ریاضت اور مجاہدہ کو دیکھا۔ ان کو سلسلہ قادریہ کی اجازت عطا کی۔ اور حضرتِ غوث الاعظمؒ کا ایک جامہ مبارک اور حضرتِ شاہ ہمدان کا ایک خرقہ اور ایک تسبیح تبرک کے طور پر ان کو بخشدی۔ جو ان کی اولاد کے پاس نرپرستان میں آج تک موجود ہیں۔

دورانِ سیاحت میں جب حضرتِ شاہ خراسان پہنچے۔ سپاہیوں نے ان کو بادشاہ کے پاس حاضر ہونے کے لئے کہا۔ حضرتِ شاہ نے نہ مانا۔ بات بڑھ گئی۔ اور دو سو کے قریب سپاہی تلواریں نکال کر جمع ہو گئے۔ حضرتِ شاہ نے ایک نظر ڈالی اور سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے۔ بادشاہ کو خبر ہوئی اور وہ بذاتِ خود ان کے پاس آیا۔ اور گھر آنے کی دعوت دی۔ جب دستر خوان بچھایا گیا اور خدمت گزاروں نے کھانا لایا۔ ایک طباق میں بنا ہوا مُرغ تھا۔ جب حضرتِ شاہ نے ضیافت کی چیزوں کو نگاہ فرمائی۔ مُرغ والے تھال میں سے مُرغ زندہ ہوا۔ اور حضرتِ شاہ سے بولا۔ مجھے میرے مالک سے زبردستی سے لایا گیا۔ بادشاہ یہ حال دیکھ کر ششدر و حیران ہو گیا۔ اور حضرتِ شاہ کی بیعت کر کے مُرید ہو گیا۔

جب سورت بندر میں پہنچے۔ خواجہ جمال الدین معروف بہ خواجہ دیوانہ سے ملاقات کی۔ ان کی اجازت سے ان ہی کے حجرہ خاص میں ایک چلّہ کو خلوت میں بیٹھے۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت حاصل کی۔ خواجہ جمال الدین نے خواجہ بزرگ خواجہ بہاؤالدین مشکلکشا کا کمر بند اور رومال تبرک کے طور پر انہیں عطا فرمایا۔ کہتے ہیں کہ سورت بندر میں حضرت شاہ کی شہرت پھیل گئی۔ اور وہاں کے راجہ نے سُنا کہ کشمیر کا ایک بہت بڑا فقیر آیا ہے۔ اس نے امتحان کے طور پر ایک رنڈی کو رانی کے ٹھاٹھ باٹھ

سے نوکر ساتھ دے کر ہاتھی پر سوار کر کے ان کے پاس بھیجدیا۔ کنجری حضرتِ شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولی۔ کہ میں یہاں کے راجہ کی رانی ہوں۔ بے اولاد ہوں۔ مدت سے درود شریف پڑھ رہی ہوں۔ آج رات میں نے حضرتِ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ شاہ قاسم کے پاس جاؤ وہ تمہارے ننگے پیٹ پر دعا پڑھیں گے اور ایک صالح بیٹا تم کو نصیب ہوگا۔ حضرتِ شاہ نے کہا خلوت کے دن ختم ہونے کے بعد تمہارا علاج کروں گا۔ اس نے ہٹ کی۔ حضرتِ شاہ نے پوچھا۔ کیا نام ہے؟ کہا۔ بختاور۔ حضرت شاہ بولے اچھا بختاور رہی ہو۔ اور ایک لات ماری۔ بختاور بیہوش ہو کر گری۔ ہوش میں آئی۔ حضرت، شاہ نے نائی منگوا کر اس کا سر منڈوایا اور بال بادشاہ کے پاس بھیج دئے۔ بختاور نے اپنا سارا مال و اسباب فقیروں اور مسکینوں میں بانٹ دیا۔ ایک کالا کمبل پہن لیا۔ خدا کی بندگی کے لئے کمر باندھی اور خدا کے نیک بندوں میں بلند مرتبہ والی عورت ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ جب حضرتِ شاہ فتحپور پہنچے تو حضرتِ شیخ سلیم چشتی کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی۔ حضرتِ شیخ نے ان کی استعداد دیکھ کر سلسلۂ چشتیہ میں ان کو داخل کیا۔ اور سلسلۂ چشتیہ کا ارشاد عطا کر کے خواجہ معین الدین چشتی کی لکیر والی پگڑی جس کو کشمیر میں ''لونگی'' کہتے ہیں، تبرک کے طور پر بخشدی۔ سیر و سیاحت کے دن ختم ہونے پر حضرتِ شاہ واپس آئے اور کشمیر کے لوگوں کو راہِ خدا دکھانے میں مصروف ہوگئے۔ سینکڑوں بندگانِ خدا کو تعلیم و تلقین فرمائی۔ سینکڑوں بندگانِ خدا کو درجہ شہود پر پہنچایا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرتِ شاہ اپنے گھاٹ پر کشتی میں بیٹھے تھے۔ اور حضرتِ خواجہ مسعود پانپوری ان

کے ملاقات کو آئے۔شوگہ بابا ان کے ساتھ تھے۔ بات چیت میں شوگہ بابا کی زبان سے کوئی گستاخی کی بات نکلی۔ حضرت شاہ نے جلال کی نظر ڈالی۔ خواجہ مسعود نے ان کی نظر اور شوگہ بابا کے نظر درمیان ہاتھ رکھا۔ یکدم ان کی آستین میں آگ لگی۔ اور حضرت شاہ سے معافی مانگی۔ شوگہ بابا کو ڈانٹا اور کہا کہ اگر ہاتھ بیچ میں نہ رکھتا' جل کر راکھ ہو کر ڈھیر ہوا ہوتا۔ ایک دن حضرت شاہ نے پل پر جاتے ہوئے ایک سُریلی آواز سُنی۔ وجد میں آکر دریا میں گرے۔ تھوڑی دیر بعد پانی سے نکلے اور کشتی میں بیٹھ گئے۔ کپڑے بالکل سوکھے تھے۔ ایک دن ایک قصائی نے ایک گائے کو ذبح کر کے سری الگ کی تھی حضرت شاہ موقعہ پر پہنچے۔ یوں ہی سری کو گلے کے ساتھ لگایا۔ زخم جڑ گیا۔ گائے زندہ ہو گئی۔ اسی قسم کے خارق عادات بے شمار ان کے مشہور تھے۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۰۳۳ھ کشمیری ۲۹ پھاگن۔ پھاگن شدی اوّل کو انتقال فرمایا۔ علاؤالدین پورہ میں دفن کئے گئے۔ مقرب خاص تاریخ رہے۔ لکھتے ہیں کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے مقبرے پر سرکنڈے لگ گئے۔ اس نیستان کی کیفیت شاہ یعقوب حقانی جوان کے اولاد میں سے تھے۔ اپنی کتاب ''معرفتہ الحقانی'' میں یوں تحریر کرتے ہیں:۔

حضرتِ شاہ کے مرض موت کے دنوں میں ان کا ایک مرید خانقاہ معلّی میں تھا۔ کسی نے اس سے پوچھا۔ تمہارے پیر کا اب کیا حال ہے۔ مُرید نے کہا۔ بیمار ہی ہیں۔ اس آدمی نے کہا۔ خدا اس کا آخیر اچھا کرے۔ مُرید نے کہا۔ ایسے بزرگوں کا انجام کیوں اچھا نہ ہوگا۔ ایسے لوگوں کو تم جیسے آدمیوں کی کیا ضرورت ہے کہ تم دعا کرو۔ اس نے کہا کہ

تمہارا پیر ہمیشہ شریعت کے خلاف نغمہ اور موسیقی سنتا تھا۔ اسی لئے مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کیا حال ہوگا؟ مُرید پیر کی عیادت (بیمار پرسی) کو گیا۔ وہاں حضرت شاہ نے پوچھا کہ فلانی آدمی خانقاہ معلّٰی میں تمہارے ساتھ کیا گفتگو کر رہا تھا؟ سچ سچ بتانا۔ اس نے کیا کہا اور تو نے کیا جواب دیا۔ اس نے لفظ لفظ حقیقت بیان کی۔ حضرت شاہ جوش میں آئے اور فرمایا کہ میں نے عمر بھر ساز اور بانسری کو سنا۔ اگر میرا انجام بخیر ہوگا۔ تو میری مٹی سے قیامت تک نرسل اگتا رہے گا۔ اگر میرا انجام اچھا نہ ہو گا اور نرسل کے پودے میری قبر سے نہیں اگے گہن۔ تو مجھ پر نظر ین کرنا اور میری نعش کو قبر سے نکال کر مایہ سومہ کے مرگھٹ میں جلانا۔ تا کہ کوئی صوفیانہ کلام سنے والا پھر درویشی کا دعوانہ کرے۔ حضرت شاہ وفات پائے اور جوں ہی میری قبر کو ڈھانپا گیا اور فاتح پڑی گئی سر مبارک کی طرف سے ایک نرسل کی ڈنٹھل نے سر نکالا۔ ایک دن رات میں سارا مقبرہ سرکنڈوں سے سبز ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں کی ان کے قبر کے نزدیک ایک لوہار کا گھر تھا۔ اور حضرت شاہ کی عقیدت مندوں نے مقبرہ کو وسعت دینے کے لئے تھوڑی سی زمین اس سے مانگی۔ اس نے رقبہ دینے سے انکار کیا۔ دوسرے دن اس کے بھٹی میں سرکنڈا اُگا جو آگ میں سونے کا رنگ ہو گیا۔ دوسرے دن آہرن میں سے سرکنڈ انکل آیا۔ لوہار نے جب یہ حال دیکھا زمین اور گھر کو آستانے کیلئے وقف کر دیا۔ دوسری طرف سے ایک قصائی کا گھر تھا اس کی بیوی بے خبری کے موجب جھاڑو دے کر کوڑا کرکٹ، دھول راکھ بے ادبی سے مقبرہ میں پھینک دیتی تھی۔ اس کے چولھے میں سرکنڈے نکل آئے۔ قصائی گھر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور گھر کا

رقبہ بھی مقبرہ کے ساتھ شامل کیا گیا۔ محمد شریف اشائی جو حضرت شاہ کا متبنیٰ تھا۔ مقبرہ کے ساتھ ہی سکونت کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں نے مقبرہ کا ادب کرنے میں لاپروائی برتی۔ چولھے میں سرکنڈے اُگ آئے۔ جن کا رنگ آگ جلانے پر بھی نہیں بدلتا تھا۔ شاہ یعقوب کہتے ہیں کہ شراب خرید کر خواجہ حبیب کے کندھے پر اُٹھا کر لائے اور خدمت میں پیش کی۔ میاں مانک نے وضو کرنے کے برتن میں شراب ڈالی۔ اوران سے کہا۔ پی لو۔ دونوں نے پینے سے انکار کیا۔ میاں مانک نے شراب پی لی اور ڈنڈا اٹھا کر دونوں کو پیٹا اور کہا چلے جاؤ۔ تمہارے کام کا حل اسی بدعتی کے پاس ہے۔ مجبور ہو کر دونوں میر محمد خلیفہ کے پاس چلے گئے۔ جب یہ پہنچے محفل سماع گرم تھی۔ ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ چھ مہنے ناحق برباد کئے اور میاں مانگ کی مرمت کے بغیر یہاں نہ آئے۔ قوال کو اشارہ کیا۔ اوراس نے شروع کیا:

بکجار دم زدر دت چہ دوا کنم چہ چارہ!

کہ ہزار بار خون شُد جگر ہزار پارہ!

دونوں حضرات وجد میں آئے۔ اور سر دھننے لگے۔ جب محفل ختم ہو گئی۔ خلیفہ نے اپنی پگڑی مولانا کو اور اپنا کرتا خواجہ حبیب کو دے دیا۔ دونوں حضرات نے توبہ کر کے بیعت کی اور دونوں تھوڑی مدت میں درجہ علی کو پہنچ گئے۔ جب حضرت ایشان واپس کشمیر تشریف لائے۔ دونوں ان کی خدمت میں سافراز ہوئے۔ حضرت ایشان نے اپنا جامہ مبارک مولانا کو اور کتاب ''اسرار النقط'' خواجہ حبیب اللہ کو عطا کی۔ مولانا ۱۰۱۰ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔ نوشہرہ میں مُلا کبیر کے قبر کے نزدیک ان کی قبر ہے۔

خواجہ حبیب نوشہری

۹۳۶ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ تاریخ پیدائش پر مورخوں کا اتفاق نہیں۔ قرآن مجید پڑھ چکے تو ان کے باپ شمس گنائی نے نمک کی دکان پر بٹھایا۔ یہ قرآن مجید کھول کر پڑھنے لگتے تھے۔ جو لوگ نمک لینے آئے تھے۔ صندوقچی میں پیسے ڈال کر خود ہی نمک تول کر لیتے تھے۔ اور دکان خوب چمکی۔ خواجہ شمس نے دکان کی پڑتال کی دیکھا۔ کہ اچھا منافع رہا ہے۔ کچھ مدت کے بعد خواجہ حبیب ملا حسن آفاقی کے پاس کتابیں پڑھنے کے لیئے گئے۔ اور فارسی عربی میں اچھی قابلیت حاصل کی۔ اس کے بعد میر محمد خلیفہ کے پاس مُلا حسن کے ساتھ گئے۔ حسن کا بیان ملا حسن کے تذکرہ میں ہو چکا ہے اور میر محمد خلیفہ کی عنایت اور مہربانی سے روحانی ترقی اس درجہ کی کہ لوگوں کے حاجت روا ہو گئے۔ صاحبِ حال اور قال' صاحبِ ضرق عادات اور کرامات بن گئے۔ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ تبت کی طرف سے قزاق کشمیر میں حملہ کرنے کے لئے آئے اور زوجہ بال کو عبور کر کے کشمیر میں داخل ہو گئے۔ خبر ہوا کی طرح پھیل گئی۔ اور لوگ سخت پریشان ہو گئے۔ خواجہ کے پاس آنے جانے والے مضطراب حالت میں پوچھنے لگے اب کیا ہوگا۔ اب کیا کریں گے۔ مر گئے قزاق قتل و غارت' لوٹ مار کر کے اینٹ سے اینٹ بجائیں گے۔ خواجہ نے اپنے یاروں میں سے ایک کو بتا دیا۔ کہ ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر فلانی میدان میں چلے جاؤ اور تلوار کو اپنے سر پر سے اس طرح سے مارتے رہو گویا تم دشمن پر مار رہے ہو۔ وہ خدا کا پیارا رات کو میدان میں چلا گیا۔ اور حضرت خواجہ کے

فرمانے کے مطابق تلوار چلاتا رہا۔ دوسرے دن خبر آئی کہ قزاقوں کی جماعت میں سے ایک بڑی تعداد ماری گئی ہے۔ اور جو بچ گئے ہیں وہ بھاگ گئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ بادشاہ جہانگیر کشمیر آیا۔ اس کے ساتھ کافی فوج تھی یہاں غلہ کی تنگی تھی اور بادشاہ نے جھاڑا یہیں گزارنے کا ارادہ کیا لوگوں کو قحط پڑ جانے کا خطرہ لگ گیا۔ خواجہ سے بھی یہ باتیں ہوئیں۔ مُریدوں نے عرض کیا کہ اس کا سدھار کچھ ہونا چاہیے۔ ایک موچی ان کا ایک مُرید تھا جو سڑک پر بیٹھ کر پرانی جوتیوں کی مرمت کرتا تھا۔ حضرت خواجہ نے اس کو بلا کر کہا بادشاہ کو بلا درنگ کشمیر سے نکالو۔ موچی نے پھٹی پرانی جوتیاں سڑے ہوئے چمڑے کے ٹکڑے اور اپنا جندہ (ژندہ) گدھے پر لاد دیا۔ اور گدھے کو ڈنڈے مار کر آگے آگے ہانکنے لگا۔ جلدی چلو جلدی چلو۔ بادشاہ نے اسی دن دہلی واپس جانے کا حکم دیا۔ ایک دن جہانگیر نوشہرہ کی طرف چکوروں کے شکار کو گئے۔ حضرت خواجہ نے کچھ چکور پال لئے تھے اور وہ ایک چنار کے نیچے گھوم رہے تھے باز چھوڑے گئے اور انہوں نے چکوروں پر دھاوا بول دیا۔ چکوروں نے بازوں کی آنکھیں نکال دیں۔ شکاریوں نے بادشاہ کو واقعہ کی خبر دی۔ بادشاہ بھی حیران ہوا کہ کیا معاملہ ہے۔ حاضروں میں سے کسی نے سنایا۔ کہ یہ چکور خواجہ حبیب کے ہیں۔ بادشاہ ان کے ملاقات کو آئے۔ محفل سماع گرم تھی۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ اور دعا کے لئے عرض کی۔ خواجہ چُپ رہے۔ نذر گزاری انہوں نے قبول نہ کی۔ جہانگیر نے قبول کرنے کی التجا کی۔ مگر انہوں نے منظور نہ فرمایا۔ بادشاہ یہ سلوک دیکھ کر پریشان سے ہو گئے۔ اور بادشاہ کے دل میں اندیشہ اور وسوسہ

پڑگیا۔ بادشاہ کی یہ حالت محسوس کر کے خواجہ کے حقیقی بھائی خواجہ یعقوب نے پیش کش قبول کرنے کے لئے منت وسماجت کی۔ حضرت خواجہ نے بادشاہ کی خوشنودی کے لئے ایک لاکھ دمڑی (پائی) کی جاگیر قبول کی۔ جو سکھوں کے زمانے تک ان کی جاگیر تھی۔ لکھتے ہیں کہ مُلا حُسین جناز 'سماع' کے موجب خواجہ کے منکر تھے۔ اور خواجہ کے ساتھ کئی دفعہ اس کے جواز پر مباحثے ہوئے۔ اور خواجہ نے منع کیا۔ لیکن خواجہ ترک سماع نہ کر سکے۔ مولانا مُلا حُسین نے صفدر خان حاکم صوبہ دار کے پاس معاملہ پیش کیا اس نے اہل سماع کی رعایت کے موجب ٹال مٹول سے کام لیا۔ مولانا نے عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔ نائب عدالت کچھ ملازم اور رئیس ساتھ لیکر خواجہ کے گھر تحقیقات کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس وقت محفل رقص اور سرود جمی ہوئی تھی۔ محفل میں خبر پہنچی کہ نائب عدالت آرہا ہے۔ حضرت نے قوالوں سے کہا کہ موسیقی کے آلات کو اندر کے کمرے میں چُھپا کر رکھیں۔ عدالت کے ملازم آگئے۔ اور خواجہ سے کہا کہ سرکار کا حکم ہے کہ آپ شریعت کی منع کی ہوئی باتوں سے پرہیز کریں اور سماع شرع کی ممنوع کی ہوئی باتوں میں ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا ہم مانتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے عدالتیوں کو کھانا کھانے کی دعوت دی۔ کھانا تیار ہوگیا۔ اور جب کھانا لایا گیا اور اہل مجلس کھانے لگے تو اندر کے کمرے میں سازوں کے بجانے کی آواز آنے لگی۔ اہل مجلس متحیر ہو گئے اور کوٹھری کا دروازہ کھولا تو وہاں کوئی نہ تھا لیکن سارے آلات بج رہے تھے۔ یہ چشم دید حال حاکم علیٰ کو سنایا گیا۔ وہ بذاتِ خود ان کے پاس آیا اور عذر خواہی کی۔ صفدر خان کی تبدیلی پر احمد بیگ خان

کشمیر کا حاکم علی مقرر ہوا۔ مُلا حسین نے پھر اس کے پاس استغاثہ دائر کیا۔ اس نے حضرت خواجہ کو طلب کرایا۔ اور شہر کے عالموں اور فاضلوں کو بلوا کر سماع کے جواز اور گناہ پر بحث کی۔ طرفین سے جائز اور ناجائز ہونے پر دلائل اور نظائر پیش ہوئے۔ آخیر پر حضرت خواجہ نے فرمایا۔ ''ہمارے عالم مرض دور ہونے کے لئے حرام چیز کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں ہم بیمار ہیں اور اپنے مرض کا علاج بغیر سماع کے اور کچھ نہیں جانتے ہیں۔ اس لئے ہم سے باز پرسی نہ فرمائے''۔ اس بات سے دلوں پر کچھ ایسا ہوا کہ سب بول اُٹھے۔ ''معاملہ چھوڑ دیجئے''۔ اوائل ۱۰۲۷ھ ملک میں ہیضہ کی عام بیماری پھیل گئی۔ دنوں میں ہزاروں آدمی اس کے شکار ہو گئے۔ کسی کو موت کے پنجے سے چھٹکارا پانے کی امید نہ رہی۔ لوگ حضرت خواجہ کے پاس ہجوم کر کے آئے۔ انہوں نے کہا آج رات صبر کیجئے۔ میں اب خود تمہارے بدلے جاؤں گا۔ اسی رات ان پر کالرا کا حملہ ہوا۔ ۱۹ ذالحجہ ۱۰۲۷ء کو انتقال فرمایا۔ نوشہرہ محلّہ میں ان کو دفن کر کے لوگ فارغ ہو گئے۔ اور کالرا کا بھی خاتمہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ آخر وقت پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے عمر بھر سماع کا خطا اُٹھایا۔ جس طرح اس کا فائدہ اور خطا اُٹھانا لازم تھا۔ وہ پورا نہ ہوا۔ اس لئے اس کی کمی اور گناہ کی معافی کے لئے توبہ کرتا ہوں۔ شعر و سخن میں خداداد موزوں طبیعت رکھتے تھے۔ حبّی تخلص کرتے تھے۔ کشمیری میں ان کا کلام بہت بلند پائے کا ہے۔ تنبہ القلوب، مقامات حضرت ایشان، ایک دیوان جس میں قصیدے رعبایاں اور قطعے وغیرہ شامل ہیں ان کی تصنیفات میں سے مشہور ہیں۔ عرفان، ایقان، حال و قال کی دولت سے مالا مال تھے۔ خواجہ حبیب والاشان تاریخ ہے۔

میر محمود پاپنوری

مورخین کا بیان ہے کہ میر محمود پاپنوریؒ پاپنور کے میروں کے خاندان سے تھے۔ صاحب، حال اور قال تھے۔ جوانی کے اٹھان میں خدا شناسی کے ذوق میں مرشد کی تلاش کرنے لگے۔ حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کی خانقاہ معلیٰ میں جا کر مرشد رہبر کامل ملنے کی التجا کرتے تھے۔ حضرت سلطان العارفینؒ کے آستانے پر روزانہ جا کر مرشد حقیقی کامل ہونے کے لئے درخواست کرتے تھے۔ ایک رات مخدوم نے جلوہ گر ہو کر فرمایا۔ بیٹے تمہاری رہبری شاہ ابوالفتح کول کریگا۔ وہی تم کو مراد اور مطلب پر پہنچائے گا۔ چونکہ حضرت شاہ قلندر مشرب اور رند وضع تھے۔ تمبا کو بھی پیتے تھے۔ حضرت امیر نے میر محمود کو خواب میں کہا اُس بدظاہر کے پاس نہ جانا۔ دوسرے دن میر محمود درگاہ حضرت سلطانؒ پر گیا۔ اور حضرت امیر کبیرؒ کی ممانعت عرض کی۔ حضرت مخدومؒ پھر جلوہ گر ہوئے۔ اور فرمائے۔ حضرت امیر شریعت اور طریقت کے بادشاہ ہیں۔ وہ اپنے بلند رتبہ کے مطابق فرماتے ہیں۔ تمہیں اپنی استعداد کے مطابق اسی کی صحبت غنیمت ہے۔ تم جاؤ اور تربیت حاصل کرو۔ میر محمود شاہ ابوالفتح کے پاس گئے۔ پہلی ہی ملاقات پر انہوں نے ان کو حقہ دیکر کہا۔ نالہ مار پر جا کر حقہ کو تازہ پانی بھر لاؤ۔ حقہ کا پانی زمین پر نہ ڈالنا۔ خبردار حقہ کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے پائے۔ حضرت میر محمود شاہ حقہ لیکر نالہ مار پر گئے اور حقہ کا پانی پانی میں گرا دیا۔ اچانک پانی کا ایک قطرہ کنارے کے پتھر پر گرا۔ اور اس قطرے سے پتھر پر ''اللہ'' نقش ہو گیا۔ میر اس خیال سے کہ اس پر بے

خبری سے کوئی پاؤں نہ رکھے اس کو مٹانے لگے۔ تین گھنٹے گزرے لیکن نقش نہ مٹا۔ پھر ایک اور پتھر لا کر اس کو رگڑا اور چھیل کر مٹا دیا۔ اس واقعہ نے ان کے دل میں حضرت شاہ کا اعتقاد نقش بر سنگ (پتھر کی لکیر) کر دیا۔ پھر کیا تھا۔ ان کا دامن پکڑ کر سلوک کے منزلوں اور مرحلوں کو طے کرتے گئے۔ اور ارشاد کے مقام پر پہنچ گئے۔ ایک دن حضرت میر خانقاہ معلیٰ میں بیٹھے تھے۔ دیکھا کہ حضرت سید المرسلین ﷺ دنیا کے سارے ولیوں کے ساتھ نہایت شان وشوکت سے تشریف فرما ہیں۔ کمال شوق کے موجب اپنی جگہ سے اُٹھ کر کچھ قدم آگے بڑھے۔ رسالت مآب ﷺ نے عتاب سے دیکھتے ہوئے فرمایا۔ ارے بے صبر پیچھے ہٹو۔ حضرت میر تھرتھرائے اور ان کی باطنی طاقت بند ہوگئی۔ نہایت پریشان ہو گئے۔ اضطراب اور پریشانی کی حالت میں صاحب صفا لوگوں کی قبروں پر اور صاحب دلوں کی خدمت میں جا کر کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ پانے کے لئے امداد کی درخواست کرتے پھرتے تھے۔ لیکن روحانیت کا دروازہ جو بند ہو چکا تھا نہ کھلا۔ آخر پر بابا محمود سُہروردی نے امداد کی اور ان کے اتفاق سے حضرت سلطان العارفینؒ کی طرف توجہ کی۔ میر نے دیکھا کہ جرو گہ شاہی کی طرف دو خیمے لگائے گئے ہیں۔ ایک آنحضرت ﷺ کا اور دوسرا حضرت سلطان العارفینؒ کا۔ بابا محمود نے حضرت مخدوم کی خدمت میں جا کر میر کا حال عرض کیا اور حضرت مخدوم سرور کائنات ﷺ کے خیمہ میں گئے۔ اور میر محمود کا قصور معاف کرنے کی التجا کی۔ اور سید دو عالم ﷺ نے فرمایا میر کا قصور معاف کیا گیا۔ میر محمود نے جوں ہی بخشائش کا لفظ سنا۔ اس میں کھوئی ہوئی باطنی طاقت پھر پیدا ہوگئی۔ بلکہ پہلے کی نسبت

دوگنی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطان العارفین ؒ کی شفاعت اور وسیلہ داری کے موجب میر محمود کو توحید کی تعلیم خود فرمائی۔ اور اس تعلیم کی مستی اور نشہ اڑھائی سال نہ اترا۔ جب حضرت میر نے شیخ اشرف فتحکد لی کو یہی تعلیم کی۔ تو چھ ماہ تک ان پر مستی کی حالت جاری رہی ہے اور حضرت شیخ نے اپنے یاروں میں سے جس جس کو یہ تعلیم کی اس پر مدت تک مستی اور مدہوشی کی حالت جاری رہتی تھی۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت شیخ میر محمود بادۂ الست کے سرمست تھے۔ آخر عمر میں شیخ محمد اشرف کے ساتھ مولانا ابوالفتح کدلی سے بھی استفادہ کیا۔ انہوں نے کتاب ''نفسحات الالسن'' کے مطالعہ کرنے کو کہا۔ جب کتاب کو پڑھتے تھے تو بے حال ہو جاتے تھے۔ عبدالصبور کول کے ساتھ دوستی تھی۔ وفات کے بعد حضرت سلطان ؒ کی ڈیوڑھی کے نیچے دروازے کے آمنے سامنے سادات پارسیہ کے مزار میں دفنائے گئے۔

آخوند مُلا مقیم' عرف ٹوپیگرو

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ آخوند مُلا مقیم عرف ٹوپیگر وؒ خواجہ محمد فاضل ٹوپیگر و کے بیٹے تھے۔ تاریخ پیدائش ہے ۱۰۱۱ھ۔ ملا محمد محسن اور مُلا امان اللہ شہید سے عقلی اور نقلی علموں کی تربیت پا کر شمس العلماء کا درجہ حاصل کیا۔ اور تحقیق کے جھنڈے کو آسمان تک پہنچا دیا۔ لوگوں کو دینی تبلیغ دینے میں مشغول ہو گئے۔ اسی ضمن میں خدا شناسی کا شوق بڑھتا گیا۔ کتابیں وہ روح پیدا کرنے میں مدد نہ کر سکیں جو فرش سے عرش تک پرواز کی طاقت رکھتی ہیں۔ زندہ کتاب کی تلاش کی فکر دامن گیر ہوئے۔ شاہ دولت بخاری کے مرد کامل ہونے کا چرچا تھا۔ ان کی خدمت میں چلے

گئے۔ شرف قبولیت پا کر سلوک کے منزلوں اور مرحلوں کو طے کرتے گئے۔ اور خلعت ارشاد پہن لیا۔ سیف الدولہ عبدالصمد خان کے کشمیر آنے کے زمانے میں پکھلی کے راستے سے پشاور روانہ ہو گئے۔ اور اس علاقے کے عالموں، نیک مردوں اور خدا دوستوں سے ملاقاتیں کیں۔ اور ان کی صحبتوں سے فیض پا کر واپس آئے۔ فخر الدین خان کے وقت میں جموں کے راستے سے لاہور گئے۔ وہاں یعقوب خان کے بیٹے ملا شریف الدین کی وساطت سے وہاں کے حاکموں سے تعارف ہو گیا اور پنجاب کے عالموں نے ان کی علمیت کا لوہا مانا۔ لاہور اور پنجاب سے واپسی پر مفتی کے منصب پر مقرر ہوئے۔ اور کچھ مدت کے لئے محکمہ عدالت کو بھی زینت بخشی۔ آخر پر عہدوں اور منصبوں کو چھوڑ کر عبادت و ریاضت میں وقت گزارنے لگے۔ اور ان سے عجیب و غریب حالات ظاہر ہوتے رہے۔ دینی اور دنیاوی علموں سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ قابل فخر شاگرد اور مرید رکھتے تھے۔ ۱۵ شوال ۱۱۷۱ھ کو رحلت فرمائی اور اسلاف کے مزار میں سپرد خاک ہوئے۔ تاریخ ہے۔ ''ستون کعبہ دین افتاد''

(ماخوذ تذکرہ اولیائے کشمیر وغیرہ۔)

شیخ محمد اشرف فتحکدلی

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ حضرت شیخ محمد اشرف فتحکدلی شاہ محمد رضا کے بیٹے صاحب صفا لوگوں کے رہبر پرہیزگاروں کے سرتاج، علم و عمل، ریاضت و عبادت اور مجاہدہ میں بے نظیر۔ ٹوپیگر خاندان سے تھے۔ اُٹھتی جوانی میں خداشناسی کے ذوق نے خواجہ عبدالغنی لنگر کے دامن کو پکڑ

لیا۔ ان کی مہربانی سے تھوڑے ہی زمانے میں ''اطوار سبعہ'' (سات طریقوں) کے مقام اور اسیار اربعہ (چار سیر) کی سیر (منزل) قادری اور کبروی طریقوں سے طے کر کے خط ارشاد حاصل کیا۔ لیکن اپنی استعداد کی بڑھائی کے موجب خواجہ عبدالغنی لنکر کی اجازت قبل از وقت سمجھ کر کچھ مدت کے لئے اپنی ہی جگہ پر بیٹھے رہے۔ حضرت خواجہ کو کہیں سے اس بات کا پتہ چلا اور ان کے دل کو ٹھیس لگی۔ حضرت اشرف اس طرح سے بیمار پڑے کہ ان کے بچنے کی امید نہ رہی۔ اور ان کو شک گزرا کہ اس بیماری کا سبب حضرت خواجہ کی دل شکنی ہے۔ انہوں نے حضرت سلطان العارفین قدسرہٗ کی طرف رجوع کر کے التجا کی اور حضرت سلطانؒ کے اشارہ پر حضرت خواجہ نے دل سے کدورت نکال دی۔ اور حضرت نے صحت پائی۔ اس کے بعد حضرت شیخ حمزہ مخدومؒ کے آستانہ پر کثرت سے جانے لگے۔ اور مرشد کامل ملنے کے لئے درگاہ پر دُعائیں مانگتے رہے۔ ایک دن حضرت مخدومؒ جلوہ گر ہوئے۔ اور فرمایا پیارے جاؤ راستے میں تمہیں مرشد ملے گا۔ حضرت شیخ سیڑھی سے اترے اور راستے میں حضرت میر محمود پانپوری سے ملاقات ہوئی۔ ان کو حضرت مخدومؒ کا فرمان سنایا۔ انہوں نے کہا اگر انہوں نے یہ بات تم کو بتادی ہے تو پھر مجھے بھی بتادیں گے۔ میر محمود آستانے پر گئے۔ حضرت مخدومؒ نے ان سے فرمایا۔ میں نے تم کو اس جوان کے ساتھ نکاح گانٹھ لیا ہے۔ میر محمود نے مسکراتے ہوئے شیخ اشرف سے یہ بات کہی۔ میرے خیال میں اس بات کا معنیٰ یہ ہے کہ میرے اور آپ کے معاملے میں کوئی واقف نہ ہو۔ جس طرح میاں بیوی کے معاملوں میں کوئی واقف نہیں ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے

ان سے سہروردی طریقہ کی تعلیم وتربیت پاکر بلند درجہ حاصل کیا۔ اور خدائی بھیدوں اور مہربانیوں کے خزانے ان پر کھل گئے۔ لیکن خداداد وبلندی استعداد کے موجب ان کے دل کی پوری تسلی اور تشفی نہیں ہوتی تھی۔ اور وصال کے سمندر کو پی کر بھی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ ایک دن جناب میر نے حضرت شیخ سے کہا۔ مجھے خداوند تعالیٰ نے حسین منصور حلاج کا مقام عطا کر کے کائینات کا کشف بخشدیا ہے۔ لیکن میں اس بہت بڑے عطیہ کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہا۔ کیوں کہ منصور حلاج کا بیٹا حسین ایک دن رات میں نماز کی ایک ہزار رکعتیں پڑھتا تھا۔ اور مجھ سے یہ کام نہ ہوسکا۔ پھر کشف عالم خدائی جلوؤں کے لئے پردہ اور فتور کا باعث پایا۔ اس واسطے میں نے بارگاہِ الہٰی سے کشف کائنات سے چھٹکارا پانے کی التجا کی۔ میرے التماس کو اجابت ہوئی۔ اور منصور کے بیٹے کے مقام میں نکل گیا۔ کشف کا خاتمہ ہوا۔ اسی سبب سے میں نہیں جانتا ہوں کہ کس جگہ تم کو دل کی تسلی نصیب ہوگی۔ آج تک تمہارے اور میرے درمیاں پیری اور مُریدی کا تعلق تھا۔ اس وقت تم اور میں ایک دوسرے کے برابر اور بھائی ہیں۔ جاؤ جہاں کہیں تمہارے دل کی تسلی ہو تلاش کرو اور ڈھونڈو۔ مجھے بھی بتاؤ۔ حضرت شیخ مرشد کامل کے حکم سے مرد کامل کی جستجو ہر جگہ کرنے لگے۔ اور مولانا ابوالفتح کاٹلی سے کچھ بو پاکر ان کے مرتبہ کی بلندی معلوم کی۔ حضرت میر کو خبر کی اور دونوں بزرگ مولانا ابوالفتح کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حضرت مولانا نے کوئی بات پوچھنے کے بغیر فرمایا۔ کل حلقہ پر حاضر ہونا۔ دوسرے دن دونوں حضرات مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے ادھر ہی ان دونوں کے نام

بتائے۔ اور کہا آج رات سارے پانپوری حضرات نے اکٹھے ہو کر فرمایا۔
کہ میر محمود پر کسی کو قبضہ نہیں جمانے دیں گے۔ رہا عشہ بابا۔ وہ آ سکتا
ہے۔ یہ سنکر حضرت میر دلگیر ہو گئے۔ ان کی خوشدلی کے لئے حضرت مولانا
نے نفحات الانس پڑھنے کی اجازت بخش دی۔ اور حضرت شیخ مولانا سے
قادری، نقشبندی طریقے حاصل کر کے وصال کی دولت سے مالا مال
ہو گئے۔ اور انہیں اطمینان حاصل ہوا۔ اس کے بعد حضرت شیخ بابا میر
حسن خداد کے خلیفہ بابا عبدالشکور گنائی کی خدمت میں گئے۔ ان سے
سلسلہ سہروردیہ کی تربیت پا کر خط ارشاد حاصل کیا۔ الغرض حضرت شیخ
وقت کے بزرگ تھے۔ اور اس ملک کے بڑے بڑے خداداد دوستوں
سے صحبت رکھتے تھے۔ ہر صاحب دل سے طریقیت میں کچھ نہ کچھ
حاصل کرتے تھے۔ اور انہوں نے خود فرمایا کہ آٹھ برس کی عمر سے اس
وقت تک ایک لحہ کیلئے بھی ان دو باتوں سے غافل نہ رہا۔ "طالب مقصود
اور واصل مقصود" ایک بزرگ سے روایت ہے کہ وہ ساری رات آہ و نالہ
اور افسوس میں گزارتے تھے۔ کسی نے ان سے اس آہ و نالہ کا سبب
پوچھا۔ فرمائے کہ میرے دل کی تمنا ہے کہ ایک سانس شیخ محمد اشرف کی
سانس مثل مجھے حاصل ہو۔ جو مجھے حاصل نہیں ہوتی ہے۔ ان کے ہم عصر
بزرگ فرماتے تھے کہ عشہ بابا نے اپنے برابر کسی کو نہیں پایا۔ ذالك فضل
الله يؤه من يشاء (یہ عنایت خدا ہے۔ دیتا ہے وہ خدا اپنی فضل میں
سے جیسے وہ چاہے)۔ کہتے ہیں کہ ایک دن فتحکدلی گھاٹ پر وضو کرتے
تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آکر ان سے کہا کہ میر عبدالرشید بیہقی
وقت کے قطب عالم تھے۔ ایک چور نے ان کے ایک دوست کا جوتا

چرایا۔ حضرت بیہقی نے مرید سے کہا۔ چور تمہارا جوتا عالی کدل میں تمہارا جوتا بیچ رہا ہے۔ دوڑ کر جاؤ اور اس سے اپنا جوتا لے لو۔ مرید دوڑا اور اپنا جوتا واپس لے لیا۔ خدا نے اس بات کی افشا کرنے پر حضرت سید سے قطبیت واپس لے لی۔ اور تمکو بخشی۔ مبارک ہو۔ شیخ نے کہا اگر میں نے قطبیت کی لیاقت پیدا کی ہے تو پھر میری دُعا قبول ہوگی۔ اسی وقت ہاتھ اُٹھا کر دعا کی ''یا الٰہی اس کی خطا اپنی مہربانی سے معاف کر اور قطبیت کا خلعت اسے پھر پہنا دے۔'' کہتے ہیں کہ حضرت شیخ کی دعا قبول ہوگئی۔ اور حضرت سید کو پھر قطب عالم کا مرتبہ دیا گیا ہے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ اپنے مخلص مریدوں اور دوستوں کے ساتھ حقیقت آگاہی کی باتوں میں مشغول تھے۔ اور ان پر عجیب حالت واقع ہوئی۔ جب اس حال سے واپس آئے۔ فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ آثارِ شریف زیارت حضرت بل میں بے شمار لوگ ''موئے مبارک'' کے دیدار کے منتظر ذوق وشوق سے درود پڑھ رہے تھے۔ اچانک حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک سے ڈولی میں سوار ہو کر نکلے اور شہر کا رُخ کیا۔ لوگ ان کے ساتھ درود خوانی کرتے ہوئے چلے جب تک جھیل ڈل کے ستھو (بنڈ) سے پار آئے۔ ڈولی میں بیٹھے ہوئے صاحب نے دوسرا جلوہ اختیار کیا اور لوگوں نے یا غوث اعظمؒ شور فریاد اُٹھا۔ یا کچھ دور چل کر ڈولی والے نے اور ہی جلوہ دکھایا اور لوگوں نے یا حضرت امیر کبیرؒ زور زور سے پکارنے لگے۔ کچھ دور آگے بڑھ کر ڈولی والے صاحب نے ایک اور رُخ دکھایا اور سارے لوگ یا حضرت مشکل کُشاؒ کہکر پکارنے لگے۔ جب فتحکدل پر پہنچے حضرت نے اور ہی شکل اختیار کی اور ساتھی یا حضرت سلطان العارفینؒ

کے نعرے لگانے لگے۔ جب ڈولی میرے گھر کے صحن میں پہنچی۔ جو صاحب ڈولی سے نکلے وہ میں ہی تھا۔ کہتے ہیں کہ آخر عمر میں حضرت شیخ سے ایک دوست نے پوچھا۔ حضرت اس وقت کا قطب عالم کون ہے؟ انہوں نے فرمایا وہ شخص جوان ہی دنوں میں دنیا سے نقل کرے گا۔ اور اس کی نماز جنازہ دو دفعہ پڑھی جائیگی۔ کچھ دن ہی گزرنے پر حضرت شیخ کا انتقال ہوا۔ اور خانقاہ معلیٰ کے صحن میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جب نعش مرگزار میں پہنچی۔ لوگوں میں اختلاف ہوگیا۔ کچھ کہنے لگے کہ نماز جنازہ میں تین ہی تکبیریں پڑھی گئیں۔ کچھ کہنے لگے نہیں پوری چار۔ اختلاف بڑھ گیا۔ اختلاف دور کرنے کیلئے مولانا شیخ اکبر ہادی نے مدفن ہی میں دوبارہ نماز جنازہ پڑھادی۔ اور جس شخص نے حضرت شیخ سے قطب عالم کے بارے میں سوا کیا تھا۔ نعرے لگا کر بے ہوش ہوگیا۔ اور ہوش آنے پر حقیقت بیان کی۔ حضرت شیخ نے شروع میں بابا بقائی شاہ آبادی سے دینی تعلیم حاصل کی تھی۔ اور آخر عمر میں شیخ محمد یحییٰ رفیقی سے صحیح بخاری کا مطالعہ بدرس کیا۔ آخر ختم تعلیم پر فرمایا۔ مجھے ''فنافی الرسول'' کا مقام پیروں کی تعلیم سے حاصل ہوا تھا۔ الحمدللہ اب اس کی پوری تکمیل ہو گئی۔ نقل ہے کہ حضرت شیخ کو ایک دن یاروں نے مثنوی پڑھانے پر متوجہ کیا اور انہوں نے مان لیا۔ مثنوی کا پہلا بیت شروع ہوا۔ تین دن بحث رہی اور تشریح تشنہ ہی رہی۔ فرمائے درس مثنوی یہی ہے۔ ورنہ آپ اور ہم عام باتوں کو سمجھنے میں برابر ہیں۔ یاروں نے دیکھا کہ حضرت شیخ کو مثنوی پڑھانے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اور انہوں نے پڑھانا بند کیا۔ حضرت شیخ کا سارا وقت شریعت اور طریقیت کے کاموں، توحید اور

تصوف کی کتابوں کا مطالعہ' لوگوں کی رہبری اور رہنمائی میں گزرتا تھا۔ مطالعہ میں اکثر بار وجد و حال کی نشانیاں ان سے ظاہر ہوتی تھیں۔ جب معرفت اور حقیقت بیان کرنے پر زبان کھولتے تھے۔ تو سننے والے بے خود ہو جاتے تھے۔ حضرت شیخ اکبر ہادی فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ نے ''نفی و اثبات' کے معنی یوں بیان کئے لا معبود الا اللہ۔ ہر مکان اور ہر زبان میں حقیقی معبود وہی ہے۔ مسجد میں' بت خانہ میں' کعبہ میں' آتشکدہ میں۔ حقیقت میں ہر ایک عبادت گزار چاہے وہ مسلمان ہے یا کافر اسی کی پرستش اور بندگی کرتا ہے۔

رباعی

یک لمحہ نہ رخسار تو در خانہء کعبہ!
یک تار سر زلف تو در دیر مغان است!
زان رُدست گر انجا ہمہ لبیک د نفیر است
زان موست کہ ایجا ہمہ فریاد فغان است

رباعی میں معشوق حقیقی کے حسن کے دو نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ ''رخسار اور تا زلف'' دونوں ایک ہی ذات کے حسن کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن یہ دو نمونے اسلام اور کفر کے فرق کو بھی دکھاتے ہیں۔ کعبہ میں ''رو'' کا جلوہ ہے۔ دیر و مغان میں وحدت ہی وحدت ہے۔ دوسرے میں کثرت ایک میں نور ہے۔ دوسرے میں ظلمت بہر حال رباعی کی روح کو ٹٹولنے سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ تشریح کی گنجائش نہیں۔ مترجم

(درحقیت یہ ہے کہ چیز کی تعریف چیز بنانے والے کاریگر کی تعریف ہے۔ بت کی پوجا پتھر کی پوجا حقیقت میں نہیں بلکہ پتھر پیدا کرنے والے

کی۔ضرورت ہے حقیقت آگاہی کی۔ گمراہی حقیقت آگاہی سے بے خبری ہے۔اس لئے مسلمان یا بت پرست جب تک حقیقت سے آگاہ نہیں۔گمراہ ہیں۔) لامقصود الا اللہ۔حقیقت اور اصلیت میں ہر ایک کا مقصود ہر حال میں وہی ہے۔سب اسی کو ڈھونڈتے ہیں۔باخبر بھی اور بے خبر بھی۔باخبر اور آگاہ کو خبر اور واقفیت ہوتے ہوئے بھی اس کی تلاش ہے اور بے خبر کو بے خبری اور غفلت میں ہوتے ہوئے بھی اسی کی جستجو ہے۔

رُباعی

میل خلق عالم تا ابد
گر شنا سند ت و گر نہ سوی تُست
جز ترا چون دوست نتوان یافتن
دوستی دیگران بر بوی تُست ع: اَ
دوست دارم خویش را تا دوست میدارم ترا

جو تم کو پہچانتے ہیں اور جو تم کو نہیں پہچانتے ہیں سب کی چاہت تم ہی ہو۔تمہارے سوا جب کسی دوست کو پانا ممکن نہیں اس واسطے دوست رکھتا ہوں۔تاکہ تمہاری دوست حال کرسکوں۔ لا موجود الااللہ ساری ذاتیں اور ساری چیزیں۔دنیا کے سارے ذرّے اس کے وجود ہونے سے موجود ہیں۔تنزلات وجود کے اعتبار سے عالم کے ذرات کا وجود ہی اصل وجود ہے۔اور اسی کا وجود ہے۔اس کے بغیر خود کسی کا وجود نہ تھا۔اگر ''غیر'' کے لفظ کو بھی استعمال کریں گے تو پھر بھی اس کے معنی وہی ہے۔ موجودہ سائنس کا آخری مسلہ اس پر غور کرنے سے حل ہوتا ہے۔(ماخوذ ازتذکرہ اولیائے کشمیر وغیرہ)

شاہ ابوالفتح گانکنی عرف کولؒ

مورخین کا بیان ہے کہ شاہ ابوالفتح گانکنی عرف کولؒ اس ملک کے دولت مند صاحب عزت بڑے لوگوں میں سے تھے۔ عشق الٰہی کی کشش نے شیخ صالح لاہوری کی خدمت میں کشاں کشاں پہنچا دیا۔ طریقت اور حقیقت سے آگاہی پائی۔ صاحب حال اور کمال بنے۔ عجیب سوز و گداز رکھتے تھے۔ زیادہ تر مست اور مدہوش رہتے تھے۔ قلندری پسند تھی۔ زیادہ تر تمباکو پیتے تھے۔ عالمگیر نے ان کے خادموں کے لئے جاگیر مقرر کی تھی۔ کہتے ہیں کہ عالمگیر نے ایک دفعہ کشمیر کے تمام جاگیرداروں کی جاگیریں ضبط کیں۔ اور حضرت شاہ بھی اسی ضد میں آگئے۔ انہوں نے خدمت گزار سے کہا۔ ایک سیر چاول اور مٹی کی ہانڈی ساتھ اُٹھا کر میرے ساتھ چلو۔ لیکن چلنا اسطرح کہ جہاں میں پاؤں رکھوں میرے پاؤں کے نشان پر تم بھی پاؤں رکھنا۔ تاکہ پادشاہ کے پاس جہاں آباد جائیں گے۔ دیگر کے وقت جہاں آباد پہنچے اور اونٹوں کے طویلہ کے پاس ٹھہر کر خادم سے چاول پکانے کو کہا۔ وہ روٹی پکانے میں لگ گیا۔ ایک ہاتھ سے چمچے کا کام لیتا رہا اور دوسرے سے ڈھکنے کا۔ حضرت شاہ اونٹوں کو دیکھ رہے تھے۔ اور ان کی نظر سے سارے اونٹوں نے بدمست ہو کر رسیاں کاٹ ڈالیں۔ اور میدان مین بھاگے۔ اونٹ دیوانہ ہو گئے۔ نوکر قابو نہ کر سکے۔ اصطبل کا داروغہ ڈوڑتا ہوا بادشاہ کے پاس گیا۔ اور اس کو سنایا کہ طویلہ پر ایک جادوگر آیا ہے اور اس نے جادو سے سارے اونٹ دیوانہ کئے ہیں۔ بادشاہ نے وزیر کو تحقیقات کے لئے بھیجا۔ وزیر نے حضرت شاہ سے

حقیقت دریافت کی۔ اور جا کر بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے حضرت
شاہ کو اپنے پاس بلا کر آنے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا۔ حضور نے کس
وجہ کی بنا پر مسکینوں اور محتاجوں کو محفوظ نہ رکھا۔ میں زمیندار تھا۔ میں نے
خرچ کیا۔ حضرت خواجہ فرماتے تھے۔ مجھے بارگاہ الٰہی سے بخشائش عطا
ہوئی ہے۔ میں نے اسی طرح محفوظ رکھیں۔ حضرت مخدوم نے تجارت
کر کے اس کو بڑھایا۔ حضرت مخدوم فرماتے تھے کہ میں نے اور اس
نے (خواجہ طاہر نے) مساوی درجہ کی خدمت کی۔ مجھے تو صرف مزدوری
دی گئی۔ اور اس کو ایک تو مزدوری ملی اور پھر انعام ملا۔ کچھ مورخوں کا خیال
ہے کہ حضرت خواجہ کچھ مدت کے لئے قطب الاقطاب تھے۔ (وقت کے
مالکِ کل تھے)۔ ایک دن یعقوب خان چک ان کے پاس آیا۔ راستے
میں نوکر کو کہہ رکھا۔ کہ جب میں اشارہ کروں تو حضرت خواجہ کو قتل کرنا۔
یعقوب خان حضرت خواجہ کے پاس اندر چلا گیا۔ انہوں نے برتن میں
کچھ انڈے لا کر اس کے پاس رکھ دئے۔ اس نے انڈوں کو چھلکا اُٹھانے
کے بغیر ہی کھالیا۔ اور رخصت چاہی۔ باہر آکر نوکر نے پوچھا۔ آپ کیوں
پیلے پڑ گئے ہیں؟ اور آپ نے اشارہ کیوں نہ کیا ہے۔ کہا میں نے مجلس
میں ایک منہ کھولے ہوئے شیر کو دیکھا ہے۔ اور میں سخت ڈر گیا۔ کہ مجھ پر
حملہ نہ کرے۔ ایک دن ملک مسعود کے مسجد کے امام نے ان کے پاس
تنگدستی کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا لوگوں کے خوابوں کی تعبیر بتایا
کرو۔ اسی وقت اس کو خوابوں کے تعبیر بتانے کا ملکہ پیدا ہو گیا۔ اور لوگوں
کے خوابوں کی تعبیر بتانے لگے۔ افلاس دور ہو گیا۔ ایک دن اشائی مسجد
کے امام نے آزمائش کے طور پر عرض کی۔ مجھے کوئی چیز عطا کریں۔ جس

سے مردہ زندہ ہو جائیں۔ حضرت خواجہ نے اپنی چٹائی کا ایک تنکا کاٹ کر دیا۔ اس نے ٹھٹھا سمجھ کر پگڑی میں رکھا اور جناب سے رخصت لے کر نکلا۔ کچھ قدم چلتے ہی راستے میں مری ہوئی چڑیا نظر آئی۔ تنکا پگڑی سے نکال کر اس پر رکھ دیا۔ چڑیا زندہ ہوگئی۔ اور تنکے کو چونچ میں لے کر اڑ گئی۔ امام صاحب حیران ہو کر دیکھتے ہی رہ گئے۔ لکھتے ہیں کہ ان کے ایک اخلاص مند نے اپنے حال کی سختی اور تنگدستی کا گلہ ان کی خدمت میں آ کر کیا۔ انہوں نے فرمایا شام نماز کے وقت سجدے میں آج کے دن سے تم کو روزانہ ایک ایک اشرفی ماتھے کے نیچے ملتی رہے گی۔ اس کو عیال پر خرچ کیا کرو۔ دوسرے دن کے لئے اس میں سے کچھ بھی نہ رکھو۔ مدت تک اشرفی (سونے کا پونڈ) ملتی رہی۔ ایک دفعہ اس نے پانپور سے زعفران کی کچھ کیاریاں خریدیں۔ سجدے میں اسی شام سے اشرفی بند ہوگئی۔ شیعہ حاکموں کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے دنوں اس ملک کے اکثر عالم اور فاضل، صالح اور بزرگ یہاں سے ہجرت کر گئے۔ حضرت خواجہ شہر چھوڑ کر مراج کے کوہستانوں میں نو برس رہ کر گوشہ نشینی کرتے رہے۔ اس علاقے کے بے شمار لوگ ان کے فرمانبردار اور مُرید ہو گئے۔ کچھ مدت لورہ گام، کولی اور میرن گزارا۔ یہ پرگنہ اولر کے گاؤں ہیں۔ اور کچھ مدت پرگنہ کوٹھار کے گاؤں سامورن میں گزارا۔ اور پھر شیخ یعقوب صرفیؒ اور بابا داوود خاکی کے ساتھ شاہ آباد پہنچے۔ اور آدرسہہ کے گھر میں جو اس علاقے کا رئیس تھا کچھ دیر ٹھہرے۔ آدرسہہ مسلمان ہو گیا۔ یہاں سے شیخ یعقوب صرفیؒ اور بابا داوود خاکیؒ اور یہاں کے بڑے بڑے رئیس ہندوستان گئے۔ اور اکبر بادشاہ کی فوج ساتھ لا کر کشمیر آئے۔ اور ملک کو

شیعوں (چکوں) کے ہاتھوں سے چھڑا دیا۔ لکھتے ہیں ہجرت کے موقعہ پر جب اولر کے علاقہ میں تنہا پہنچے۔ تو کاٹنے والی ایک جھاڑی کے نیچے چالیس دن خلوت نشین ہو گئے۔ اکتالیسویں دن ایک روشن ضمیر بوڑھے نے بہت دور ٹیلے پر نور کی روشنی چمکتی ہوئی دیکھی۔ یہ دوڑتا ہوا موقعہ پر پہنچا۔ اور حضرت خواجہ کو خاردار جھاڑی سے نکال کر اپنے گھر لایا۔ جہاں انہوں نے چھ مہینے گزارے۔ ایک دن نہر کے کنارے وضو کرتے تھے۔ آدھی جلی لکڑی بہتی ہوئی آئی۔ انہوں نے اُٹھا کر کنارے رکھ دی۔ درویش بوڑھا وہیں تھا۔ اس نے التماس کی اس کو اپنے ہاتھ سے لگائیں۔ اس کے کہنے پر حضرت خواجہ نے لکڑی کو زمین میں گاڑ دیا۔ وہ چنار آج تک سرسبز ہے۔ جب شیعوں کے غلبہ کا خاتمہ ہو گیا۔ جناب شہر آ گئے۔ اور فتحکدل میں سکونت اختیار کی۔ لوگوں کو ظاہری اور باطنی فیض پہنچانے میں مشغول ہو گئے ۹۹۶ھ میں ایک خانقاہ تعمیر کیا ور لنگر جاری کیا۔ غرہ ماہ ذالحجہ ۱۰۰۱ھ رحلت فرمائی۔ اور فتحکدل میں دفن ہوئے۔ جہاں ان کی زیارت مشہور ہے۔ ''شیخ الاولیاء اور شیخ کامل'' تاریخ وفات ہے۔ (ماخوذ از تذکرہ اولیاء کشمیر وغیرہ)

حاجی احمد قادریؒ

علمائے سیر و اخبار کا بیان ہے کہ حضرت حاجی احمد قادریؒ حضرت مخدوم عباس ملتانی کے بیٹے اور خلیفہ، حافظ کلام اللہ، حقیقت اور معرفت کے سمندر کے غواص علوم ظاہری اور باطنی میں کامل اور فاضل مرید مخدم زکریائی ملتانی تھے۔ روحانی صفائی اور خدا شناسی میں بڑی شان رکھتے

تھے۔ اُٹھتی جوانی میں مولاطلبی کی جلن اور عشق نے ملک ملک میں پھرا دیا۔ ہر ملک کے بڑے بڑے بزرگ اور خدا دوستوں سے دوستی کی۔ جب دل کے آئینہ کومعرفت والے لوگوں کی صحبت اور بدنی ریاضت وعبادت کی صتیصل سے صاف کیا۔ دل کے دامن کو ماسوااللہ سے لپیٹ کرتارک دنیا ہو گیا۔ ایک کالے کمبل کے جونٹوں سے بند رہتا تھا۔ کندھوں پر پالتے تھے۔ یہ مرحلہ گزرنے کے بعد شادی کر کے لاہور کے صوبہ میں کچھ مدت سکونت فرمائی۔ وہاں شیخ محمد ماہ روشن وضاحت کے ساتھ علم قرأت کے سارے طریقوں کو سیکھا۔ اور پھر اپنے دوستوں اور محبوں کو اس علم کی تعلیم دینے لگے اور ہر جگہ کے علم وقرأت کے شائقوں کو رہنمائی کی۔ جب شیخ بابا داوود خاکی طریقت کے پیروں اور اولیاء کرام کے مقبروں کی زیارت کرتے ہوئے لاہور پہنچے تو مخدوم احمد قاری سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اور دونوں نے آپس میں برادری اور دوستی کا عہد و پیمان باندھا۔ اور حضرت خاکی کی ترغیب اور اصرار پر اس بزرگوں کے سرتاج نے کشمیر آنے کا ارادہ کیا۔ یہاں پہنچ کر جب حضرت محبوب العالمؒ کی فیض بخش ملاقات سے فیض یاب ہو گئے۔ تو یہیں رہنے کا ارداہ کیا۔ اس وقت کے کشمیری ث۔ ص۔ س۔ ن۔ ط۔ ذ۔ ز۔ ظ۔ ع۔ ء۔ ق۔ ک۔ ح۔ ہ کے پڑھنے میں فرق نہ کر سکتے تھے۔ حضرت قاری کی توجہ سے سینکڑوں قرآن خانوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم وقرت میں کافی مہارت حاصل کی۔ سینکڑوں طالبان راہ خدا ان کی رہنمائی سے فائدہ مند ہوئے۔ سینکڑوں کو ظاہری اور باطنی فیوض سے مستفید کیا۔ حالانکہ حضرت قاری لوگوں کے ساتھ زیادہ ملنے جلنے سے پرہیز کرتے

تھے۔اور صرف تعلیم قرآن کے وقت لوگ ان کے دیدار سے منور ہوتے تھے۔غازی خان چک شیعہ ہونے کے باوجود ان کا معتقد تھا۔اور مرزا ابو المعالی کے حملہ کے وقت ان کی دعا کی برکت سے فتح پائی۔اور ایک ہزار اشرفی ان کی خدمت میں پیش کی۔ لیکن انہوں نے لینے سے انکار کیا۔ایک دفعہ حضرت قاری ایک کفن چور سے قید خانہ میں ملے۔اس سے پوچھا کیا تم نے اپنے اس پیشے میں مرد و زن کے متعلق کوئی عجیب و غریب بات کبھی دیکھی ہے۔؟اس نے کہا ایک دن میں قبر میں اترا۔مجھے ایک طرف سے ایک نورانی کوٹھری دکھائی دی۔اور قبر والا ایک اونچے تختہ پوش پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا۔ اور طاقچہ سے کفن اُٹھا کر مجھے دیدیا۔دوسرے ایک دفعہ ایک عورت کی قبر کھولی اور دیکھا کہ اس طرح اس کو عذاب دیتے تھے اور اس قسم کی عذاب بیان کئے کہ حضرت مخدومی ان کے سننے کی تاب نہ لاسکے۔ پھر کفن چور سے پوچھا۔کہ مرد کہاں کا رہنے والا تھا؟ اس نے اس کا پورا پتہ بتایا۔حضرت مخدومی اس متوفی کے گھر گئے۔اور اس کی بیوی سے اس کی زندگی کا حال دریافت کیا۔عورت نے کہا۔''میرا متوفی شوہر اپنا اکثر وقت قرآن خانی میں گزارتا تھا۔ رات بھر نمازیں پڑھتا تھا۔اس کی عبادت عاجزی' انکساری کی عبادت تھی۔خیرات دینے پر فخر نہ کرتا تھا۔زکوۃ دینے پر مست نہ کرتا تھا۔ہر کام خدا کی رضامندی کیلئے خلوص سے کرتا تھا۔حضرت مخدومی فرماتے تھے کہ میں نے ایک ملاح (ہانجی' کشتیان) کو دیکھا۔جس نے دنیا ترک کی تھی۔ میں نے سبب پوچھا۔کہا میں نے ایک رات دریا میں ایک مردے کو دیکھا۔اور فرشتوں کی جماعت نے اس کا نام اور اس کی ماں کا نام پکار کر

آواز دی۔ مردہ زندہ ہو گیا۔ مئوکلوں نے اس کو باندھ کر سخت عذاب دئے۔ اور صبح ہوتے ہی مردہ اپنی جگہ آ کر گرا۔ یہ دیکھ کر میں نے ترک دنیا کیا۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت مخدوم احمد قادری وقت کے یگانہ تھے۔ ۸ رمضان المبارک سنہ ۹۶۹ ھ کو دنیا سے رحلت فرمائی۔ نومسجد کے متصل محلّہ قطب الدین پورہ میں دفن کئے گئے۔ تاریخ وفات توفی اعلم القرا ہے۔

بابا مسعود نروری

اصحاب توریخ کا بیان ہے کہ نصرت باب مسعود نروریؒ شہر کے شریفوں اور بڑے امیروں میں سے تھے۔ ملک التجار لقب تھا۔ ساتھ ہی خدا پرستی کی بھی خلش تھی۔ ان دنوں میں شمس عراقی کا شہرہ ہر طرف ہو رہا تھا۔ اور وہ اپنے کو بابا اسمٰعیل کا مُریداور خلیفہ کہکر مذہب شیعہ کو فروغ دے رہا تھا۔ بابا مسعود بھی اس سے ملنے کے لئے ایک دن گھر سے نکلا۔ اور راستے میں ایک آدمی ملا۔ اس نے بابا کو جڈی بل عراقی کے پاس جانے سے روکا۔ اور اپنے ساتھ بلبل لنکر حضرت میر سید احمد کرمانی کی خدمت میں لے گیا۔ ان کی نظر کیمیا اثر سے بابا کو کچھ اطمینان سا حاصل ہوا۔ اور آنجناب کے فرمانے کے موجب رات کی نماز استخارہ پڑھ کر سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل الحیات کشتی میں بیٹھے ہیں۔ اور سارے سُہر وردی حضرات گردنوں میں رسیاں ڈال کر کشتی کو کھینچ رہے تھے۔ بابا مسعود کو بھی گردن میں رسی ڈال کر کشتی کو کھینچے کی اجازت ملی۔ دوسرے دن حضرت میر سید کرمانی کی خدمت میں جا کر خواب بیان کیا۔ انہوں نے مبارک بادد ی۔ اور سہروردی

طریقہ کی تعلیم اور تلقین فرمائی۔ اسی دن مال و دولت، جاہ وحشمت امیری اور دولت مندی کا خیال دل سے مٹ گیا۔ اور معبود حقیقی کی یاد نے اس کی جگہ دل میں جگہ لی۔ آنجناب کی تربیت اور تعلیم اور توجہ ذاتی ریاضت اور مجاہدہ سے دنوں میں سلوک کے منزل اور طریقت مدارج طے کرتے گئے۔ اور نیک بختی، خوش قسمتی اور سعادت مندی کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ مرشد بزرگوار کی خدمت جیسی چاہئے تھی۔ دیسی بجا لاکر اس کی خوشنودی حاصل کی۔ مرشد بزرگوار کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ارجمند میر سید مسافر سے حضرت بابا کو خط ارشاد ملا۔ حضرت میر کے خلیفہ سید جلال الدین کی صحبت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ حضرت سلطان العارفینؒ ان کے بلند استعداد اور مرتبہ کا اکثر ذکر فرماتے تھے۔ کچھ گراں بہا تبرکات جو حضرت میر احمد سید کرمانیؒ کو اپنے بزرگوں سے ملے تھے۔ اور انہوں نے اپنے ساتھ کشمیر لائے تھے۔ میر سید مسافر نے خط ارشاد عطا کرتے وقت وہ تبرکات بھی خواجہ مسعود کو عطا فرمائے۔ اس وقت نرورہ میں موجود ہیں۔ ایک مقفل سربستہ ڈبہ ہے۔ جس کو کھولنے کی کسی نے بات نہیں کی ہے۔ روایت ہے کہ اس میں حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کا ڈوپٹہ ہے۔ شہداء کربلا کے خون آلودہ جامہ ہے۔ دوسرا تبرکات سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰاۃ کا نعلین مبارک ہے۔ تیسرا تبرک جھنڈے کا پنجہ ہے جو سرور کائنات جنگوں میں ساتھ رکھتے تھے۔ خواجہ مسعود کا مقبرہ نرورہ میں ہے۔

شیخ محمد فاضل زونیمری

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ شیخ محمد فاضل زونیمریؒ شیخ غازی الدین کے پوتے اور شیخ موسیٰ کے بیٹے تھے۔ بچپن میں باپ کے ستانے اور اُستاد کے دُکھانے سے لار کے علاقے میں بھاگ گئے۔ راستے میں جناب، رسول اکرم چار یار با صفا کے ساتھ جلوہ گر ہوئے۔ حضرت شاہ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے طریقت کی تربیت فرما کر اور آنکھیں بند کر کے پھر اپنے گھر میں پہنچا دیا۔ دوسرے دن والد بزرگوار کے ساتھ اپنے چچے شیخ یعقوب چھتہ بلی کے پاس جا کر ان سے تربیت لی۔ اور یاد خدا میں مشغول ہو گئے۔ پھر گھر کے پاس ہی گپھا کھود کر بارہ برس اسی مین عبادت، ریاضت اور نفس کشی میں بسر کیئے۔ ہفتہ کے بعد کچھ چاول منہ میں ڈال کر افطار کرتے تھے۔ اور بدن کا چمرہ بوسیدہ ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ غار میں حضرت شیخ مخدوم حمزہؒ جلوہ گر ہو کر انہیں تعلیم و تلقین سے سرافراز کرتے رہے۔ اور ارشاد کی اجازت بخشی۔ حضرت محبوب سبحانی جناب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے جلوہ گر ہو کر سلسلہ قادریہ کی اجازت عطا کی۔ اور حضرت خضر علیہ السلام ہمیشہ انہیں فیض پہنچاتے رہے۔ سلوک کے مرحلوں اور منزلوں کو طے کر کے ملکوت و لاہوت کے مقام کی سیر کو ختم کے وصال کے درجے کو حاصل کر کے غار سے نکلے۔ اور خلق خدا کی فیض رسانی اور فائدہ دہی میں مشغول ہو گئے۔ محتاجوں اور مطلب مندوں کے حاجت روا اور مشکل کُشا بن کر ان کی امداد کرنے لگے۔ بیماروں اور مریضوں کو درد کی جگہ تھوک ملتے ان کی بیماری اسی وقت دور ہو جاتی تھی۔

کہتے ہیں کہ قاضی حیدر کے بیٹے نے تھوک سے بیماروں کو شفا بخشنے پر اعتراض کیا اور خود وہ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ جب علاج ومعالجہ سے کچھ نہ بنا تو ناچار ان کی خدمت میں آئے۔ اور حد سے بڑھ کر عاجزی کی۔ انہوں نے منہ کا پانی اس کے چہرے پر ملا۔ اور کوڑھ کی بیماری سے نجات پائی۔ لکھتے ہیں کہ ابراہیم خان (شیعہ) والی کشمیر کی لڑکی کو بھوت لگ گیا تھا۔ اور وہ چیختی چلاتی اور سر کے بال نکالتی تھی۔ کہیں سے کچھ نہ بنا۔ آخر ان کے پاس لائی گئی۔ اور ان کی نظر سے بھوت کا تصرف نکل گیا۔ اس قسم اور اس سے بڑھ کر ان کی کرامتیں لوگوں میں مشہور تھیں۔ اور ان کے فیض و برکت کے ممنون بے شمار لوگ تھے۔ ۱۰ محرم ۱۱۱۵ھ (یوم عاشورہ) کو واصل جنت ہوئے۔ زونیمر کے محلّہ میں دفن ہیں۔ تاریخ وفات: ''شیخ الدہر'' ہے۔ (ماخوذ تذکرہ اولیاء کشمیر وغیرہ)

بی بی للہ عارفہ

تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ بی بی للہ عارفہ کئی ناموں سے مشہور ہے۔ لَل دید، للہ جی، للہ ایشوری، وغیرہ۔ ساتویں صدی ہجری میں سوپور گاؤں کے ایک پنڈت گھر میں پیدا ہوئی۔ یوم ولادت اور تاریخ کا درست پتہ نہیں۔ بچپن ہی سے اس کا حال اور ہی طرح کا تھا۔ غیبی آوازیں سنتی تھی۔ اور مقدس روحیں نظر آتی تھیں۔ بالغ ہونے کو تھی اور اس کی شادی پانپور میں کی گئی۔ شادی تو ہو گئی لیکن نہ تو میاں جی سے نہ سسر اور ساس سے اور نہ دوسروں سے محبت پیدا ہو گئی۔ سوچ میں ڈوبی ہوئی تنہا بیٹھا کرتی تھی۔ بہت کم بولتی تھی۔ اگرچہ گھر کا کام کاج سارا کرتی تھی پھر

بھی اس کے خاوند اور اس کی ساس کو اس سے نفرت تھی۔ اور دونوں اس کو ستانے لگے۔ مارتے تھے، بُرا بھلا کہتے تھے اور یہ چُپ چاپ سب کچھ سہتی تھی۔ اس کی ساس اس کے تھال میں نیچے گول پتھر رکھتی اور اس پر تھوڑا سا بتہ ڈال کر اس کو دیا کرتی تھی۔ چاول کے کچھ دانے کھا کر یہ برتن اور پتھر دونوں کو دھو کر ساس کے پاس رکھ چھوڑتی تھی۔ اور کسی سے یہ بات نہ کہتی تھی۔ ایک دن للہ کے سسرال والوں نے ایک بھیڑ ماری تھی۔ ایک پڑوسی نے اس سے کہا آج پیٹ بھر گوشت اور بتہ کھایا ہوگا۔ للہ نے جواب دیا جو مارا ہے اپنے لئے مارا ہے۔ للہ کے تھال میں سے کبھی گول پتھر دور نہ ہوگا۔ للہ کی ہر بات قدرتی طور پر شاعرانہ انداز اور لہجے میں ہوتی تھی۔ للہ کا سسر دیور پیچھے سے بات سن رہا تھا۔ اور وہ اس کا سراغ نکالنے پر آمادہ ہوا۔ اور جب للہ کو کھانا دیا گیا۔ اس نے تھال سے گول پتھر نکال دیا۔ اور بیوی کو سخت ملامت کی۔ اب کیا تھا ساس بہو کی جان کی دشمن ہوگئی۔ اور اس پر تہمتیں باندھنے لگی۔ بیٹے کو بدظن اور بدگمان کرنے لگی۔ للہ بہت سویرے اُٹھتی تھی دریا پر جا کر نہا دھو کر پانی کا گھڑا گھر لاتی تھی۔ ایک دن یہ کچھ تھوڑا سا زیادہ سویرے اُٹھ کر گھڑا لیکر دریا پر گئی۔ اور کچھ دیر زیادہ وہاں ٹھہری۔ ساس نے بیٹے سے کہا دیکھتے ہو میں جو کچھ کہتی ہوں سچ ہے یا جھوٹ۔ اتنی دیر باہر رہنے کا کیا معنی ہے۔ وہ بد گمان تھا ہی۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں اس کو بدکاری کرتے ہوئے پکڑوں گا۔ ہاتھ میں لاٹھی لیکر دریا کی طرف نکلا۔ للہ نے گھڑا سر پر رکھا تھا۔ اور پانی لیکر ادھر ہی آرہی تھی۔ یہ تو غصے میں تھا ہی بغیر کوئی بات پوچھنے کے ڈنڈے کا ضرب گھڑے پر لگا دیا۔ گھڑا ٹوٹ گیا اور پانی

گھڑے کی شکل میں للہ کے سر پر اس طرح رہا۔ للہ گھر پہنچی اسی پانی کو سر سے اٹھا کر دوسرے برتنوں میں ڈال دیا۔ سارے برتن بھر گئے۔ تھوڑا بچ گیا اس کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ جہاں یہ پانی گرا وہاں ایک تالاب بن گیا۔ جس کا نام بعد میں للہ تراگ پڑ گیا۔ اور تیرھویں صدی ہجری کے شروع تک اس تالاب میں پانی موجود رہتا تھا۔ للہ کے خاوند کی آنکھیں کھل گئی۔ لیکن بھید بھی کھل گیا۔ للہ دیوانگی کی حالت میں گھر سے نکل گئی۔ دیہاتوں' آبادیوں' میدانوں' جنگلوں اور پہاڑوں میں میں بغیر کھانے پینے کے گاتی ہوئی' چلاتی ہوئی اور روتے ہوئے پھرتی تھی۔ دیکھتے دیکھتے نظروں سے اوجھل ہوتی تھی۔ دکھ' درد' فلسفہ اور گیان (معرفت) سے بھرے ہوئے شعروں میں لوگوں سے مخاطب ہوتی تھی۔ اور سننے والے ایک ایک لفظ کو زبانی یاد رکھتے تھے۔ اور لکھنے والے لکھ لیتے تھے۔ اس کا کلام کچھ تو صحیح و سالم کچھ بگڑا ہوا جمع کیا گیا۔ جس کو "للہ واک" کہتے ہیں۔ اس کا ترجمہ موجودہ کشمیری' اردو' انگریزی اور فارسی میں کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ للہ کے کلام میں بلند درجہ کا معرفت اور فلسفہ ہے۔ اسی زمانے میں سید جلال الدین مخدومؒ جہانیاں جہاں گردش سرہ' کشمیر تشریف لے آئے۔ للہ عارفہ ہیرو پورہ تک اس کے استقبال کو گئی۔ اور ملاقات ہونے پر جو بات حیرت انگیز تھے۔ وہ دونوں کی حال پرسی اور بات چیت تھی۔ دونوں اپنی اپنی ہی زبان میں پوچھتے بھی تھے اور جواب بھی دیتے تھے۔ اور بغیر کسی ترجمان کے بیچ میں آنے کے ایک دوسرے کے خیال کو اچھائی سے سمجھتے تھے۔ حضرت نے للہ کی دیوانگی' بے چینی اور اضطراب دیکھکر دلاسا اور مدار تسلی اور تشفی سے کام لیا۔

للہ کو سمجھایا کہ دیوانگی اور شوریدگی پر قابو رکھنے کی ضرورت ہے۔ اور تمہارے مرشد اور مربی سید حسین سمنانی جلدی ہی یہاں پہنچنے والے ہیں۔ ان کے آنے تک صبر کی ضرورت ہے۔ وہ آئیں گے اور تمہاری واصل بخدا کی پیاس بجھائیں گے۔ للہ پیر کے آنے کی انتظار میں تھی۔ حضرت سید حسین سمنانی نے یہاں کا رخ کیا اور للہ سات پڑاو پیشوائی کو گئی۔ ملاقات ہوئی۔ تبادلہ خیالات ہوا۔ للہ کی بے چینی، دیوانگی سکون اور اطمینان میں بدل گیا۔ مدعا و مقصد حاصل ہوا۔ وحدت اور شہود کے ناپیدار کنارے سمندر میں ڈوب گئی۔ کچھ مورخ لکھتے ہیں۔ کہ گھر سے نکلنے کے بعد للہ دیوانگی کی حالت میں ننگی پھرا کرتی تھی۔ لیکن ''شائق'' اس کا قائل نہیں۔ اگر چہ اس بارے میں بہت سی کہانیاں مشہور ہیں جس میں نانوائی کے جلے ہوئے تنور میں اس کا کودنا اور اس میں سے ریشمی لباس میں ملبوس ہو کر نکلنا زبان زد ہر خاص و عام ہے۔ کہتے ہیں کہ للہ عارفہ نے ایک دن ایک آدمی کو ذکر نفی و اثبات کرتے ہوئے دیکھا۔ یہ آدمی ذکر کرتے ہوئے سر اور بازو کو ہلاتا تھا۔ للہ عارفہ نے کہا کہ کیا کرتے ہو۔ سر اور جسم کو ہلاتے ہو۔ ذاکر نے جواب دیا ''نفی و اثبات'' للہ عارفہ بولی یہ نفی اثبات نہیں ہے۔ اس آدمی نے کہا پھر کیا ہے۔ للہ عارفہ ہاتھ کے میں مٹی کی دو تھالیاں تھیں۔ ایک تھالی پاؤں کے نیچے رکھی اور دوسری سر پر اور لا الہٰ بولی۔ سر والی تھالی پاؤں والی تھالی سے مل گئی۔ اور للہ کا نشان ہی موجود نہ رہا۔ الا اللہ کی آواز آدمی کے گالوں میں آئی اور عارفانہ کھڑی موجود تھی کہتے ہیں کہ ایک دن شری کنٹھ سادھو کے مندر میں داخل ہو گئی اور مورتیوں کے سامنے اس طرح بیٹھ گئی جیسے کوئی پیشاب پھیرنے

بیٹھا تھا۔شری کانٹھ نے گھبرا کر کہا کیا کرتی ہو۔ یہ تو بھگوان کا گھر ہے۔
للّہ بولی مجھے پیشاب پھیرنا ہے۔ مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں ایشور نہیں۔
تا کہ میں پیشاب کروں۔ ایک دن ایک پنڈت سارے جسم پر مٹی مل کر نہا
رہا تھا۔للّہ عارفہ وہاں سے گزری پوچھا کیا کرتے ہو۔ پنڈت نے
کہا پاکی کرتا ہوں۔ للّہ کہا اگر ناپاکی اور گندگی بھرے گڑھے کو باہر سے مٹی
مل مل کر برسوں دھوئیں کیا وہ پاک ہو جائے گا۔ پنڈت یہ سن کر ہوش میں
آ گیا۔ للّہ عارفہ کے حالات اور کمالات کو مفصل بیان کرنے کی یہاں
گنجائش نہیں۔ یہ کام سوانح لکھنے والوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں اس
کے کمالات کے متعلق اتنا کہنا کافی ہے کہ مورخوں میں سے کوئی بھی اس
کی وفات کا قائل نہیں۔ مشہور ہے کہ ایک دن بجبہارہ کی جامع مسجد کی
دیوار کے نیچے بیٹھی تھی اور اچانک آگ کے شعلے کی طرح چمک اُٹھی اور یہ
شعلہ فضا میں اوپر جا کر نظر سے غائب ہو گیا۔ اور اس کے بعد للّہ عارفہ کو
کسی نے نہیں دیکھا۔ ہندو مورخوں نے للّہ کو للّہ ایشوری کا نام دے کر
اس کو ہندو دکھانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اور مسلمان مورخوں نے مان
لیا ہے کہ للّہ نے پنڈت گھرانے میں جنم لیا تھا اور بچپن گزارا تھا لیکن
معرفت حاصل ہونے پر وہ اسلام کی پکی پیرو کار تھی۔ اور بت پرستی سے
اس کو دور کا واسطہ نہ تھا۔ اور اس کا نام للّہ عارفہ رکھ دیا۔ اور ثانی بی بی
رابعہ بصری نے مان لیا ہے۔ کہ حقیقت یہ ہے کہ للّہ عارفہ وحدت کے
سمندر کی تیراک تھی۔ جس کی لہریں مذہبوں کے دیواروں کو گرا کر پاش
پاش کرتی ہیں۔ اور یہ بات اس کے کلام کے ہر لفظ سے نمایاں ہے۔

زیتی شاہ مجذوب

اصحاب تواریخ کا بیان ہے۔کہ زیتی شاہ مجذوب کپوارہ کے چکوں کے خاندان میں سے مسعود چک کے بھائی تھے۔علی خان چک کے زمانے میں سپہ سالار کے عہدے پر سرافراز تھے۔ایک دفعہ ریگی پورہ علاقے میں علاقے کے بڑے لوگوں کے ساتھ مجلس میں مشورہ کر رہے تھے۔اچانک آسمان سے بجلی گر کر ان کے جسم کو لگی۔اور یہ بے ہوش ہو کر گرے۔بہت دیر کے بعد ہوش میں آئے۔اور اسی وقت سے دنیا سے دستبردار ہو کر دیوانوں کی طرح ننگے پھرنے لگے۔غیب کی خبریں سناتے تھے۔آنے والے واقعات کی پیشین گوئیاں کرتے تھے۔جس کے درست ہونے میں سر مو کے برابر فوق نہ ہوتا تھا۔حضرت سلطان العارفینؒ سے عقیدت رکھتے تھے۔اکثر ان کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔علی خان چک کے عہد میں قحط کا حادثہ ان کی طرف منسوب ہے۔بلکہ علی خان کا مرنا بھی انہی کے جذبہ اور قہر کی طرف لگایا گیا ہے۔جس کا بیان حصہ اول میں حادثات کے باب میں کیا گیا ہے۔مختصر یہ ہے کہ حضرت زیتی شاہ مجذوب بہت بڑے خدادوستوں میں سے تھے۔ان کی کرامات کا اندازہ نہیں۔ہر بات کرامات تھی۔جو زبان سے نکلتا وہی واقع ہوتا تھا۔کہتے ہیں کہ ایک دن سوکھی ہوئی مچھلیوں کی ایک مٹھی اسی چشمہ میں ڈالی جو ان کے مقبرے کے باہر ہے۔خدا کی قدرت سے مچھلیاں تیرنے لگیں۔اس چشمہ میں آج تک مچھلیاں ہیں۔اور انہیں کوئی نہیں چھیڑتا ہے۔ان کے ہاتھ میں ہل کا خمدار چھوٹا ڈنڈا ہوتا تھا۔اور چھوٹے

بچوں کی طرح اس پر سوار ہو کر دوڑتے تھے۔ کہتے تھے یہ میرا گھوڑا ہے۔
ایک دن لٹ شاٹ کے گاؤں کے خرمن میں گھس گئے۔ اور ڈنڈے کو یہ
کہہ کر رکھ دیا کہ میرے گھوڑے کو گھاس اور بھوس رات کو ڈالیں۔ لوگ
اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ شام کو گھروں کو چلے گئے۔ اور کسی کو زیتی
شاہ کے ڈنڈا کا خیال نہ رہا۔ صبح کو کیا دیکھا کہ کھلیان میں گھاس کے تنکے کا
نشان تک نہیں۔ شالی کے ڈھیروں کے بدلے گوبر کے ڈھیر لگے ہوئے
ہیں۔ کسانوں کو اب یاد آ گیا۔ کہ یہ واقع زیتی شاہ صاحب کے گھوڑے
کے ساتھ بے رخی کا نتیجہ ہے۔ واویلا اور شور برپا ہو گیا۔ مستانہ کے پاؤں
پڑے اور منتیں کیں۔ مستانے نے کہا کہ میرے گھوڑے کو دھو کر اپنا اپنا حق
لے لو۔ رہی گھاس تو وہ گھوڑا کھا گیا۔ لوگوں نے گوبر کو دھویا اور اندازے
کے مطابق شالی پوری نکالی۔ ایک دن ایک عورت اپنے کھیت میں شالی بو
رہی تھی۔ حضرت زیتی شاہ صاحب وہاں سے گزرے۔ حضرت اس کھیت
میں کتنی شالی نکلے گی؟ جتنی تمہارے فرج (چوت) میں آئے گی۔
حضرت میری چوت میں کتنی آئے گی۔ بولے ایک سو خردار اور بھا گئی۔
اس کھیت میں اُس سال پورا ایک سو خردار تولا گیا۔ زیتی شاہ صاحب کا
مقبرہ درگہ مولہ کے شمال میں پہاڑ کے ڈھلوان پر ہے۔ اب وہاں ایک
گاؤں بس گیا ہے۔ اور گاؤں کا نام بھی زیتی شاہ ہے۔ مقبرے کے
ساتھ مسجد اور خوبصورت چشمہ ہے۔ لوگوں کو بڑی عقیدت ہے اور
حاجات روائی کیلئے مشہور زیارت ہے۔

میاں مانک شاہ

اصلی نام عبدالرحمان ہے۔ ظاہری اور باطنی علموں سے آراستہ اور پیراستہ تھے۔ سلوک کے دنوں میں کاشت کاری کرتے تھے۔ ہل چلاتے وقت جب کھیت کے کنارے نماز باندھتے تھے تو بیل خود بخود کسی غلطی ہونے کے بغیر زمین جوتتے تھے۔ اسی قسم کے حالات ظاہر ہونے سے ان کی شہرت بڑھ گئی۔ اور حال میں فتور آنے لگا۔ اس لئے انہوں نے جان بوجھ کر دیوانگی اختیار کر کے میدانوں اور جنگلوں کا راستہ لے لیا۔ اور ہو گئے اصلی مستانہ۔ حضرت سلطان العارفینؒ کی خدمت میں ننگے پاؤں جاتے تھے۔ اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ ملاقات کرتے تھے۔ شراب کا جام ہاتھ میں لیتے ہی دودھ میں بدل جاتا تھا۔ اور یہ واقع بے شمار دفعہ پیش آیا۔ آخر عمر میں ان کے پاؤں چلنے سے رک گئے۔ اور رعناواری کے خانقاہ میں بیٹھ گئے۔ وہی رحلت کی اور اسی صحن میں دفن ہوئے۔

غیبی شاہ مجذوب

علمائے کرام واخبار کا بیان ہے کہ غیبی شاہ مجذوبؒ کا حضرت سلطان العارفین کے وقت میں ظہور ہوا۔ دونوں دنیاؤں کے حالات سے باخبر تھے۔ شک نہیں۔ جہاں نما آئینہ تھے۔ شیخ بابا دودخاکیؒ عام طور پر ان کے پاس جا کر حقیقت کی باتوں کی تحقیق کرتے تھے۔ صاحب ''اسرالابرار'' لکھتا ہے۔ کہ غیبی شاہ کسی سے مخاطب ہو کر بات نہیں کرتے تھے۔ باتیں

کرتے وقت دو نام 'لدی' اور دوسرا 'رتنی' بول کر جو کہنا ہوتا تھا کہتے تھے۔ اور جو مانگنا ہوتا تھا انہی سے مانگتے تھے۔ اور وہ پوشیدہ اور محض باتیں انہیں سے خطاب کر کے ظاہر کرتے تھے۔ اس کا سارا کلام بلکہ بدن بھی کشف ہی تھا۔ جو ان کے پاس آتا تھا وہ ان ہی کی زبان سے اپنا سارا حال سُنتا تھا۔ کبھی کسی اور عورت کا نام لیکر باتیں شروع کرتے تھے۔ ظاہر میں ان عورتوں کا وجود کہیں نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن شریعت کے راستے پر چلنے کا ارادہ کر کے نماز باندھ لی۔ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر سُبحَانَ ربّی العظیم" لدی یہ راستہ دور ہے۔ اور اس راستے سے جس پر میں تھا بہت بعید ہے۔ اور کوئی اس کو انجام تک نہیں پہنچا سکتا ہے۔ مگر خدا کی یاوری سے وہ اسی وقت قلندری کے عالم میں پھر قدم رکھا۔ اور مکاشفہ میں غرق ہوگئے۔ شیخ بابا داوودخاکی فرماتے ہیں کہ میں ایک دن ان کے پاس بیٹھا تھا اور انہوں نے کشمیری میں ایک غزل موزوں حسن کا ترجمہ یہ ہے۔ "ہمارے پاس ابھی شراب اور کباب پہنچنے والا ہے۔ اس سے جو صبر نہ کر سکے کہدو کہ یہاں سے اُٹھے۔ میں اُٹھا اور کچھ دور بیٹھا۔ اسی وقت روٹیوں کی ایک ٹوکری اور ایک بوتل شراب کی پکی ہوئی مچھلیاں لیکر ایک آدمی آگیا۔ اور ان کے سامنے رکھ دیں۔ ایک اور مرتبہ میں ان کے پاس بیٹھا تھا۔ بولنے لگے۔ لدی، رتنی ہم آگے جائیں گے اور دوسرے پیاروں کیلئے جگہ خالی کریں گے۔ اور کچھ دنوں کے بعد ہی انہوں نے اس دنیا سے نقل کی۔ اور حضرت حردے ریشی کے روضہ میں دفن ہوئے۔ اور میں نے (بابا داوٗدخاکی نے) تاریخ کہی۔

زسلطان غیب شاہ دریائے اسرار
بسی اسرار غیب آمد بساحل !!!

چنیں مجذوب با کشف و کرامات!
بوداز نادارت ای یار عاقل!! !
بسے مردم مقرش درولایت !!!
با شراف قبورش نیز غافل!!!
بشارت گوی منویات اصحاب !!
ظریف و ناصح خوش گوی باذل!!
چواز فیاضی کامل بود تاریخ !!
پئے فوتش بخوان از فیض کامل!!

خواجہ یعقوب مجنون

علمائے تاریخ کا بیان ہے کہ خواجہ یعقوب مجنونؒ درگاہ الٰہی کے مقبروں اور خدا آگاہوں میں سے تھے۔ جو کچھ بھی اس دنیا میں واقع ہونے والا تھا۔ انہیں پہلے ہی اس کی خبر ہوتی تھی۔ ماضی اور مستقبل کی کوئی بات ان کی نظر سے اوجھل نہ تھی۔ میدانوں اور پہاڑوں میں پھرتے رہتے تھے۔ کبھی کسی جگہ تین چار دن سے سات آٹھ دن تک پڑے رہتے تھے۔ نبات کرتے تھے۔ نہ کچھ کھاتے پیتے تھے شیخ مجنوں کہتے ہیں کہ میں نے جب صوفیوں کی عبادت گاہوں میں اور عاملوں کی خلوت نشینی کے کونوں میں باعزت اور خوشحال دیکھا تو میں نے بھی چاہا کہ روزہ، نماز، تسبیح ، اور بندگی خدا اختیار کروں گا۔ درس اور کتابوں کے شغل میں کمی کروں گا۔ میں اسی شش و پنج میں تھا۔ اور خواجہ یعقوب آگئے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چپ چاپ کچھ کہنے کے بغیر چلا گیا۔ کچھ دور جانے کے بعد

وہ پیشاب پھیرنے بیٹھ گیا۔ اور ایک پد (باد) ماری۔ میری طرف مُڑ کر کہا۔ اگر درس دنیا کو چھوڑ دو گے۔ تو بیٹھے بیٹھے یہی کیا کرو گے۔ میں نے ان کی یہ بات قبول کی۔ اور درس اور کتابوں کو نہ چھوڑا۔ بابا داوود مشکوتی فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو ایک دن ایک خندق میں پڑا ہوا دیکھا اور ہفتہ کے بعد جب میں پھر اِدھر سے گزرا تو ان کو اسی خندق میں اسی جگہ پڑا ہوا دیکھا اور ایک مالی خربوزہ ہاتھ میں لیکر جتن کر رہا تھا لیکن یہ حرکت نہیں کرتے تھے۔ میں نے مالی سے پوچھا خواجہ کتنے دنوں سے یہاں ہی ہیں اس نے کہا آج گیارھواں دن ہے۔ کہ بغیر کچھ کھانے پینے کے اسی طرح پڑے ہیں اور اُٹھتے نہیں۔ (ماخوذ از تذکرۃ الاولیاء کشمیر وغیرہ)

تبرکات متفرقہ

تبرکات خانقاہِ معلی

علماء تاریخ روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ قدس سرہ کو شیخ محمد ازکانی سے اجازت ارشاد ملنے کے موقعہ پر وہ چیزیں تبرک کے طور پر ملیں۔ ایک وہ جھنڈا جو سید کائنات علیہ افضل الصلواۃ جنگوں میں ساتھ رکھتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے ستون (ڈنڈا) جو حضرت امام حسینؓ نے کربلا ساتھ لیا تھا۔ حضرت امیر کبیرؒ ہمیشہ ان دونوں تبرکوں کو ساتھ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ حجوں کے سفروں میں بھی یہ چیزیں ان کے ساتھ تھیں۔ جب حضرت امیر کبیرؒ آخری دفعہ کشمیر سے پکھلی روانہ ہوئے تو اپنے مرید خاص رئیس کشمیر ملک لدی ماگری کو علمدار مقرر کر کے درفش کو اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ گز سواد کے

علاقے میں پہنچ کر حضرت امیر کبیر میر سید علی ھمدانی رحمتہ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ ملک دیوی گنائی اور لدی ماگرے نے نہایت کوشش کی اور ہوشیاری سے کام لے کر جھنڈا استون اور عصا حضرت امیر کبیر کو اپنے قبضہ میں لا کر کشمیر پہنچایا۔ تبرکات خانقاہِ معلٰی میں رکھے گئے۔ جب کشمیر پر سکھوں کا قبضہ ہوا۔ تو انہوں نے تعصب کے بنا پر پھر پرمیرے کی طرف سے ایک گز کے قریب جھنڈے کو توڑا۔ دونوں ٹکڑے خانقاہِ معلٰی میں موجود ہیں؟ اس کے بعد پکھلی کا ایک آدمی یہاں آکر خانقاہِ معلٰی کی ایک کوٹھری میں چلے کو بیٹھا۔ اور ایک رات کو موقعہ پا کر عصا مبارک حضرت امیرؒ کو لیکر بھاگ گیا۔ اس وقت سے ستون اور جھنڈے کے دو ٹکڑوں کی خاص حفاظت کیجاتی ہے۔

تبرکاتِ محلّہ نورہ

کہتے ہیں کہ حضرت میر سید احمد کرمائیؒ نے مدینہ منورہ سے تبروکات کے دو صندوق حاصل کئے۔ جنہیں وہ اپنے سے جدا نہ کرتے تھے۔ اور کشمیر تشریف لائے پر ساتھ لاتے تھے۔ حضرت سیدؒ کا انتقال یہاں ہی ہوا۔ ان کے سعادت مند بیٹے سید مسافر نے خواجہ مسعود نوری کو اجازت ارشاد بخشنے کے موقعہ پر یہ دونوں صندوق ان کو بخش دئے۔ اور تبروکات کی سند اپنے قلم سے لکھ کر دی۔ سند کا ترجمہ یہ ہے:۔

میر سید مسافر نے اقرار کیا اور تسلیم کیا کہ خلیفہ رکھتا ہوں۔ (بناتا ہوں) طریقت میں پسند کرتا ہوں۔ اور تمام مریدوں کو پسند کرتے تھے۔ اور معتبر جانتے تھے۔ اس تابع آئین اور صاحب یقین مرید بابا مسعود نوری کو اور علم روا کلاہ، اور جامہ مقفل ہے۔ اور دو عدد نعلین، دو عدد پنجہ،

شجرہ، جامہ امام موسیٰ علی رضا، بیعت اور چلہ نشینی (اس) مذکورہ خلیفہ کو حوالہ کیے۔ اس معاملہ میں اس پر پورہ اعتماد کیا۔ اگر کوئی اس کے بعد اوپر لکھی ہوئی چیزوں پر دعویٰ کریگا یا حق طلبی ڈھونڈے گا اس کے استحقاق کا دعویٰ باطل اور نا قابل سماعت ہو گا۔ قیامت کے دن کتے اور سور کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ اور اس سلسلہ سے خارج ہو گا۔ کہ یہ وثیقہ سنہ ۹۷۶ھ نوسو چھتہر ہجری میں صالح، مسلمان، معتبر، صاحبِ عدالت بابا شنکر بابا نظام صوفی، حسن رینہ وغیرہ کی حاضری میں لکھا گیا۔ بابا مسعود کی رحلت کے بعد تبروکات زورہ کی خانقاہ میں رکھے گئے۔ جو موصوف کی اولاد کی نگرانی میں آج تک وہیں ہیں۔ چوں کہ صندوق مقفل ہیں۔ کوئی ان کے کھولنے کی جرأت نہیں کرتا ہے۔ آزاد خان نے اپنی صوبیداری کے زمانے میں تبروکات کے ایک صندوق کو ہاتھی پر رکھ کر عیدگاہ لے لیا۔ اور میرے نانا سیف اللہ سے کہا۔ قفل کھولنے کی طاقت مجھے نہیں۔ آپ کنجی لے لیں۔ اور بذات خود کھولیں۔ آزاد خان نے قفل کھولا اور ڈھکنا اُٹھانے لگا۔ جوں ہی ڈھکنا اُٹھایا زلزلے کا ایک زبردست جھٹکا آیا۔ کہ ہاتھی گر کر لوٹنے لگا۔ تبروکات کی زیارت کرنے کے بغیر ڈھکنا بند کیا گیا۔ اور بابا سیف اللہ متولی درگاہ نے صندوق سر پر اٹھا کر درگاہ میں پہنچایا۔ شیخ غلام محی الدین کے زمانے میں سنہ ۱۲۶۱ھ کے کالرا میں بے شمار لوگ اس بیماری کے شکار ہوئے۔ شیخ نے تجویز کیا کہ زورہ کے تبروکات کو چھت پر نکال کر اس بلا سے نجات پانے کے لئے دعا کریں۔ شاید ان کی وسالت اور وساطت سے یہ بیماری دور ہو جائے۔ میرے خالو بابا محمد اسلم نے تبروکات شبانہ چھت پر نکالے۔ لوگوں نے دیکھا کہ سارا صحن اور ارد گرد کا

رقبہ نورانی ہو گیا۔ اور دو صندوق سے تلوار کی شکل کے دو شعلے نکلے۔ ایک تلوار شمال کی طرف اور دوسری جنوب کی طرف بجلی کی طرح ہوا میں گئیں۔ دوسرے دن کالرا کا سخت نہ در ہوا۔ اور ہزاروں لوگ مر گئے۔

اسی زمانے میں بابا محمد، باب اسلم کے بھائی نے روز عاشورہ کے دن رات کے آنکھوں پر پٹی باندھ کر صندوق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک اور پھریرا نکال کر شیخ غلام محی الدین کے کہنے کے موجب لوگوں کو دکھائے۔ کچھ برس گزر گئے۔ درفش مبارک کے پھیرے کو کسی نے چوری سے لے لیا۔ اور آج تک اس کا سراغ نہ نکلا۔ متولیوں نے جعلی پھریرا تیار کر کے اس کے بدلے رکھا۔ اور نعلین مبارک کے ساتھ یوم عشورہ پر اسی کو دکھاتے ہیں۔ چوں کہ تبروکات کی سند میں تبروکات کی پوری تفصیل نہیں دی گئی ہے۔ اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے دکھانے سے بے ادبی کی حرکتیں محسوس ہوتی ہیں۔ اس واسطے مشہور یہی ہے کہ اس صندوق میں حضرت فاطمہ الزہرہؓ کی سر کی چادر اور ٹوپی اور امام حسینؓ شہید کربلاؓ کا خون آلودہ جامہء مبارک ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کا کھولنا دشوار اور بے ادبی ہے۔ (واللہ تعالیٰ۔)

تبرکات محلہ زین علی دار

مصنف فتحات کبریہ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ یعقوب صرفی قدس سرہ کے بعض رفیقوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایشان مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے سفر کی واپسی پر اکبر آباد پہنچے۔ تو وہاں ایک دن قیلولہ کی نید میں انہیں سخت تھرتھراہٹ ہوئی۔ اور یہ تھرتھراہٹ بند ہونے پر ان کے بدن پر ایک

سفید جامہ ظاہر ہو گیا۔ جب حضرت ایشان بیدار ہو گئے تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ اور حضرت مخدوم عالمؒ خواب میں مجھ پر جلوہ گر ہوئے۔ اور حضرت مخدومؒ نے آنحضرت ﷺ سے التماس کی کہ یہ میرا صادق مرید ہے۔'' آنحضرت ﷺ نے اپنا کرتہ حضرت مخدوم عالمؒ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا'' اس بیٹے کو دیدو۔ میں نے جامہ مبارک پہن لیا۔ خوش خبریاں اور بشارتیں پائیں۔ یہ جامہ مبارک حضرت ایشان کے پاس ان کے انتقال کے وقت تک رہا۔ اور انتقال کے وقت پر خواجہ حبیب اللہ نوشہری کو بخش دی۔ خواجہ موصوف نے اپنے خلیفہ زین علی دار کو عطا کیا۔ جو آج تک ان کے پوتوں کے پاس ہے۔ چند سال سے زین علی دار کے عرس پر لوگوں کو اس کی زیارت کراتے ہیں۔ صاحب فتحاتِ کبرویہ نے لکھا ہے کہ جب حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ حرمین شرفین (مکہ، مدینہ) کی زیارت کے ارادہ سے بغداد پہنچے تو بغداد کے حکمرانوں نے ان کے حالات اور کمالات سے خوش ہو کر رخصت کے وقت انہیں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفیؒ کا جامہ، حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت امام موسیٰ علی رضی اللہ عنہ کا عصائے مبارک عطا کی۔ اور جب حضرت ایشانؒ کشمیر واپس پہونچے تو انھوں نے حضرت بایزید بسطامیؒ کی کلاہ اپنے بھائی شیخ محمد کو دیدی۔ جو آج کل ان کے پوتوں کے پاس شیخ احمد تارہ بلی کے گھر میں ہے۔ عصا مبارک امام موسیٰ علی رضاؒ خواجہ حبیب نوشہری کو عطا کیا۔ جو زمانے کے انقلاب کے موجب محلّہ جامعہ مسجد کے ایک شخص کے پاس پہنچا ہے۔ حضرت امام العالمؒ کا جامہ مدت تک حضرت ایشان کے مقبرہ میں موجود تھا۔ جس کو وہاں سے کسی نے چرا لیا۔

تبرکات محلّہ زر پرستان

کہتے ہیں کہ جب حضرت شاہ قاسم حقانی سفر حرمین شریفین کی واپسی پراجین پہنچے اور حضرت شیخ فیض اللہ کیساتھ ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان کی قابلیت اور استعداد دیکھ کر ان کو سلسلہ علیہ عالیہ قادریہ کی اجازت بخشی اور کرتہ مبارک حضرت غوث اعظمؒ اور خرقہ و تسبیح حضرت امیر کبیر قدس سرہٗ تبرک کے طور پر ان کو عطا کی۔ حضرت شاہ وہاں سے صورت بندر گئے۔ اور حضرت خواجہ جمال الدین معروف بہ خواجہ دیوانہ کی نوازشوں اور مہربانیوں سے سرافراز ہوئے۔ انہیں سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت دیدی۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ کا جامہ مبارک جس پر حضرت خواجہ مشکل کشا نے اپنے ہاتھ سے سارا کلام اللہ لکھا ہے اور کمر بند اور رومال خواجہ بزرگؒ کا تبرک کے طور پر عطا کیے۔ وہاں سے رخصت ہو کر جب حضرت شاہ فتحپور پہنچے اور حضرت شیخ سلیم چشتی کی ملاقات سے بار یاب ہو کر سلسلہ چشتیہ کی اجازت حاصل کی۔ تو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی لونگی جس پر حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کے دستخط سے سورہ فاتحہ لکھا ہے۔ اور قصد راہ کا نقشہ ہے۔ حضرت شیخ سلیم نے تبرک کے طور پائے۔ یہ تبروکات حضرت شاہ قاسمؒ کی اولاد کے پاس زرپرستان میں منور شاہ حقانیؒ کے گھر میں موجود ہیں۔ لوگوں کو ان تبروکات کی زیارت نہیں کرائی جاتی ہے۔ اور صاحب اعتقاد اتفاقیہ طور پر کبھی کبھی ان کی زیارت سے مستفید ہوتے ہیں۔

موئے مبارک حضرت محبوب سُبحانیؓ

(دَر بوقعۂ خانیار)

کہتے ہیں کہ ۱۲۲۱ھ میں کابل کا ایک آدمی کشمیر کی سیاحت کو آیا۔ جس کے پاس موئے مبارک حضرت محبوب سُبحانیؓ تھا۔ ناظمِ کشمیر سردار عبد اللہ خان نے اس کی آو بھگت حد سے بڑھ کر کی۔ اور بڑی رقم دے کر موئے مبارک حضرت غوث الاعظمؓ خرید لیا۔ چوں کہ سردار عبداللہ خان حضرت سید بزرگ شاہ قادری کا مرید اور معتقد تھا۔ اس نے موئے مبارک کو محبت، خلوص اور بیعتی مرید کی وجوہات کے موجب آنجناب کو ہدیہ کیا۔ اور حضرت سید نے خوش ہو کر اس کی تعظیم کے لئے خانیار میں ایک خانقاہ تعمیر کی۔ اور موئے مبارک کو وہاں رکھا گیا۔ ۱۲۲۱ھ میں عرس مبارک حضرت محبوب سُبحانی رضی اللہ عنہ کے دن پر لوگوں کو اس کی زیارت سے فیض یاب کیا گیا۔ اس کے بعد ہر سال عرس مبارک پر اس کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ چوں کہ تعمیر شدہ خانقاہ کی وسعت ضرورت کے مطابق نہ تھی۔ اس لئے خواجہ ثنا واللہ شال نے ۱۲۹۴ھ میں تقریباً پنتالیس ہزار روپے کی رقم صرف کر کے نئی خانقاہ تعمیر کی۔ اور اس کی خواب آرائش و زیبائش کی۔ تاریخ ہے:۔

زیارت خانقاہ زیبا خرد گفت
دگر تعمیر عالی شان ہمایوں

موئے مبارک حضرت محبوب سُبحانیؒ

(در بقعہ عالی کدل)

۱۲۷۵ھ کے شروع میں میر سین قادری جو وقت کے شیخ تھے لعل بازار کے سیدوں سے حضرت غوث الثقلینؒ کے موئے مبارک شاہجہاں کے دستخط اور مہر والی سند کے ساتھ لیکر عالی کدل میں اس کی تعظیم کیلئے خانقاہ کے متصل زیارت گھر بنایا گیا۔ اور بڑی رقم خرچ کی۔ اس وقت سے نزدیک اور دور کے عقیدت مند عرس مبارک پر اس موئے مبارک کی زیارت کرنے کیلئے جمع ہوتے ہیں۔

تبرک در محلّہ خواجہ بازار

عصائے مبارک حضرت ابا بکر صدیقؓ جو مرشدوں کے سلسلے میں خواجہ نقشبند مشکل کشاؒ تک پہنچا تھا۔ اور انہوں نے اپنے خلیفون کو بخشد یا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین نقشبندی کے روضہ میں موجود ہے۔ اور حضرت شاہ کے عرس پر اس کی زیارت کرائی جاتی ہے۔

خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے گھر میں تبرکات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دستخطی کلام اللہ کے وہ اڑھائی پارے جو حضرت عثمانؓ بوقت شہادت تلاوت کر رہے تھے۔ اور ان کے خون شہادت سے آلودہ ہوئے تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کلاہ مبارک خواجہ شاہ نیاز کے گھر میں موجود ہیں۔

قلاش پورہ میں

عصائے مبارک شیخ صاحب الدین سہروردی قدس سرہٗ جو مخدوم کشمیر حضرت شیخ حمزہؒ نے اپنے مرشدوں سے بطور تبرک پایا تھا۔ قلاش پورہ میں ہیں۔

فتحکدل میں

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریائے ملتانی کا عصا جو شیخ عبدالشکور لاہوری کے پاس تھا۔ اور شیخ عبدالشکور کا خرقہ اور تسبیح جو شیخ نے خواجہ طاہر رفیق کو دئے تھے۔ فتحکدل میں موجود ہیں۔

موئے مبارک شاہ بغدادؒ چرار شریف میں

قصبہ چرار میں موئے مبارک شاہ بغداد جناب حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ موجود تھا۔ ایک موقعہ پر لوگوں کو زیارت دکھانے کے وقت پر موئے مبارک ہی شیشے سے غائب ہوگیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

اسلام آباد میں

حضرت شیخ بابا داؤد خاکی قدس سرہٗ اپنی تصنیفات میں سے ایک کتاب میں لکھتے ہیں۔ ''سلطان یوسف چک کے زمانے میں (۹۹۳ھ) دارہ پورہ کے گاؤں میں ایک صالح آدمی پو پھٹنے کے وقت صبح نماز کا وضو کرنے کیلئے ندی پر گیا۔ وہاں اس نے ایک خوش لباس خوبصورت نورانی

شخص کو دیکھا جسکا ایک پاؤں پتھر پر تھا۔ اور دوسرا پانی۔ پانی سے پاؤں نکال کر یہ شخص آگے بڑھا اور نظروں سے غائب ہوا۔ اس صالح آدمی کو خیال ہوا کہ یہ کسی کا مہمان ہوگا۔ اور مسجد میں میں نماز ادا کرنے کیلئے گیا ہوگا۔ یہ دوڑتا ہوا گیا تاکہ باجماعت نماز اس کے ساتھ ادا کریں۔ مسجد میں کسی کو نہ دیکھ کر تنہا نماز ادا کی۔ اور پھر اس کے تلاش میں اسی جگہ پہنچا جہاں اس نے اس شخص کو دیکھا تھا۔ اس کے دماغ میں عطر و گلاب کی خوشبو آنے لگی۔ اس کی نظر پتھر پر پڑی۔ دیکھا کہ پتھر پر پاؤں کا نشان لگا ہے۔ اور اسی سے خشبو اُٹھ رہی ہے۔ اس نے گاؤں والوں کو یہ واقعہ سنایا۔ لوگ دیکھنے گئے۔ اور قدم مبارک سے خوشبو آرہی تھی۔ اور قدم کا وہ نشان پتھر پر آج تک موجود ہے۔ دو خدا دوست بزرگوں نے اس واقعے کی طرف توجہ کی۔ دونوں کو بشارت ملی کہ وہ شخص حضرت رسالت مآب ﷺ تھے۔ جو اپنے قوت اعجاز سے بہ روح جسم (جسمِ اکتسابی) اس ملک کی سیر کو آئے تھے۔ اور پتھر پر نقش قدم لگا۔ اور اس کا معطر ہونا انکا معجزہ ہے۔ بعد محدثوں کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو وفات کے بعد اب جسد کے ساتھ دنیا میں چلنے پھرنے کی طاقت ہے۔ اور زمین و آسمان میں جہاں چاہیں بروح و بجسد جا سکتے ہیں۔ یہ حضرت بابا داوود خاکی کا بیان ہے۔

خواجہ اعظم مورخ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ظہور اس زمانے میں اس ملک کی اصلاح اور فلاح و بہبودی کے لئے اگر ہوا ہوگا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ چکوں کی حکومت کے ظلم و تشدد سے ملک کی حالت نہایت خراب ہوگئی تھی۔ چنانچہ اسی سال چک خاندان کی

حکومت کا خاتمہ ہوا۔

کہتے ہیں کہ یوسف شاہ چک نے پتھر کو وہاں سے ہٹا کر حضرت بابا ہردے ریشی قدس سرہٗ کی زیارت میں لایا۔ جو وہیں موجود ہے۔

(ماخوذ از تذکرۃ اولیاء کشمیر وغیرہ)

حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ

(وصال 1381ء)

ا:۔ توحید کا پہلا درجہ یہ ہے کہ ایک گروہ فقط زبان سے لا الٰہ اِلا اللہ کہتا ہے۔ مگر دل سے رسالت و توحید کا منکر ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ایک گروہ زبان سے بھی لا اِلا اللہ کہتا ہے اور دل میں بھی تقلید و اعتقاد رکھتا ہے۔ یہ عام مسلمان اور علمائے ظاہر کی توحید ہے۔ کہ شرک جلی سے نجات پائیں البتہ اس توحید میں مشاہدہ نہیں ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے جسمیں موحد مومن بہ اتباع پیر و طریقت مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ دل میں نور و بصیرت پیدا ہو جاتا ہے۔ اس نور سے ان کو مشاہدہ ہوتا ہے۔ کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات مطلق ہے اور سارا جہاں محض کٹھ پتلی کی طرح ہے۔ اس میں موحد کسی فعل کی نسبت کسی دوسری طرف نہیں کرسکتا ہے۔ کیوں کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ فاعل حقیقی کے سوا کسی دوسرے کا فعل نہیں ہے۔ چوتھا درجہ توحید یہ ہے۔ کہ سالک کثرت اذکار واشغال و ریاضت و مجاہدہ کے بعد ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ شش جہت میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو اور کچھ نظر نہیں آتا ہے۔ تجلیات صفاتی کا ظہور اس سے شدت سے سالک کے دل پر ہوتا ہے۔ کہ ساری

ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں۔ درجہ چہارم کی توحید میں سالکوں کے احوال مختلف ہیں۔ کسی کو ہفتہ میں ایک ساعت کسی پر بیشتر اوقات عالم استغراق رہتا ہے۔

۲:۔ منافی التوحید کے بعد ایک مرتبہ الفناء عن الفناء ہے۔ اس مرتبہ میں سالک کو کمال استغراق کی وجہ سے اس کے احساس کو اپنی فنایت کی خبر نہیں ہوتی۔ اس مقام تفرید میں پہنچ کر حقیقت وحدت الوجود اس طرح پر منکشف ہوتی ہے کہ سالک محو ہو جاتا ہے۔

۳:۔ مقام عبدیت اس وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک ماسویٰ اللہ کی بندگی اور پرستش سے آزاد ہو جاتا ہے۔ علم لدنی اس وقت عطا ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

۴:۔ ارادت دل کے اس میلان کا نام ہے جو خیال کو ایک خاص چیز کی طرف جما دے اور ایسی تحریک پیدا کر دے جس سے قصد طلب ظاہر ہو۔ یعنی اس چیز کی تلاش میں لگا رہے۔ مرید صادق وہی ہوتا ہے جس کی ارادت ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہو۔ ارادت کا وہی درجہ ہے۔ جو نیت کا شریعت میں ہے۔

۵:۔ اللہ تعالیٰ نے بارگاہ نبوت کے دلائل کو آج بھی باقی رکھا ہے۔ اور ان دلائل کے اظہار کے لئے اولیاء ہی کی ذات بابرکات کو سبب ٹھہرایا ہے۔ اور ان کو اس عالم کا حکمران بنایا ہے۔ آسمان سے بارشیں ان ہی کے قدم کی برکت سے ہوتی ہیں۔ نباتات زمین سے اگتے ہیں۔ کفار پر فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ ان میں چار ہزار ولی مستور ہیں۔ کہ آپس میں

ایک دوسرے کونہیں جانتے۔ بلکہ اپنے احوال کی بھی خبر نہیں۔ ان کے علاوہ تین سو ولی اہل خدمت ہیں۔ ان کا لقب اغیار ہے۔ اور چالیس وہ ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ چار وہ ہیں جن کو اوتاد کہتے ہیں۔ اور تین وہ ہیں جن کو نقبا کہتے ہیں۔ اور دو کو نجیب کہتے ہیں۔ اور ایک قطب اور ایک غوث ہوتا ہے۔

۶:۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے صاحب ولایت بنایا وہ کرامات کو کوئی چیز نہیں سمجھتا اور نہ اپنے آپ کو صاحب کرامت جانتا ہے۔ ولی ہوگا تو کرامت پر نظر نہ ہوگی۔ کرامت پر نظر ہوگی تو ولی باقی نہ رہے گا۔

۷:۔ شیخی اور مقتدائی عمامہ اور بڑی بڑی داڑھی کا نام نہیں۔ شیخ و مقتدا تو درحقیقت اس معنیٰ کو کہتے ہیں جو مَقعدِ صدقِ میں مقام عندیت کے مزے لوٹ رہا ہو اور عنایت عزت وحق عز و جل اس پر سایہ فگن ہو۔ اور اسطرح اس کو دامن شفقت نے ڈھانپ لیا ہو کہ ''اولیاء ہماری قبا میں چھپے ہوئے ہیں۔ سوائے ہماری ان کو کوئی پہچان نہیں سکتا۔

۸:۔ معشوق کی بارگاہ میں عاشق کا وجود بھی گناہ ہے۔

۹:۔ تصوف ایک بڑی حرکت ہے۔ جس کو ذرہ قرار نہیں۔ کیوں کہ پانی جب ساکن ہوتا ہے تو گندہ ہو جاتا ہے۔ صورۃ انسان ایک گوشہ میں بیٹھا ہو اور اسرار اس کے ملکوت و جبروت میں سیر کرتے ہیں۔ کیوں کہ متحرک چیز جب تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہے تو ساکن نظر آتی ہے۔

۱۰:۔ یقین جانو کہ جو کچھ ہوتا ہے تقدیر ازلی سے ہوتا ہے۔ آسمانی کتابیں اور پیغمبران مرسل یہ سب کے سب ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ ابوالحسن خرقانی فرمایا کرتے تھے کہ واہ رے شان کی بے نیازی کہ صدیقوں کے

دل کو تیغ قہر سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور ان کے جگر کو ایک قطرے کے انتظار میں پانی پانی کر دیا۔ مگر کسی کو شربت دیدار نصیب نہ ہوا۔ ایک بار حضرت موسیٰ کو خیال آیا کہ اس وقت بندہ اس مرتبہ پر فائز ہے کہ خود بدولت سے ہم کلامی کے مزے لوٹتا ہے۔ ندا آئی آپ کہاں ہے۔ اس پر (فخر) بھولے ہوئے ہو۔ ذرا اپنا عصا پتھر پر مار اور ہمارے ایک ادنیٰ کرشمے کا تماشا دیکھو۔ حضرت موسیٰ نے اپنا عصا پتھر پر مارا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اسی طرح کے لاکھوں موسیٰ ہیں۔ کہ عصا ہاتھ میں ہیں اور سر پر کلاہ ہے۔ اور ارنی ارنی کی رٹ لگا رہے ہیں۔

۱۱۔ خرقہ اور خانقاہ کی اصل حضرت آدم علیہ سلام سے قائم ہوئی۔ حضرت نوحؑ نے ایک کمبل پر اکتفا کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے خود ہمیشہ وہی ایک کمبل رکھا جو پہلی ملاقات میں شعیبؑ نے ان کو دیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ جامہ صوف پہنا کرتے تھے۔ حضرت آدمؑ نے خلوت در انجمن کے لئے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ حضرت موسیٰؑ نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا۔ چنانچہ اور ملکوں میں بھی خانقاہیں بنائی گئیں۔ جہاں اسرار الٰہی کا بیان ہوا کرتا۔ سرور کونین ﷺ نے اسی طرح کمبل اختیار کیا۔ خود مسجد نبوی میں ایک گوشہ معین کر دیا۔ اصحاب میں وہ گروہ جو سالکین راہ طریقت بعنوان خاص تھا ان سے وہی راز کی باتیں ہوا کرتیں۔ مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت سلمان فارسی، حضرت معاذ بلال ابوذر، عمارؓ عنہم۔ آپ ﷺ ان حضرات کو خاص خاص اوقات میں بٹھاتے اور اسرار الٰہی کی باتیں کرتے۔ ایسی ایسی باتیں ہوا کرتے تھے کہ بڑے بڑے فصحائے عرب اور عام صحابہ اس کے مغز تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ اس

خاص جماعت صوفیا کے لوگ قریب قریب ستر اشخاص تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی معمول تھا۔ جب کسی صحابہ کی عزت وتکریم فرماتے تو ان کو ردائے مبارک (چادر) یا اپنا پیرہن شریف عنایت فرماتے۔ صحابہ میں وہ شخص صوفی سمجھا جاتا تھا۔ لہذا تصوف اور طریقت کی اول اول ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوئی اور تکمیل جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔

۱۲:۔ علم حقیقت کے تین رکن ہیں۔ خدا کی ذات کا علم وحدانیت کے ساتھ۔ خدا کی صفات کا علم مع احکام خداوندی۔ خدا کے افعال وحکمت کا علم۔ اسی طرح علمِ شریعت کے بھی تین رکن ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع امت۔

۱۳:۔ فرمایا بزرگوں کا مقولہ ہے کہ مرید میں زمین کی صفت ہونا چاہیے۔ تاکہ پیر آسمان بن کر کبھی اس پر پانی برسائے۔ کبھی آفتاب کی گرمی پہنچائے۔ کبھی ابر کے سایہ میں رکھے۔ کبھی اس کے الطاف کی خوشبودار ہوا اس پر چلتی رہے۔ تاکہ اس کی کھیتی پختہ ہوکر اس کو مال دار بنادے۔ جو خوش قسمت صاحب دولت یعنی اقبال مند ہے اس کے لئے سب سامان مہیا ہوجاتے ہیں۔ اگر بدبخت مادر زاد ہے تو دنیا میں کوئی طاقت اس کو کسی مرتبہ پر نہیں پہنچا سکتی۔

۱۴:۔ دعا بلا کو رد کردیتی ہے۔ اور رحمت الہیہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ جس طرح تیر کے لئے ڈھال رد ہے اسی طرح دعا بلا کے لئے ڈھال ہے۔ تقدیر وقضا وقدر پر اعتقاد کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ انسان تیغ و تبر کے وار کو نہ روکے۔

۱۵:۔ دعا بلا کو رد کردیتی ہے اور رحمت الہیہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی

ہے۔ جس طرح تیر کے لئے ڈھال رد ہے اسی طرح دعا بلا کے لئے ڈھال ہے۔ تقدیر و قضا و قدر پر اعتقاد کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان تیغ و تبر کے وار کو نہ روکے۔

۱۶:۔ اہل طریقت کا اجماع ہے کہ جو شخص اپنے کو فرعون سے اچھا سمجھے وہ بدنصیب ہے۔ اور یہ بھی ان کا قول ہے کہ خلق اللہ کی آنکھ سے اپنے کو گرانا آسان ہے۔ مرد وہ ہے جو اپنے آپ کو اپنی آنکھ سے گرا دے۔ ہر در سے جب تک وہ نکلا نہ جائے گا اور جب تک سب کے ہاتھوں میں کھوٹا ثابت ہوگا۔۔ ہر ترازو میں جب تک اس کی بے وزنی ثابت نہ ہوگی ہرگز اس کا خیال نہ کرو۔ کہ عبودیت کی شان اس میں آئی۔

۱۷:۔ جان لو معرفت مومن کی روح کا جوہر ہے۔ جس شخص کا خدا کی معرفت میں کوئی حصہ نہیں گویا حقیقت میں اس شخص کا وجود ہی نہیں۔ اہل طریقت معرفت کے راستہ میں اپنی ذات میں کھو جاتے ہیں۔ اور اپنے وجود ہی سے تلاش کی ابتدا کرتے ہیں۔ اور اپنی ذات ہی سے کثیف اور لطیف کی کل باتیں ڈھونڈتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی معرفت کی دلیلیں اور نشانیاں پا لیتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگوں کو خدا تعالیٰ نظروں سے گرا دیتا ہے۔ تاکہ یہ لوگ موجودات کی ہستی میں غور و فکر کریں۔ اور اس کو پہچان لیں۔ اور کسی کو ریاضت اور مشقت کے ذریعہ معرفت تک پہنچاتا ہے۔ اور کسی کو بغیر کسی وسیلے اور اسباب کی ہدایت کا نور اس کے دل میں اتار دیتا ہے۔ اور اپنی معرفت کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے۔ بعض لوگوں کو معرفت کی حقیقت سے پردے میں ڈال دیتا ہے۔ اور بعض لوگوں کو معرفت کی راہ سے بالکل حجاب میں ڈال دیتا ہے۔ معلوم ہوا خدا کی

معرفت خدا کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔

۱۸:۔ خدا کا پانا تلاش اور طلب سے نہیں بلکہ محض اس کی عطا ہے۔ وہ شخص نہیں پاتا جو اس کو ڈھونڈتا ہے۔ مگر وہ شخص پالیتا ہے جس پر بخشش و کرم فرمادیتا ہے۔ بہت سے ڈھونڈنے والے ایسے ہیں جنہوں نے آج تک نہیں پایا اور بہت سے پانے والے ایسے ہیں جنہوں نے بغیر تلاش و جستجو کے پالیا۔ جہاں تک تلاش کا تعلق ہے سب برابر ہیں۔

۱۹:۔ جب دنیا کے بادشاہ اپنے نوکروں کو نوازا کرتے ہیں تو ٹوپی اور عبا کا خلعت پہناتے ہیں اور کوئی جاگیر اس کو دیتے ہیں مگر جب وہ کسی پر کرم فرماتا ہے تو پہلے ٹوپی اور پھر اس کا عبا اتار لیتا ہے۔ اور بھوکا ننگا بٹھا دیتا ہے۔ جب تک بندہ اپنے آپ کو مار نہیں ڈالتا واپسی کا موقع نہیں پاتا۔

۲۰:۔ اس راہ کو طے کرنے کیلئے تین زینے ہیں۔ شریعت، طریقت اور حقیقت۔ نفس کیلئے شریعت، دل کے لئے طریقت اور روح کیلئے حقیقت کا راستہ بنایا ہے۔ نفس شریعت کے راستے سے عالم ملکوت میں داخل ہوتا ہے۔ اور دل کی صفتیں اختیار کر لیتا ہے۔ اور دل طریقت کی راہ سے عالم جبروت میں پہنچتا اور روح کی صفتیں اختیار کر لیتا ہے۔ اور روح حقیقت کے راستے اور جذبہ الٰہی کے وسیلے سے اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاتی ہے۔

۲۱:۔ عارفوں نے کہا ہے جس طرح گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے اسی طرح طاعت اور بندگی بجالا کر اس سے بھی توبہ کرنا چاہیئے۔

۲۲:۔ حدیث میں ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ کہیں جا رہے تھے۔

ایک چونٹی پر آپ کا پاؤں پڑ گیا۔ اور وہ زخمی ہوگئی۔ آپ نے دیکھا کہ وہ درد کی وجہ سے ہاتھ پاؤں پٹک رہی ہے۔ آپ غمگین ہو گئے اور اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگے چونٹی ہاتھ پاؤں مار کر بل میں چلی گئی لیکن آپ کے دل میں اس کا بڑا دکھ ہو گیا۔ آپ وہاں سے چلے آئے رات کے وقت حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ ناراض ہیں۔ اور ڈانٹ پلا رہے ہیں۔ کہ" اے علی تم نہیں جانتے کہ آج ساتوں آسمان میں تمہاری ظلم و ستم کی داستان گونج رہی ہے۔ جس چونٹی پر تم نے پاؤں رکھا تھا وہ اپنی قوم کی سردار اور صدیقان، بارگاہ میں سے ایک تھی۔ وہ جس دن پیدا ہوئی پل بھر بھی خدا کی تسبیح و تہلیل سے غافل نہ ہوئی۔ مگر اس وقت کہ تم نے اس سے کچل دیا پھر فرمایا اے علی گھبراؤ نہیں اس چونٹی نے خدا سے تمہاری معذرت چاہی کیونکہ یہ حرکت قصداً نہیں تھی۔ چنانچہ چونٹی کی شفاعت سے قصور معاف ہوا۔

۲۳:۔ تم سے جہاں تک ہو سکے شکستہ دل اور خراب حال رہو۔ حضرت موسیٰ نے خدا سے گفتگو کرتے وقت کہا اے پروردگار میں تجھے کہاں ڈھونڈو؟ جواب ملا اس دل میں جو میری قضا کی چوٹ کھا کر پاش پاش ہو چکا ہو۔

۲۴:۔ فرمایا سعادت اور شقاوت اللہ تعالیٰ کے دو خزانے ہیں۔ سعادت کی کنجی طاعت ہے اور شقاوت کی معصیت۔ جو ازل سے سعید ہے۔ اس کے ہاتھ میں سعادت کی کنجی ہے۔ جو ازل سے بد بخت ہے اس کے ہاتھ میں معصیت کی کنجی ہے۔

۲۵:۔ جان لو کہ تجرید و تفرید اس راہ میں شرط ہے۔ تجرید کے یہ معنی

ہیں کہ علائق سے قطع تعلق ہو۔ اور تفرید اس کو کہتے ہیں کہ انسان اپنی ہستی کو بھول جائے۔ صاحب تجرید اور تفرید کی حالت یہ ہوتی ہے کہ دل میں کسی قسم کا غبار نہیں رکھتا۔ خود وہ کسی گنتی میں نہیں آتا۔ نہ اس کے سینے میں وسواس ہوتے ہیں۔ مخلوق سے اس کو کچھ غرض نہیں ہوتی۔ ہمت اس کی عرش کی چوٹی سے گزری ہوتی ہے۔ ہر دو عالم کی کل نعمتوں سے محروم رکھا جائے مگر وصل حبیب اس سے میسر ہو تو ذرا برابر نا خوش نہیں رہ سکتا۔ صاحب تجرید و تفرید کی نظر میں موت و حیات برابر ہوتی ہیں۔

۲۶:۔ سماع سے اگر اللہ تعالیٰ کی محبت کی تحریک ہو اور مکاشفات اور ملاطفات ظہور پزیر نہ ہوں تو یہ حلال ہے۔ اور اگر طبیعت فسق و فجور کی طرف راغب ہو تو یہ حرام ہے۔ اور اگر کچھ حق اور کچھ غیر حق کی طرف متوجہ ہو تو یہ مکروہ ہے۔ اور اگر حق و مجاز دونوں کی طرف مائل ہو لیکن حق کی طرف زیادہ رجحان رکھیں تو یہ مباح ہے۔ اگر طلب منفعت کیلئے تو یہ مذموم ہے اور اگر طلب حقیقت کے لئے ہے تو محمود ہے۔ (معدن المعانی)

امام احمد رضا خان بریلویؒ

(وصال 1921ء)

ا۔ شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع۔ شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا۔

۲۔ طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے۔ شریعت پر ہی طریقت کا دارومدار ہے۔ شریعت ہی اصل کار اور کسوٹی و معیار ہے۔

۳۔ شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔ اس کے سوا

آدمی جو راہ چلے گا اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور جا پڑے گا۔

۴۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے۔

۵۔ تصوف میں عشق رسول بنیاد رکھتا ہے۔ آپ نے گستاخانِ رسول ﷺ کا مسکت جواب دیا ہے۔ فرمایا اللہ اور رسول نے دولت مند کر دیا۔ اللہ اور رسول نگہبان ہیں۔ اللہ اور رسول بے والیوں کے والی ہیں۔ اور مالکوں کے مالک ہیں۔ اللہ اور رسول دینے والے ہیں۔ اللہ اور رسول نے نعمت دی۔ عزت بخشی۔

۶۔ آپ ﷺ اپنی امت کے حافظ و نگہبان ہیں۔ آپ ﷺ کی ہی طرف سے سب کے ہاتھ پھیلے ہیں۔ آپ ﷺ کے آگے گڑ گڑا رہے ہیں۔ حضور ﷺ تمام کائنات انسان اور امتوں کے مالک ہیں۔ دنیا کی ساری مخلوق آپ ﷺ کے قبضہ میں ہے۔

۷۔ مدد کی کنجیاں آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہیں۔ نفع کی کنجیاں حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہیں۔ جنت و دوزخ کی کنجیاں آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہیں۔ آخرت میں عزت دینا بھی حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔ حضور ﷺ مصیبتوں کے دور فرمانے والے ہیں۔ سختیوں کے ٹالنے والے ہیں۔

۸۔ حضور کے خادم رزق آسان کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کے خادم بلائیں ٹالتے ہیں۔ بلند مرتبے دیتے ہیں۔ حضور کے خادم تمام کاروبار عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے سبب بلا دور ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ کے سبب روزی ملتی ہے۔ اولیاء کے سبب بارش ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ

کے سبب زمین قائم ہے۔

۹۔ خاصان خدا کا کیا مقام ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک اللہ عزو جل دوست رکھتا ہے۔ اپنے خلق سے اتقیاء اصفیاء ابرار کو جنکے بال پریشان، منہ غبار آلود، پیٹ دبلے ہیں۔ جب وہ امرا کے آنے کی اجازت چاہیں تو ان کو اجازت نہ دی جائے۔ اگر مالدار عورتوں سے نکاح کا پیغام کریں تو ان سے نکاح نہ کرے۔ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کریں۔ مرجائیں تو جنازہ میں حاضر نہ ہوں۔ زمین والوں میں مجہول مگر آسمان والوں میں معروف ہیں۔ اگر اللہ کی قسم کھائیں تو ان کی قسم کو سچی کر دے۔

۱۰۔ اللہ کے محبوب بندے زمین و آسمان کی ہر مخفی چیز کو اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے ان کو اپنے پر قیاس کر کے ذلیل نہ کیا کرو۔

۱۱۔ علم و عرفان بصیرت و بسارت کی پہلی منزل خود مقام صوفیاء ہے۔ مرید اگر اپنے پیرو مرشد میں استقامت حاصل کرے تو پھر اسی نور سے اللہ اور رسول کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ اسی نسبت کو حاصل کرنے کے لئے اکابر صوفیا نے سلاسل میں نسبت حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔ یہ درست ہے جس کا کوئی مرشد نہیں ہوتا اس کا شیطان پیر ہوتا ہے۔

۱۲۔ سواد اعظم جس کو ولی مان رہا ہے وہ بے شک ولی اللہ ہے۔ خلاف شریعت ہر وقت بکتے رہنے والے کو حالت سکر کا عذر سمجھ کر معاف نہیں کیا جاسکتا اور نہ ولی سمجھا جاسکتا ہے۔

۱۳۔ مرتبہ غوثیت کی توجیہات علم لدنی پر مبنی ہیں۔ اس لئے اس قسم کی باتیں صرف سینہ بہ سینہ ہی منتقل ہو سکتی ہیں۔ کہیں کسی کتاب میں اس

طرح کی بحث پڑھنے کو نہیں ملتی۔

۱۴۔ بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔ غوث ہر زمانے میں ہوتا ہے۔ غوث کو مراقبے سے حالات منکشف نہیں ہوتے۔ بلکہ انہیں ہر حال میں یونہی مثل آئینہ پیش نظر ہے۔ وہ دنیا کو ہتھیلی میں رائی کے دانے کے مانند دیکھتے ہیں۔ ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ غوث کا لقب عبداللہ اور وزیر دست راست عبدالرب و وزیر دست چپ عبدالملک۔ اس سلطنت میں وزیر دست چپ و وزیر راست سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ بخلاف سلطنت دنیا اس لئے کہ یہ سلطنت قلب ہے۔ اور دل جانب بائیں، غوث اکبر و غوث ہر غوث حضور سید عالم ﷺ ہیں۔ صدیق اکبر حضور کے وزیر دست چپ تھے اور فاروق اعظم وزیر راست۔ پھر امت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ ممتاز ہوئے۔ اور ان کے دو وزیر حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ مقرر ہوئے۔ اسی طرح یہ سلسلہ حضرت امام حسن عسکری تک آیا۔ اور بعد میں حضرت غوث اعظمؓ غوث ہوئے۔ اب ان کے بعد جتنے غوث ہوئے سب ان کے نائب ہوئے۔ اب حضرت غوث اعظم تنہا غوثیت کبریٰ کے درجہ پر فائز ہوئے۔ حضور غوث اعظم بھی ہیں۔ اور سید الافراد بھی، حضور کے بعد اب جتنے بھی ہوں گے حضرت امام مہدی تک سب نائب، حضور غوث اعظمؓ ہوں گے۔ پھر امام مہدیؑ کو غوثیت کبریٰ عطا ہوگی۔

۱۵۔ صوفی کے راستے میں تادم زیست شیطان سب سے زیادہ کانٹے بچھاتا ہے۔ اس کے بہکاوے ایسے پُرفریب ہوتے ہیں کہ اچھے اچھے الہام و عرفان سمجھ کر جھوٹ کو سچ سمجھنے لگتے اور سیدھی راہ سے دور جا پڑتے

ہیں۔ بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے دھاگے کی لگام ڈالتا ہے۔ جتنا علم وسیع ہوتا جاتا ہے سالک سمندر کی طرح پھیل کر گہرا ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح راہ سلوک کے متوالوں کو چاہئے کہ تمام تر ضروری علم حاصل کریں۔ غیر ضروری دنیاوی علم کو حاصل کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ بسا اوقات تضیع اوقات ثابت ہوتا ہے۔

۱۶۔ بعض اوقات مرید عالم فاضل اور صاحب شریعت وطریقت ہونے کے مراد نہیں پاتا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس سے فارغ اکثر علمائے دین اپنے آپ کو پیر سے افضل سمجھتے ہیں۔ یا علم کا غرور اور کچھ ہونے کی سمجھ ان کو کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ وگرنہ سعدی کا مشورہ سنیں فرماتے ہیں۔ "بھر لینے کو چاہئے کہ جب کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اگرچہ کمالات سے بھرا ہوا ہے مگر اپنے کمالات کو اپنے دروازے پر چھوڑ دے اور یہ جانے کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ خالی ہو کر آئے گا تو کچھ پالے گا۔ اور اگر اپنے آپ کو بھرا ہوا سمجھے گا تو پھر برتن میں اور کوئی چیز نہیں ڈالی جاسکتی"۔

۱۷۔ بزرگانِ دین کے اعراس کے ضمن میں فرمایا اولیاء کرام کی ارواح کو ان کے وصال کے دن قبور کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے۔ چناچہ وہ وقت جو وصال کا ہے اخذ برکات کیلئے زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ آپ قادری ہونے کے باوجود سلسلہ چستیہ کے تمام بزرگان دین کی بے پناہ عزت واحترام کرتے تھے۔ فرمایا خواجگان چست کے مزارات پر بہت کچھ فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں۔ آپ سچی اور قلبی ارادت کو فیض کی کنجی سمجھتے تھے۔ اور مرشد کی توجہ بیڑا پار جانتے تھے۔

۱۸۔ شیخ کے حضور میں خاموش بیٹھنا افضل ہے، ضروری مسائل پوچھنے میں حرج نہیں۔ شیخ کے حضور بیٹھ کر ذکر بھی نہ کریں۔ یہ بلاتوسل ہو گا اور شیخ کی توجہ سے جو ذکر ہوگا وہ بتوسط ہوگا یہ اس سے بدرجہا افضل ہے۔ اصل کار حسن عقیدت ہے۔

۱۹۔ مجذوب اپنے سلسلہ میں منتہی ہوتا ہے۔ اپنا سا کوئی دوسرا مجذوب پیدا نہیں کرسکتا۔ وجہ غالباً یہ ہے کہ مجذوب مقامِ حیرت ہی میں فنا ہو جاتا ہے اور بقا حاصل کر لیتا ہے۔ اس لئے غیر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

۲۰۔ ولایت کی توجہ الی اللہ ہوتی ہے اور نبوت کی توجہ الی الخلق۔ نبوت اسی طرح سے غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے۔

۲۱۔ اہل اللہ کی زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک اعلیٰ نعمت ہے۔ ان کی ذات سے ہر مصیبت ٹلتی ہے اور مشکل حل ہو جاتی ہے۔ انہی نفوس قدسیہ کی بدولت وہ عقدہ لاینحل چٹکی بجاتے حل ہو جاتے ہیں۔ جنہیں قیامت تک کبھی بھی ناخن تدبیر نہ کھول سکے نہ کوئی میزان عقل میں تول سکے۔

۲۲۔ کسی نے پوچھا علم باطن کا ادنیٰ درجہ کیا ہے؟ جواباً حضرت ذوالنون مصری کا قول نقل کیا۔ انہوں نے فرمایا میں ایک بار سفر پر گیا اور وہ علم لایا جسے خواص و عام سب نے قبول کیا۔ دوبارہ سفر کیا اور وہ علم لایا جس سے خواص نے قبول کیا مگر عوام نے رد کر دیا۔ تیسری مرتبہ سفر کیا اور وہ علم لایا جو خواص و عوام کی سمجھ میں نہ آیا۔

۲۳۔ کسی نے سوال کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اقدس کیا ہے؟ فرمایا کتب سابقہ میں احمد ہے اور قرآن مجید میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے صفاتی نام انگنت ہیں۔ علامہ احمد قسطلانی نے پانچ سو نام جمع کئے
سیرت شافی میں تین سو اور اضافہ کئے گئے۔ اور میں نے چھ سو ناموں کا
ضافہ کیا۔ اس طرح آپ ﷺ کے چودہ سو صفاتی نام ہوئے۔ اور حضور
ﷺ کے نام ہر طبقہ میں مختلف ہیں۔ اور ہر جنس میں جداگانہ ہیں۔
پہاڑوں میں اور ہیں۔ یہ کثرت اسماء کثرت صفات پر دلالت کرتی ہے۔

۲۴۔ پوچھا گیا وحدت الوجود کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا وجود ہستی
بالذات واجب تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کے سوا جتنے وجود ہیں سب اس
کے ظل پرتو ہیں۔ تو حقیقتاً وجود ایک ہی ٹھہرا۔

۲۶۔ ہر ایک کے ساتھ کتنی روحیں ہیں؟ جواب دیا صرف ایک ہی
روح ہے۔ اگر مسلمان ہے تو علین میں کافر ہے۔ تو سجین میں۔ جو شخص قبر
پر جاتا ہے اس کو بخوبی دیکھتی ہیں۔ اس کی بات سنتی اور سمجھتی ہے۔ مرنے
کے بعد روح کا ادراک بے شمار بڑھ جاتا ہے خواہ مسلمان کی ہو خواہ کافر
کی۔ شاہ عبدلعزیز فرماتے ہیں کہ روح کو قرب و بعد مکانی یکساں ہے۔

۲۷۔ مجاہدہ کا کیا معنی ہیں؟ فرمایا جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے
سے ڈرے اور نفس کو خواہشات سے روکے تو بے شک جنت ٹھکانہ ہے۔
اور یہی جہاد اکبر ہے۔

۲۸۔ کیا روح عالم امر سے ہے؟ فرمایا ہاں، عالم امر اور عالم خلق
میں فرق ہے۔ عالم خلق مادے سے بتدریج پیدا فرمایا اور عالم امر صرف
کن سے، روح عالم امر سے محض کن سے بنی اور جسم عالم خلق سے کہ نطفہ
پھر علقہ پھر مضغہ سے۔

۲۹۔ فرمایا عبرانی اور زبان ہے سریانی اور ہے۔ عبرانی زبان میں

انجیل نازل ہوئی اور سریانی میں تورات نازل ہوئی۔ (تذکرۃ الاولیاء، عرفانِ الٰہی بحوالہ انوارِ رضا، ضیاء القرآن، حدائق بخشش، ملفوظات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ۔)

حجتہ الا اسلام امام غزالیؒ

(وصال 1111ء)

۱۔ درویش کے لئے فقری ہی زیب و زینت، صبر اس کا زیور اور تسلیم و رضا اس کی سواری ہے۔

۲۔ صحیح معنوں میں صوفی وہ ہے جو واصل باللہ ہو اور لوگوں کے ساتھ صلح و آشتی سے رہے۔ دوسروں پر اپنا بوجھ نہ ڈالے بلکہ دوسروں کا بوجھ خود برداشت کرے۔ دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرے جیسا وہ اپنے ساتھ سلوک پسند کرتا ہے۔

۳۔ بندگی فقط حق تعالیٰ کی محبت میں کرے۔ اس کا باطن ہر قسم کی کدورت سے پاک ہو اور تمام معاملات رب تعالیٰ کے سپرد کرے۔

۴۔ دنیائے تصوف میں حق تعالیٰ بندے کے انتہائی قریب ہے اگر چہ عملی طور پر اس کو ماورائے ادراک سمجھا جاتا ہے۔

۵۔ جب میں صوفیاء کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا۔ اس کے لئے ایک مخصوص عقیدے اور عملی زندگی کی ضرورت ہے۔ یعنی کتابی علم منزل مقصود تک نہیں لے جا سکتا۔ یہاں نفسانی خواشہات اور رزائل سے خلاصی حاصل کرنا ضروری ہے تب راہ طریقت میں قدم رکھا جا سکتا ہے۔

۶۔ جو کچھ صوفیاء حاصل کر لیتے ہیں ظاہری تعلیم کے ذریعہ حاصل

کرنا ممکن نہیں۔ یہ تجربات اور وجدان کا معاملہ ہے جس کا تعلق براہ راست رب کریم کے لطف وکرم سے ہے۔

۷۔شراب پینے والے کو پتہ نہیں ہوتا کہ شراب کی تعریف(Definition) کیا ہے۔مگر وہ شرابی ہے۔اور پی رہا ہے۔ جبکہ اغیار شراب کی تعریف اور شراب پینے والے کے اصول وضوابط سے آگاہ ہوتے ہیں۔

۸۔حقیقت کو اسی وقت پایا جا سکتا ہے جبکہ طالب دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلے۔

۹۔ظاہری دنیا باطنی کائنات کے سامنے ایسے ہے جیسے چھلکا مغز کے سامنے، جسم روح کے سامنے، تاریکی روشنی کے سامنے اور بدی نیکی کے سامنے۔

۱۰۔تمہیں اپنے آپ کی پہچان کرنی چاہیے، اس دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے۔اور تمہاری خوشی اور غمی کسی چیز میں مضمر ہے۔ جب اپنے آپ کو پہچان لوگے تو رب کی تلاش کا ذریعہ آسان ہو جائے گا یعنی رب تک پہنچ جاؤ گے۔

۱۱۔فاعل حقیقی کا جاننا سالکوں کے لئے بڑا اعالی مقصد ہے۔ جو شخص سب باتوں کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرے وہ ایسا محقق ہے کہ حق اور حقیقت کی مقدار کو جانتا ہے۔ کیونکہ فاعل حقیقت میں ایک ہے اور وہی قابل خوف ورجا ہے اور اسی پر توکل واعتماد زیبا ہے۔ فاعل سوائے حق تعالیٰ کے اور کوئی دوسرا نہیں۔

۱۲۔سالک اپنے نفس اور غیر اللہ سے فانی ہو کر سوائے حق تعالیٰ کے

اور کچھ نہیں دیکھتا۔ جس شخص کی فہم میں یہ بات نہیں آئی وہ اس حالت کا انکار کرتا ہے۔ لہذا توحید کا چوتھا مرتبہ یہی ہے کہ وجود میں سوائے ذات واحد یکتا کے اور کوئی نہیں آتا وہ سب کو کثرت کی راہ سے نہیں دیکھتا بلکہ وحدت کی راہ سے دیکھتا ہے۔ اور یہی توحید کی انتہائی منزل ہے۔

۱۳۔ جان لو علم کی دو قسمیں ہیں، ایک علم مکاشفہ (علم باطن) اور دوسرا علم ظاہر یا علم معاملہ۔ علم باطن تمام علوم کی انتہا ہے۔ عارفین کا قول ہے کہ جو اس علم سے بے بہرہ ہوگا اس کے خاتمے کی خرابی کا خوف ہے۔ ادنیٰ درجہ اس علم کا یہ ہے کہ اس کی تصدیق کرے۔ اور علم والوں (اولیاء اللہ) کو مانے اور ادنیٰ عذاب اس علم کے منکر کا یہ ہے کہ اس علم سے اس کو کچھ نہیں ملتا، حالانکہ یہ علم صدیقوں اور مقربانِ الٰہی جل جلالہ کا ہے۔

۱۴۔ جو علم اچھا ہی اچھا ہے وہ حق تعالیٰ کا علم اور اس کے صفات کا، افعال کا، اس کی عادت کا جو خلق میں جاری و ساری ہے اور اس حکمت کا جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے میں مضمر ہے۔ پس یہی وہ علم ہے جو مقصود بالذات ہے اور سعادت آخری کے حصول کا ذریعہ ہے۔

۱۵۔ دل مثلِ آئینہ ہے۔ جو کوئی اس میں غور کرے گا تو خداوند تعالیٰ کو دیکھے گا۔ چاہیئے کہ اپنی صفات سے خدا کی صفات کو پہچانے اور اپنی ہستی سے خدا کی ہستی کو پہچانے۔ جب تصویر کو آئینہ کے سامنے کیا جائے تو تصویر اس میں نظر آتی ہے۔ جب دل صاف ستھرا ہوا اور اس سے محسوسات سے قطع کر لیا جائے تو لوحِ محفوظ سے موجود ہر قسم کی معلومات اور تصویریں صاف نظر آنے لگتی ہیں۔

۱۶۔ دل کی بزرگی دو وجہ سے ہے، ایک علم اور ایک قدرت کی وجہ

سے۔ دل اپنی پرواز مشرق سے مغرب تک یک لحہ میں مکمل کر لیتا ہے۔

۱۷۔ امام غزالیؒ نے قلب کی چار قسمیں بتائی ہیں۔ مثلاً قلب مجرّد (مومن کا دل) قلب سیاہ (کافر کا دل)، قلب ملفوف (منافق کا دل)، قلب مصفح (جس مین ایمان اور نفاق دونوں موجود ہوں)

۱۸۔ دل کی بصیرت اور چمک ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ ذکر پر قدرت تقویٰ سے حاصل ہوتی گویا ذکر کا دروازہ ہے اور ذکر کشف کا دروازہ ہے یعنی تقویٰ سے ذکر، ذکر سے کشف ملتا ہے۔ اور کشف فوز کبیر (بڑی کامیابی) کی کنجی ہے۔

۱۹۔ مکاشفتہ القلوب میں فرماتے ہیں کہ بعض نے خشوع وخضوع کو افعال قلب بتاتا ہے۔ جس طرح کہ خوف اور ڈر دل میں ہوتا ہے او بعض نے اس کو ظاہری اعضاء کی کیفیت کا نام دیا ہے۔ جیسے سکوت، التفات وارترکِ فضولیات ہیں۔ دل میں پیدا ہونے والے خیالات سے نماز میں غفلت پیدا ہوتی ہے اور اس کو دور کرنے کا اندھیرے میں نماز پڑھنا، خوبصورت کپڑوں اور چیزوں سے الگ ہو کر نماز پڑھنا ہے۔ جتنا نماز میں انہماک ہوگا اتنا ہی نماز کا ثواب ہوگا۔

۲۰۔ امام غزالیؒ کے نزدیک بے حضوری کی دو وجوہات ہیں۔ ایک ظاہری وجہ اور دوسری باطنی وجہ۔ ظاہری وجہ یہ ہے کہ آنکھ، ناک، کان کو دوسری طرف مشغول نہ کرے۔ اور اگر کمرہ تاریک ہو تو بہتر ہے یا پھر آنکھیں بند کر لے۔ بزرگوں نے اپنے حجرے تنگ وتاریک اس لئے بنائے ہیں کہ کشادہ جگہ دل پراگندہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ نماز کے وقت قرآن، تلوار اور ہر شے کو اپنے سے الگ کر دیتے تھے۔ کہ توجہ ادھر نہ

چلی جائے۔ باطنی وجہ دل کی پریشانی یا مشغولیت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ دل کو اس کام سے فارغ کرے جس کی وجہ سے پریشانی ہو۔

۲۱۔ نیند کی حالت میں حواسِ خمسہ کی راہ بند ہو جاتی ہے۔ لیکن اندرونی (دل کا) دروازہ کھل جاتا ہے۔ عالم ملکوت اور لوح محفوظ سے غیب کی باتیں ظاہری ہونے لگتی ہیں اور آنے والے واقعات کی تعبیر بھی ہوا کرتی ہے۔

۲۲۔ فرمایا ایک حکیم کا قول ہے کہ بدن کی سلامتی کم کھانے میں ہے۔ روح کی سلامتی گناہوں کی کمی میں ہے۔ اور دین کی سلامتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے۔ اور ایماندار وہ ہے جو سارے اعضائے بدن کے ساتھ حق تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔

۲۳۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر صبر کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت میں جنت میں تین سو درجات عطا کرے گا۔ ہر درجہ کے درمیان زمین و آسمان کا سا فاصلہ ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جس بندے پر کوئی آفت آئے اور وہ میرے بجائے مخلوق سے پناہ چاہے تو میں اس پر آسمان کے دروازے بند کر دیتا ہوں۔

۲۴۔ اے انسان یاد رکھ نفس تو برائی کا حکم دیتا ہے یہ ابلیس سے زیادہ برا دشمن ہے۔ نفسانی خواہشات و شہوات کے ذریعے شیطان تیرے خلاف قوت حاصل کرتا ہے۔ اس سے امید و فریب کے ذریعہ اپنے آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالو۔ نفس تو چاہتا ہے کہ امن غفلت، آرام اور سستی و کاہلی رہے۔ اس لئے اس کا سب دعویٰ جھوٹ ہے۔

۲۵۔ بسیار خوری سے فہم و عقل ختم ہو جاتا ہے۔ اسلئے کہ پیٹ بھرنے سے ذہانت ختم ہو جاتی ہے۔

۲۶۔ اللہ تعالیٰ نے تین طرح کے مخلوق پیدا فرمائی۔ ۱۔ فرشتے پیدا کیے، ان میں عقل رکھ دی، مگر شہوت نہیں رکھی۔ ۲۔ حیوانات پیدا کیے ان میں شہوت رکھ دی مگر عقل نہیں۔ ۳۔ انسان کو پیدا فرمایا ان میں عقل اور شہوت دونوں رکھ دیں۔

۲۷۔ فرمایا توبہ کرنے سے شرک کی جگہ ایمان آجاتا ہے۔ زنا کی جگہ معافی اور نافرمانی کی جگہ گناہ سے حفاظت و اطاعت مل جاتی ہے۔

۲۸۔ جو شخص چار باتوں کے بغیر چار باتوں کا دعویٰ کرے وہ کذاب ہے ۱۔ جو جنت کی محبت کا دعویٰ کرے مگر عبادت نہ کرے وہ کذاب ہے۔ ۲۔ جو حضور اکرم ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرے مگر علماء فقراء سے محبت نہ رکھے وہ کذاب ہے۔ ۳۔ جو دوزخ سے ڈر کا دعویٰ کرے مگر گناہ نہ چھوڑے وہ کذاب ہے۔ ۴۔ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرے مگر آزمائش میں شکایت کرے تو وہ کذاب ہے۔

۲۹۔ کہتے ہیں کہ عشق دراصل پردہ داری ہے۔ راز کھول دینا حلاوت ذکر کے باعث غلبہ شوق کی وجہ سے روح کا عاجز آجانا ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس کا کوئی حصہ کاٹ دیا جائے تو محسوس نہ ہو۔

۳۰۔ یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا مفہوم ان کی عبادت و اطاعت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بندوں سے محبت کرنا یہ ہے کہ وہ ان کی مغفرت کی نعمت عطا فرماتا ہے۔ اگر بندہ یہ جان لے کہ حقیقی کمال اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور میرے اندر جو نظر آتا ہے وہ اللہ کی

جانب سے اور اسکی عطا ہے تو اس کی محبت سے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہو جائے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے قریب بخشنے کے اعمال بجالائے۔

۳۱۔ طالب آخرت پر لازم ہے کہ وہ دنیاوی زندگی سے بے رغبت رہے تا کہ اسے ایک ہی فکر ہو اور ظاہر و باطن قابو میں رکھے بغیر حال کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ دنیا میں رغبت رکھنا غم و اندوہ بڑھاتا ہے۔ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے اور دنیا سے بے رغبت ہونا ہر نیکی و خیر کی جڑ ہے۔

۳۲۔ یاد رکھو اصل عبادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ہو۔ اللہ تعالیٰ سے امید رکھے اور اس سے ڈرے اور اپنے آپ کا مراقبہ و محاسبہ کرتا رہے۔ اگر بندہ ان خصائل سے محروم ہو تو اس سے حقیقت ایمان حاصل نہیں۔ اس لئے کہ عبادت تب ہی صحیح ہو سکتی ہے۔ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو۔ فرمایا کہ ایک عارف سے علم باطن کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے بتایا یہ حق تعالیٰ کے اسرار میں ایک سر (راز) ہے جو وہ اپنے محبوبین کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ اس پر کوئی فرشتہ اور انسان آگاہ نہیں ہوتا۔

۳۳۔ اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے کسی عمل کی جز اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے۔ اور یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اور اس کے اعمال کو پیدا فرمایا۔ اب اگر ثواب کی امید پر اور سزا کے ڈر سے عبادت کی تو بندہ اخلاص کامل نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ اپنی جان کے لئے جدو جہد کر رہا ہے۔

۳۴۔ ترکِ دنیا کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا کے حال میں غور و فکر ختم کر

دے اور اس کی لذت کی تمنا ہی چھوڑ دے۔ اس لئے کہ فکر کے باعث ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ نفس کا فکر کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

۳۵۔ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جب فقیر (اللہ پر) خوش ہو تو اس سے افضل کوئی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: قیامت کے دن حق تعالیٰ فرمائے گا: میری مخلوق میں سے میری عمدہ ترین مخلوق کہاں ہے؟ فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے رب! وہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فقراء مسلمان جو میری عطا پر قناعت کرنے والے ہیں۔ میری تقدیر پر راضی ہیں۔ اور ان کو جنت میں داخل کر دو۔ یہ وہاں کھاتے پیتے ہوں گے اور باقی لوگ حساب میں پڑیں گے۔

۳۶۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اے انسان! اللہ کی جان ان کی صفات سے کہ وہ اول اور آخر، ظاہر اور باطن ہے اور تعجب نہ کر کیونکہ وہ معنی جس سے انسان کو انسان کہا گیا ہے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے۔ با اعتبار اپنے افعال کے جو کہ ظاہر نظر آرہے ہیں انسان ظاہر ہے اور با اعتبار اپنی حقیقت کے باطن ہے۔

۳۷۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیمؑ کی مزار مبارک پر دو باتوں سے توبہ کی۔ اول یہ کہ کسی امیر کے دروازے پر نہ جاؤں گا کیونکہ ایسا کرنے سے دو تہائی ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور دوسرا بحث سے کیونکہ اس میں تضیع اوقات ہے۔

۳۸۔ ذکر اللہ سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔ ذکر الٰہی کے لئے ایک مغز اور تین پوست ہیں۔ اور مغز تو مقصود بالذات ہے مگر پوست اسمائے مقصود اور محبوب ہیں۔ کہ وہ مغز تک پہنچنے کے ذرائع اور اسباب ہیں۔ : پہلا

پوست صرف زبان سے ذکر کرنا ہے۔ دوسرا پوست قلب سے ذکر کرنا اور جبراً یہ تکلیف اس کا خوگر ہونا ہے۔ تیسرا پوست یہ ہے کہ ذکر الٰہی قلب میں جگہ کرلے اور ایسا گڑ جائے کہ اس کا چھڑانا دشوار ہو جائے۔

۳۹۔ توکل کے معنی اس حالت کے ہیں جو حق تعالیٰ کو یکتا فاعل ومختار اور تمام صفاتِ عالیہ میں مستقل ولاشریک سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد یہ حالت ایسے کام کراتی ہے جن سے توکل واعتماد ظاہر ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا توکل کے تین رکن ہیں۔ اول معرفت، دوم حالت، سوم اعمال۔ معرفت یعنی توحید حق جس کا اقرار کلمہ توحید سے ہوتا ہے یعنی اپنے کام خدا کے حوالہ کردو اور قلب کو مطمئن رکھو کہ غیر اللہ کی طرف التفات بھی نہ کرو۔ تیسرا رکن اعمال ہیں یعنی محنت مزدوری کرتے رہو۔ بے کار بیٹھنے کا نام توکل نہیں۔

(تذکرہ اولیاء عرفان الٰہی بحوالہ احیائے علوم۔ کیمائے سعادت، مکاشفۃ القلوب)

حسین بن منصور حلاجؒ

(وصال ۹۲۲ء)

۱۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ایک ہے۔ یکتا ہے اور یگانہ ہے۔ اور اسی کا ایک ہونا مُسلم ہے۔

۲۔ واحد اور توحید: ایک کا تعلق صرف فی (میں) سے ہے اور دوسرے کا تعلق صرف عن (سے) یعنی ایک کو ہمہ اوست اور دوسرے کو ہمہ از اوست کہا جاسکتا ہے۔

۳۔ علم توحید کے دونوں پہلو یعنی تفرید اور تجرید: تفرید میں اپنے نفس

کی نفی ہے اور تجرید میں اغیار کی۔

۴۔ بھیدوں (اسرار) کا سرچشمہ اسی سے پھوٹتا ہے یہ بھید اسی کی طرف خیالات لے جاتے ہیں کیونکہ وہی ان کو الہام کرنے والا ہے یعنی توحید کے اسرار آسان نہیں ہیں۔

۵۔ خدا کے بھید اور اس کے مقام یکتائی کو دریافت کرنا عقلاً ناممکل ہے کیونکہ اس اسرار کو اس سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا مخرج اور مرجع وہی ہے۔ وہ خود ہی ان کو دل میں ڈالتا ہے۔

۶۔ یہ ساری کائنات عرض و جواہر اور الوان و انواع کی ہے۔ اور وہ ان سب سے بالاتر ہے جس کو ہم قبلہ کہتے ہیں وہ بھی قبلہ نما ہے۔

۷۔ جب وہ حد ادراک سے بھی پرے ہے تو جو کچھ ہم اس کے بارے میں کہیں گے وہ یقیناً محدود ہے مگر وہ خود لا محدود ہے ہماری توحید بھی ایک قسم کی حد بندی ہے جو اس کے لئے سزاوار نہیں ہے۔

۸۔ پہلے وہ علم کے دروازے سے آتا ہے اور نہیں دیکھتا۔ پھر وہ ''صفا'' کے دروازے سے آتا ہے اور نہیں دیکھتا، پھر وہ ''فہم'' کے دروازے سے آتا ہے اور نہیں دیکھتا، اور پھر معنی کے دروازے سے آتا ہے اور نہیں دیکھتا۔ عوام کا فکر توہمات کے سمندر میں غوطہ زن رہتا ہے خواص کا فکر عقل و فہم کے سمندر میں شناوری کرتا ہے۔ مگر بالآخر یہ دونوں سمندر خشک ہو جاتے ہیں۔ حجتیں دم توڑ دیتی ہیں اور علم و معرفت لاشے ہو جاتے ہیں۔

۹۔ الوہیت کی بارگاہ سے صرف اس ذات کی صفت رحمٰن کا نور جلوہ گر ہو جاتا ہے جو پاک ہے اور حدوث قبول نہیں کرتی ہے۔

۱۰۔ پاک ہے وہ ذات جو تمام عیوب سے مبرا ہے جس کی حجت قوی ہے جس کی قدرت غالب ہے اور جو جلال، بزرگی اور عظمت والا ہے

۱۱۔ اللہ تعالٰی نے ہر چیز کے لئے حدوث کو لازم کر دیا ہے کیونکہ قدیم ہونا اسی کیلئے مخصوص ہے۔ لہٰذا جس چیز کا ظہور جسم سے ہے اس کے لئے عرض لازم ہے۔ اور جو چیز آلات و اسباب سے مجتمع ہوئی ہے اس کی قوتیں اس کو تھامے ہوئے ہیں۔

۱۲۔ جس چیز کو محل اور مکان اپنے اندر لئے ہوئے ہے اس کو کیفیت مکانی محیط ہے۔ جو کسی جنس کے تحت میں ہے اس کے لئے مکیف اور ممیّز ہونا لازم ہے۔ حق تعالٰی پر نہ کوئی مکانی فوق سایہ فگن ہے نہ کوئی مکان تحت اس کو اُٹھائے ہوئے ہے۔ قریب و نزدیک اس کا مزاحم نہیں نہ کوئی اس کو اپنے پیچھے لے سکتا ہے نہ سامنے ہو کر محدود کر سکتا ہے۔ نہ اولیت نے اس کو ظاہر کیا نہ بعدیت نے اس کی نفی کی۔

۱۳۔ اس کے وصف کے لئے کوئی تعبیر نہیں نہ اس کے فعل کی کوئی علت، اس کے وجود کی کوئی نہایت نہیں (نہ ماضی میں نہ مستقبل میں کیونکہ وہ ازلی بھی ہے اور ابدی بھی)۔ وہ اپنی مخلوق کے احوال سے منزہ ہے۔ اس کو اپنی مخلوق سے کسی قسم کا امتزاج و اختلاط نہیں۔

۱۴۔ اس کا وجود ہی خود اس کا اثبات ہے اور اس کی معرفت یہ ہے کہ اس کو واحد جانو اور توحید یہ ہے کہ مخلوق سے اس کو ممتاز اور الگ سمجھو۔ جو کچھ وہم کے تصوّر میں آتا ہے وہ اس کے غیر کا ہے۔

۱۵۔ جو چیز اسی کے پیدا کرنے سے پیدا ہوئی وہ اس میں کیسے حلول کر سکتی ہے کیونکہ حال و محل میں اتحاد ہوتا ہے اور حادث قدیم کے ساتھ

متحد نہیں ہوسکتا۔

۱۶۔اس کا قرب یہ ہے کہ مکرّم بنادے اور بُعد یہ ہے کہ ذلیل کر دے۔

۱۷۔ وہ اوّل بھی ہے آخر بھی ہے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے قریب بھی ہے اور بعید بھی۔اس کی مثل مثال کوئی شے نہیں وہ ہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

۱۸۔ جو شخص حقیقت توحید سے آشنا ہو جاتا ہے اس کے دل وزبان سے کیوں اور کیسا وچوں وچرا ساقط ہو جاتا ہے۔ وہ ہر حال میں اللہ سے راضی رہتا ہے اور ہر حکم اور ہر تقدیر کے سامنے گردن تسلیم خم کردیتا ہے۔

۱۹۔فراست یہ ہے کہ جب حق کسی لطیفہ پر (جو انسان کو عطا ہوا ہے) غالب ہو جاتا ہے تو اس کو اسرار کا مالک بنا دیتا ہے۔اب وہ اس کا معائنہ کرنے لگتا ہے۔اور بیان بھی لاتا ہے۔

۲۰۔پوچھا گیا جس حق کی طرف لوگ اشارہ کرتے ہیں وہ کون ہے؟ فرمایا جو مخلوق کے لئے علّتیں پیدا کرنے والا ہے اور خود کسی علّت کا معلول نہیں۔

۲۱۔حق تعالیٰ نے لوگوں کو اسم کے حجاب میں رکھا ہے تو وہ زندہ ہیں اور اگر علوم قدرت ان کے لئے ظاہر کردئے جاتے تو ان کے ہوش و حواس جاتے رہتے اور اگر حقیقت کو منکشف کردیتے تو مر جاتے۔

۲۲۔اللہ تعالیٰ کے اسماء فہم وادراک کی جہت سے تو اسم ہیں اور واقع کے اعتبار سے حقیقت یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء مسمی سے جدا نہیں۔

۲۳۔ طاسین غیب کے نور کا ایک چراغ تھا جو اس دنیا میں ظاہر

ہوا اور پھر لوٹ آیا۔ وہ نور تمام چراغوں سے بڑھ گیا اور سب روشنیوں پر غالب آیا۔ اس کی تجلی اس طرح آشکار ہوئی کہ تمام چانداس کے سامنے ماند پڑ گئے اس نور (آفتاب رسالت ﷺ) کا برج بھیدوں کے آسمان میں ہے اور وہی عظیم ستارہ ہے جس کا برج فلک حرکت ہے۔

۲۴۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے آپ کے سینے کو کشادہ کیا۔ آپ کے مرتبہ کو بلند کیا اور آپ کے حکم کو واجب التعظیم قرار دیا۔ بالآخر آپ کی نبوّت کے چاند کو ظاہر فرمایا۔

۲۵۔ نبوّت کے تمام انوار آپ ﷺ ہی کے نور سے پیدا ہوئے۔ اس کی تمام روشنیاں آپ ہی کی روشنی سے ظاہر ہوئی ہیں۔ روشنیوں میں سے کوئی روشنی بھی حضور ﷺ کی روشنی سے زیادہ تاب ناک نہیں نہ زیادہ واضح ہے نہ زیادہ قدیم ہے۔

۲۶۔ تمام علوم آپ ﷺ کے بحر علوم کا ایک قطرہ ہیں۔ اسی طرح تمام حکمتیں آپ کے معارف کے سمندر کی ایک چلو ہیں۔ اور تمام زمانے آپ کے وقت کی ایک ساعت ہیں۔

۲۷۔ کوئی عالم آپ کے علم تک نہیں پہنچ سکا اور نہ کوئی فیصلہ کرنے والا آپ کی فہم و بصیرت پر اطلاع پا سکا ہے۔

۲۸۔ اے راہِ حق کے طلبگار! اگر تو آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے راستوں (شریعت) سے بھاگے گا تو پھر تیرے لئے کون سا نجات کا راستہ رہ جائے گا۔ سچائی کی راہ آپ ﷺ کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

۲۹۔ جو شخص اعمال پر نظر رکھے گا حق تعالیٰ سے محجوب ہو جائے گا اور

جو شخص حق تعالیٰ پر نظر رکھے گا وہ اعمال پر نظر کرنے سے روک دیا جائے گا۔ یعنی وہ اپنے اعمال پر نظر نہ کرے گا بلکہ سب کو عطائے حق سمجھے گا۔

۳۰۔ جس شخص کو انوار توحید نے مست کر دیا ہو وہی حقائق توحید بیان کرتا ہے کیونکہ مستی والا ہی ہر چھپے ہوئے بھید کو ظاہر کرتا ہے۔ جب انوار توحید کی مستی غالب ہوتی ہے اس وقت موحد شان تجرید و تنزیہہ کی رعایت سے معذور اور اس کے مناسب الفاظ و عبادت لانے سے مجبور ہو جاتا ہے۔

۳۱۔ جو شخص نور ایمان سے حق تعالیٰ کو تلاش کرنا چاہتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کوئی آفتاب کو ستاروں کے انوار سے تلاش کرے۔ تم حق تعالیٰ سے نہ منفصل ہو نہ اس سے متصل ہو۔ منفصل تو اسلئے نہیں کہ وہ تمہاری گردن سے زیادہ قریب ہے اور متصل اس لئے نہیں کہ تم کو اس کے قرب و معیت کی حقیقت معلوم نہیں اور حادث و قدیم میں کچھ مناسبت نہیں۔

۳۲۔ اے خدا تیری روح میری روح میں یوں سرائیت کر گئی ہے جیسے شراب اور خالص پانی آپس میں ملتے ہیں۔ جب کوئی شئے تمہیں مس کرتی ہے تو یہ یقیناً مجھے چھوتی ہے پس ہر لحاظ سے تم اور میں ہم ایک ہیں۔

۳۳۔ میں اور میرا معشوق ہم ایک ہیں، ہم ایک ہی جسم میں دو ارواح مقیم ہیں۔ اگر کوئی مجھے دیکھتا ہے تو وہ اسے دیکھتا ہے اور اگر کوئی اُسے دیکھتا ہے تو گویا وہ ہم دونوں کو دیکھتا ہے۔

۳۴۔ اپنے شاعرانہ کلام میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے رب کو دل کی آنکھوں سے دیکھا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ قال

اَنَا اَنتَ (یعنی فرمایا میں وہی ہوں جو تو ہے)۔

۳۵۔ منصور حلاج کی ایک رباعی (ترجمہ)

۔میں وہ ہوں جس کو میں پیار کرتا ہوں اور جس کو میں پیار کرتا ہوں وہ میں ہوں۔

۔ہم دو ارواح ہیں جو ایک جسم میں ہیں۔
۔اگر تم مجھے دیکھتے ہو تو اسے دیکھتے ہو۔
۔اگر تم اسے دیکھتے ہو تو مجھے دیکھتے ہو۔

۳۶۔ روایت ہے کہ ایک روز صحرا میں منصور حلاج نے ابراہیم خواص سے پوچھا تو کس کام میں مشغول ہے؟ اس نے جواب دیا کہ توکّل کے مقام پر توکّل درست کر رہا ہوں۔ حلاج بولا تو تمام عمر تو شکم کی تعمیر میں لگا رہا، توحید میں کب فنا ہوگا۔

۳۷۔ پوچھا گیا کہ عارف کو وقت ہوتا ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ کیونکہ اس کے مطابق ''وقت'' صاحبِ وقت کی صفت ہے اور جو کوئی اپنی صفت کے ساتھ آرام پکڑتا ہے وہ عارف نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب تھا ''لی مع اللہ وقت''۔

۳۸۔ پوچھا گیا کہ خدا تک راستہ کس قدر ہے؟ فرمایا صرف دو قدم ہے اور تم پہنچ گئے اور وہ اس طرح کہ ایک قدم دنیا سے اُٹھا لو اور ایک قدم عقبیٰ سے اور تم مولیٰ تک پہنچ گئے۔

۳۹۔ ترک دنیا نفس کا زہد ہے، ترک عقبیٰ دل کا زہد اور ترک خود زہد جان ہے۔

۴۰۔ فرمایا خدا کے علاوہ جو کوئی کسی اور سے (غیر سے) ڈرتا ہے یا

اس سے اُمیدیں وابستہ کرلیتا ہے اس پر تمام دروازے بند کردئے جاتے ہیں ہر وقت اس کو خوف دامن گیر رہتا ہے جس سے اس کے دل پر ستر پردے ڈال دئے جاتے ہیں جن میں شک وشبہات ایک ادنیٰ درجہ کا پردہ ہے۔

۴۱۔ جس کو آزدی درکار ہو اسے چاہئے کہ عبودیت میں ثابت قدم رہے۔

۴۲۔ صحیح معنوں میں متوّکل وہ ہے جو اس وقت تک کچھ نہیں کھاتا جب تک کہ کوئی دنیا میں اس سے زیادہ اس چیز کا حق دار نہ ہو۔ یعنی استعمال نہ کرے۔

۴۳۔ پوچھا گیا فقر کیا ہے؟ فرمایا فقرہ ہے جو غیر اللہ سے مستغنی اور ناظر باللہ ہو۔ فرمایا معرفت عبارت ہے اشیاء کے دیکھنے سے اور باطن میں تمام کے ہلاک سے۔

۴۴۔ بندہ مقام معرفت تک پہنچتا ہے تو ''غیب'' اس پر وحی بھیجتا ہے اور اس کے سر کو گنگ کردیتا ہے تاکہ اس کے دل میں سوائے خدا کے اور کسی کا خیال نہ سمائے۔ خلق عظیم یہ ہے کہ جب تم خدا کو پہچان چکے ہو تو لوگوں کی سختیاں تم پر اثر انداز نہ ہوں۔

۴۵۔ خدا کی یاد میں دنیا و آخرت کو فراموش کردینے والا ہی واصل الی اللہ ہوتا ہے اور خدا کے سوا ہر شئے سے مستغنی ہو کر عبادت کرنا فقر ہے۔

۴۶۔ صوفی اپنی ذات میں اس لئے واحد ہوتا ہے کہ نہ تو وہ کسی کو جانتا ہے اور نہ اس سے کوئی واقف ہوتا ہے۔ فرمایا نور ایمانی کے ذریعہ خدا کی جستجو کرا۔

۴۷۔ حکمت ایک تیر ہے اور تیر انداز خدا تعالیٰ ہے اور مخلوق اس کا نشانہ۔

۴۸۔ مومن وہ ہے جو امارات کو معیوب تصور کرتے ہوئے قناعت اختیار کرے۔

۴۹۔ سب سے بڑا اخلاق جفائے مخلوق پر صبر کرنا اور اللہ کو پہچاننا ہے۔ اور عمل کو کدورت سے پاک رکھنے کا نام اخلاق ہے۔

۵۰۔ بندوں کی بصیرت' عارفین کی معرفت' علماء کا نور اور گذشتہ نجات پانے والوں کا راستہ ازل سے ابد تک ایک ہی ذات سے وابستہ ہے۔

۵۱۔ رضا کے میدان میں یقین کی حثیت ایک اژدہا جیسی ہے۔ جس طرح جنگل میں ذرے کی حیثیت ہوتی ہے اسی طرح پورا عالم اس اژدہا کے منہ میں رہتا ہے۔

۵۲۔ جس طرح بادشاہ ہوس ملک گیری میں مبتلا رہتے ہیں اسی طرح ہم ہر لمحہ مصائب کے طالب رہتے ہیں۔

۵۳۔ بندگی کے منازل طے کرنے والا آزاد ہو جاتا ہے۔ مرید سایہ توبہ اور مراد سایہ عصمت میں رہتا ہے۔ اور مرید وہ ہے جس کے مکاشفات پر اجتہاد کا غلبہ ہو اور مراد وہ ہے جس کے مکاشفات اجتہاد پر سبقت لے جائیں۔

۵۴۔ سوال کیا گیا کہ دست دعا زیادہ طویل ہے یا دست عبادت؟۔ فرمایا ان دونوں ہاتھوں کی کہیں تک رسائی نہیں کیونکہ گو دست دعا کو دامن قبولیت تک رسائی حاصل ہے۔ لیکن مردان حق اسکو شرک تصور کرتے

ہیں۔ اور دست عبادت گودامن کی شریعت تک رسائی حاصل کر لیتا ہے لیکن مردان حق کے نزدیک وہ پسندیدہ نہیں۔

۵۵۔ عبودیت کا اتصال ربوبیت سے ہے۔

۵۶۔ حق تعالیٰ جس پر منکشف ہونا چاہتا ہے تو ادنیٰ سی چیز کو قبول کر کے منکشف ہو جاتا ہے۔ ورنہ اعمال صالحہ کو بھی قبول نہیں کیا جاتا۔ جب تک مصائب پر صبر نہ کیا جائے عنایت حاصل نہیں ہوتی۔

۵۷۔ انبیاء کرام پر اعمال کا غلبہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ وہ خود اعمال پر غالب رہتے تھے۔ اسی وجہ سے بجائے اس کے اعمال ان گردش دے سکتے وہ خود اعمال کو گردش دیا کرتے تھے۔

۵۸۔ ایک دن منصور حلاج بغد میں ایک مسجد میں داخل ہوا اور کہا آؤ لوگو مجھ سے ایک خبر سنو۔ آپ کے پیرو اور مخالفین سب جمع ہو گئے۔ فرمانے لگے تمہیں خبر ہونی چاہئے کہ خدا نے میرا خون تم پر جائز کیا ہے۔ پس آؤ اور مجھے قتل کرو۔ ایک زاہد آگے بڑھے اور پوچھا اے شیخ ہم ایسے شخص کو کیوں قتل کریں جو فقہ کے مطابق نماز پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے اور قرآن، مجید کی تلاوت کرتا ہے۔ حلاج نے جواب دیا یا شیخ کسی شخص کا خوف بہانا نماز روزے یا قرآن کی تلاوت کرنے کی وجہ سے منع نہیں کیا گیا۔ مجھے قتل کرو تا کہ تمہیں اس کا انعام ملے اور مجھے سکون۔ پس تم خدا کی راہ میں مجاہد ہو گئے اور میں شہید۔

۵۹۔ میدان عرفات میں آپ نے کہا اے اللہ تو سرگردان لوگوں کو راہ دکھانے والا ہے اور اگر میں واقعی کافر ہوں تو میرے کفر میں اضافہ فرمادے۔ جب سب لوگ رخصت ہو گئے تو آپ نے دعا کی اے خدا

میں تجھ کو واحد تصور کرتے ہوئے تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا اور تیرے انعامات پر اپنے عجز کی وجہ سے شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔

۶۰۔ فرمایا صبر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھانسی پر لٹکا دیا جائے جب بھی منہ سے اُف نہ نکلے۔ چنانچہ جب آپ کو سولی پر چڑھایا گیا تو اُف تک نہ کی۔

۶۱۔ اناالحق کہنے کی وجہ سے کفر کا فتویٰ دیا گیا۔ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ بندے کا دعویٰ خدائی کرنا داخلِ کفر ہے؟ تو جواب دیا وہ حقیقتاً ہمہ اوست ہے اور تمہارے قول کے مطابق وہ گم نہیں ہوا لیکن حسین گم ہو گیا ہے اور بحرِ محیط میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی ممکن نہیں۔

۶۲۔ جس دن آپ کو قید میں ڈالا گیا تو رات کو جب لوگوں نے جا کر دیکھا تو آپ وہاں نہیں تھے۔ دوسری رات نہ قید خانہ موجود تھا نہ آپ تیسری رات میں دونوں موجود تھے۔ جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ پہلی رات تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھا۔ دوسری شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یہاں تشریف فرما تھے۔ اس لئے قید خانہ گم ہو گیا تھا اور اب مجھے شریعت کے تحفظ کی خاطر پھر یہاں بھیج دیا گیا ہے۔

۶۳۔ جس وقت آپ کو سولی دی جانے والی تھی ایک لاکھ افراد کا اجتماع تھا اور آپ ہر سمت دیکھ کر حق حق اور اناالحق کا نعرہ لگا رہے تھے۔ اس وقت کسی اہل اللہ نے پوچھا کہ عشق کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا آج، کل اور پرسوں میں تو دیکھ لے گا۔ چنانچہ اسی دن آپ کو پھانسی دی گئی۔ اگلے دن آپ کی نعش کو جلایا گیا اور تیسرے دن خاک ہوا مین اڑا دی گئی اور دریائے دجلہ میں بہا دی گئی۔

۶۴۔ اس سے قبل آپ کے ایک خادم نے وصیت کرنے کو کہا۔ تو فرمایا کہ اپنے نفس کو تمام علائق دنیاوی سے خالی کرلے ورنہ یہ نفس تجھ کو ایسی چیزوں میں پھنسا دے گا جو تیرے بس کی نہ ہوں گی۔

۶۵۔ جب آپ کے صاجزادے نے وصیت کی خواہش کی تو فرمایا کہ سارا عالم گو اعمال صالحہ کی کوشش کرتا ہے لیکن تجھے علم حقیقت (معرفت الٰہی) حاصل کرنا چاہئے۔ کیونکہ علم حقیقت کا ایک نقطہ بھی تمام اعمال صالحہ پر بھاری ہوتا ہے۔

۶۶۔ جب سولی پر چڑھتے ہوئے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا اپنے مخالفین اور متبعین کے متعلق کیا خیال ہے؟ فرمایا کہ ستبعی کو ایک اجر تو اس لئے ملے گا کہ وہ مجھ سے صرف حسن ظن رکھتے ہیں۔ اور مخالفین کو دو ثواب ملیں گے۔ کیونکہ وہ قوت توحید اور شریعت میں سختی سے خائف رہتے ہیں اور شریعت میں اصل چیز توحید ہے۔

۶۷۔ حضرت شبلی نے پوچھا کہ تصوف کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا آج جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ تو تصوف کا ادنیٰ ترین درجہ ہے۔ کیونکہ اعلیٰ ترین درجہ سے تو کوئی بھی واقف نہیں ہوسکتا۔

۶۸۔ جب آپ اپنے خون آلودہ ہاتھ چہرے پر مل رہے رہے تھے تو فرمایا میری سرخروئی کا اچھی طرح مشاہدہ کرلو۔ جس وقت سنگساری شروع ہوئی تو فرمایا یکتا کی دوستی بھی یکتا کردیتی ہے۔

۶۹۔ کسی بزرگ نے مشائخین سے فرمایا کہ جس شب میں منصور کو دار پر چڑھایا گیا تو میں صبح تک سولی کے نیچے مشغول عبادت رہا اور جس وقت دن نمودار ہوا تو ہاتف غیبی نے ندادی کہ ''ہم نے اپنے رازوں میں

سے ایک راز سے اس کو مطلع کر دیا تھا جس کو اس نے ظاہر کر کے سزا پائی۔ کیونکہ شاہی راز کو افشا کرنے والے کا یہی انجام ہوتا ہے''

۷۰۔ جس وقت منصور تیرہ بوجھل بیڑیوں کے ساتھ تختہ دار کی طرف ٹہلتا اور جھومتا ہوا چلتا اور نعرہ مارتا تو یہ کہتا: ''میرا ندیم حیف سے منسوب نہیں ہے' اس نے شراب اس طرح پیش کی جس طرح ایک مہمان دوسرے مہمان کو پیش کرتا ہے۔ جب شراب کے چند دور گزر گئے تو اس نے تلوار اور چمڑے کی چٹائی (جس پر بٹھا کر مجرم کی گردن اڑائی جاتی ہے) منگوائی شدید گرمی میں اژدہا کے ساتھ بیٹھ کر پرانی شراب پینے والے کی یہی سزا ہے''۔

۷۱۔ جب تختہ دار کے نیچے لے گئے تو پوچھا گیا حال کیسا ہے؟ جواب دیا ''مردوں کی معراج دار ہے''۔

۷۲۔ جب آپ کو سولی پر چڑھایا گیا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ایک دعا کی جس کے آخری الفاظ یہ تھے۔ ''اے خدا اپنے ان بندوں کو جو تیرے دین کی خدمت کے جذبہ سے معمور ہو کر اور تیری عنایات سے ہم کنار ہونے کی غرض سے مجھے قتل کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں معاف کر دے اور ان پر رحم فرما۔ کیونکہ اگر تو نے ان پر پردہ حقائق ظاہر کر دئے ہوتے جن کا انکشاف تو نے میری ذات پر کیا ہے تو آج ان سے یہ حرکت سرزد نہ ہوتی جواب ہو رہی ہے۔ اور اگر تو نے وہ بات مجھ سے پوشیدہ رکھی ہوتی جو تو نے ان سے پوشیدہ رکھی تو مجھے ان مصائب کا شکار نہ ہونا پڑتا۔ تیرے ہر کام میں اور تیری ہر رضا میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔

۷۳۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک لاکھ

چوبیس ہزار انبیاء کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک خدمت میں حاضر دیکھا۔ حضرت ہود علیہ السلام میرے ساتھ ہم کلام ہوئے۔ میں نے پوچھا تمام انبیاء کے اکٹھے ہو کر حضور کی خدمت میں آنے کی کیا وجہ ہے؟ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ شاہ منصور حلاج نے ایک گستاخانہ کلام کی تھی جس بے ادبی سے وہ آج تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محجوب ہے۔ ہم تمام انبیاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفارش کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منصور کو اس کا قصور معاف فرما دیں۔ منصور حلاج علیہ الرحمہ کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ حضور کا منصب زیادہ ہے مگر منصب کی نسبت ہمت کم ہے۔ دوسرا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف صالحین کی سفارش کی ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ شان نہیں ہے۔ حضور کو چاہئے تھا کہ تمام کافرین، فاسقین، فاجرین بلکہ تمام جہان کی سفارش کرتے۔ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو آپؐ بذات خود منصور کے پاس تشریف لے آئے اور پوچھا کہ اے منصور تو نے ایسا کہا ہے؟ عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ میں نے کہا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے منصور جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنے مقرب بندہ کی زبان کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں تو میں تو اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں میری زبان، کان، آنکھ ہاتھ اور پاؤں بطریق اولیٰ اللہ تعالیٰ ہے۔ پس تیرا یہ اعتراض مجھ پر کیسے صادق آتا ہے۔ جب میری زبان پر بولنے والا ہی وہ آپ خود خدا ہے تو تیرا یہ اعتراض خدا پر ہے نہ کہ مجھ پر۔ یہ سن کر شاہ منصور سخت پچھتائے اور معافی کے خواستگار ہوئے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف تو فرما دیا مگر ساتھ ہی فرمایا کہ اب سر ضرور دینا پڑے گا کیونکہ شریعت کی تلوار

جو ایک بار نیام سے باہر نکل آتی ہے بغیر سر کاٹے واپس نہیں جا سکتی۔ شاہ منصور نے سر دینا منظور کر لیا۔ اور دراصل شاہ منصور کے سولی پر چڑھنے کی یہی وجہ تھی نہ کہ کلمہ انا الحق کہنے سے۔

(اسرار التوحید۔ جلد اول صفحہ ۸۷۔ امام جلوی)

حضرت رابعہ بصریہ (وصال ۸۰۱ء)

ا:۔ فرماتی تھیں ہماری استغفار بھی استغفار کی محتاج ہے۔ یعنی اس لئے کہ اس میں صدق نہیں ہوتا۔

۲:۔ ایک مرتبہ آپ خواجہ حسن بصری کے مکان پر پہنچی تو اس وقت وہ مکان کی چھت پر اس درجہ مصروف گریہ تھے۔ کہ آنسوؤں کا پرنالہ بہہ نکلا۔ رابعہ بصریؒ نے کہا ہے۔

اگر آپ کی یہ گریہ وزاری فریب کا راز ہے تو اسے بند کر دو تا کہ آپ کے باطن میں ایسا بحر بیکراں موجزن ہو جائے۔ کہ اگر اس کی وسعتوں میں سے آپ اپنے قلب کو تلاش کرنا چاہو تو نہ مل سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسا کر دینے میں قدرت کامل حاصل ہے۔ خواجہ حسن بصری آپکی یہ باتیں سن کر خاموش ہو گئے۔

۳:۔ ایک روز جب رابعہ بصری ساحل فرات پر موجود تھیں تو اچانک خواجہ حسن بصری بھی وہاں پہنچ گئے اور پانی پر مصلیٰ بچھا کر فرمایا کہ آئیے ہم دونوں نماز ادا کریں۔ لیکن رابعہ بصری نے جواب دیا کہ اگر یہ مخلوق کے دکھاوے کے لئے ہے تو بہت اچھا ہے۔ کیونکہ دوسرے لوگ ایسا کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ کہہ کر رابعہ نے اپنا مصلیٰ ہوا کے دوش پر بچھا کر فرمایا کہ

آیئے دونوں یہاں نماز ادا کریں تا کہ مخلوق کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ پھر رابعہ بصری نے فرمایا۔ جو فعل آپ نے سرانجام دیا وہ تو پانی کی مچھلیاں بھی کرسکتی ہیں اور جو میں نے کیا وہ ایک حقیر مکھی بھی کرسکتی ہے لیکن حقیقت کا ان دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۴:۔ حضرت رابع بصریؒ نے ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ کے لئے بطور ہدیہ موم سوئی اور بال روانہ کئے اور یہ پیغام بھیجا کہ موم کی مانند خود کو پگھلا کر روشنی فراہم کرو اور سوئی کی مانند برہنہ رہ کر مخلوق کے کام آؤ اور جب تم ان دونوں چیزوں کی تکمیل کرلو گے تو بال کی مانند ہو جاؤ گے۔ اور کبھی تمہارا کوئی کام خراب نہیں ہوگا۔

۵:۔ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ کو نکاح کی خواہش نہیں ہوتی؟ آپ جواب نے دیا کہ نکاح کا تعلق تو جسم وجود سے ہے اور جس کا وجود ہی اپنے مالک میں ضم ہو گیا ہو تو اس کے لئے ہر شے میں اپنے مالک کی اجازت ضروری ہے۔

۶:۔ خواجہ حسن بصریؒ نے آپ سے دریافت کیا کہ تمہیں یہ مراتب عظیم کیسے حاصل ہوئے۔ فرمایا کہ ہر شے کو یادالٰہی میں گم کر کے۔ پھر حضرت حسن بصر سے پوچھا کہ تم نے خدا کو کیسے پہچانا؟ جواب دیا کہ بے ماہیت وکیفیت۔ ایک مرتبہ خواجہ حسن نے کہا مجھے ان علوم کی بابت سمجھاؤ جو تمہیں اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ حاصل ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ میں نے تھوڑا سا سوت کات کر تکمیل ضروریات کے لئے دو درہم میں فروخت کردیا۔ اور دونوں ہاتھوں میں ایک ایک درہم لے کر اس خیال میں غرق ہوگئی کہ اگر میں نے دونوں کو ایک ہاتھ میں لیا تو یہ جوڑا بن جائے گا اور یہ بات

وحدانیت کے منافی اور میری گمراہی کا باعث ہو سکتی ہے۔بس اس کے بعد سے میری تمام راہیں کشادہ ہوتی چلی گیئں۔

۷:۔ جب آپ سے نہ نکاح کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو جواب دیا کہ تین چیزیں میرے لئے وجہ غم بنی ہوئی ہیں۔اگر تم یہ غم دور کر دو تو میں یقیناً شادی کرلوں گی ۔اول یہ کیا خبر میری موت اسلام پر بھی ہوگی یا نہیں؟ دوم یہکہ روز محشر میں میرا نامہ اعمال نہ جانے دایئں ہاتھ میں ہو گا یہ بائیں ہاتھ میں۔سوم روز محشر جب جنت میں ایک جماعت کو دایئں طرف سے اور دوسری کو بایئں طرف سے داخل کیا جائے گا تو نہ جانے میرا شمار کس جماعت میں ہو گا۔لوگوں نے عرض کیا ان تینوں سوالوں کا جواب ہمارے پاس نہیں۔آپ نے فرمایا جس کو اتنے غم ہوں تو اس کو شادی کی کیا تمنا ہو سکتی ہے۔

۸:۔ عالم خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ نے آپ سے فرمایا کہ کیا تم مجھے محبوب رکھتی ہو؟ رابعہ بصری نے عرض کیا کہ وہ کون بد نصیب ہوگا جو آپ کو محبوب نہ رکھتا ہو۔لیکن میں تو جب الٰہی میں ایسی غرق ہوں کہ اس کے سوا کسی کی محبوبیت کا تصور بھی نہیں آتا۔یہی وجہ ہے کہ کسی محبوبیت کا احساس تک باقی نہیں ہے۔

۹:۔لوگوں نے پوچھا کہ محبت کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ محبت ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی کیونکہ بزم عالم میں کسی نے اس کا ایک گھونٹ نہیں چکھا جس کے نتیجہ میں محبت اللہ تعالیٰ میں ضم ہو کر رہ گئی ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ آپ جس کی عبادت میں محبت کرتی ہیں کیا وہ آپ کو نظر بھی نہیں آتا ہے؟ فرمایا کہ اگر نظر نہ آتا تو عبادت کیوں کرتی۔

۱۰:۔ لوگوں نے سوال کیا کہ گناہ گار کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ اس وقت تک وہ توبہ ہی نہیں کرسکتا جب تک خدا توفیق نہ دے اور جب توفیق حاصل ہوگی تو پھر بھی قبولیت میں بھی کوئی شک نہیں رہا۔

۱۱:۔ فرمایا: جبتک قلب بیدار نہیں ہوتا اس وقت تک کسی عضو سے بھی خدا کی راہ نہیں ملتی۔ اور بیداری قلب کے بعد اعضا کی حاجت ہی ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ قلب بیدار وہی ہے جو حق کے اندر اس طرح ضم ہو جائے کہ پھر اعضا کی حاجت ہی باقی نہ رہے اور یہی فنافی اللہ کی منزل ہے۔

۱۲:۔ آپ کے پاس کچھ لوگ آئے اور دنیا کی مزمت کرنے لگے۔ رابعہ نے کہا دنیا کا ذکر چھوڑو۔ اگر تمہارے دلوں میں اس کی عزت نہ ہوئی تو تم اس کا اتنا ذکر ہی کیوں کرتے۔

۱۳:۔ کچھ اہل اللہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ان سے سوال کیا کہ خدا کی بندگی کیوں کرتے ہو۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ جہنم کے خوف دوسرے نے جواب دیا ہم جنت کے لالچ میں بندگی کرتے ہیں رابعہ نے جواب دیا جو دزخ کے خوف اور جنت کی لالچ میں بندگی کرتا ہے وہ بہت ہی برا ہے لوگوں نے کہا کیا آپ کو خدا سے امید و بیم نہیں؟ فرمایا ہماری نظروں میں جنت اور جہنم برابر ہیں کیونکہ عبادت الٰہی فرض عین ہے اور اگر رب جنت و دوزخ نہ بناتا تو کیا بندے اس کی عبادت سے منکر ہو جاتے؟۔

۱۴:۔ آپ بارگاہ ربوبیت میں اس طرح مناجات کرتیں اے میرے رب اگر میں تیری عبادت جہنم کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے جہنم میں ڈال دے اور اگر جنت الفردوس کے لالچ میں بندگی کرتی ہوں تو مجھے

اس سے محروم کردے۔ میں نے صرف تیری رضا اور خوشنودگی کی خاطر تیری عبادت کرتی ہوں۔

۱۵:۔ ایک دن رابعہ بصری کو دیکھا گیا کہ ایک ہاتھ میں آگ لئے ہوئے ہے اور دوسرے ہاتھ میں پانی کی مشکیزہ اور وہ بڑی تیزی سے بھاگ رہی تھیں۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ رابعہ نے جواب دیا میں جنت کو آگ لگانے جارہی ہوں اور دوزخ میں پانی ڈال کر اس کو بجھانے جارہی ہوں تاکہ دونوں پردے ہٹ جائیں اور لوگ خدا کو دیکھیں اور بغیر کسی خوف وامید اس کی بندگی اس کی رضا کے لئے کریں۔

۱۶:۔ روح خدا کا امر ہے اور یہ وہ اپنے اصل کی طرف وصل کے لئے بے تاب رہتی ہے۔ بشرطیکہ مجاہدات کے بعد اس کا تصفیہ ہوجائے۔

۱۷:۔ اپنی مناجات میں عرض کیا اے میرے رب! کیا تو اس قلب کو آگ میں جلائے گا جو تیری محبت میں بھرا ہوا ہے؟ ندا آئی ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ کیا تم ہمارے متعلق ایسا کم ترگمان رکھتی ہو!

۱۸:۔ ایک مرتبہ رابعہ بیمار ہوئیں۔ کسی نے آپ سے بیمار ہونے کی وجہ پوچھی۔ فرمایا میرا قلب جنت کی طرف مائل ہوا اس لئے مجھے سزا دی جارہی ہے۔ اب میرا رب مجھ سے مطمئن ہے اور کبھی جنت کی طرف توجہ نہیں کروں گی۔

۱۹:۔ رابعہ سے پوچھا عبد کس وقت مطمئن ہوتا ہے؟ فرمایا جب کہ وہ شقاوت میں ایسا خوش ہو جیسا وہ سعادت میں خوش نظر آتا ہے۔ یعنی بلا کو بھی نعمت الٰہی سمجھے۔

۲۰:۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ خدا تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلیت دی ہے۔ اور نبوت صرف مردوں ہی کو کیوں حاصل ہے؟ رابعہ

نے فرمایا تم لوگ بتاؤ کہ کیا کبھی کسی عورت کبھی خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ اور کیا کوئی عورت بھی مخنث ہوتی ہے جب کہ سینکڑوں مرد مخنث ہیں۔

۲۱:۔ حضرت سفیان اکثر یہ فرمایا کرتے کہ ایک شب کو میں رابعہ کے یہاں پہنچا تو وہ پوری رات مشغول عبادت رہیں اور میں بھی ایک گوشہ میں نماز پڑھتا رہا۔ پھر صبح کے وقت رابعہ نے فرمایا کہ عبادت کی توفیق عطا کئے جانے پر ہم کسی طرح معبود حقیقی کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔ اور میں بطور شکرانہ کل کا روزہ رکھوں گی۔ اور اکثر آپ یہ دعا کیا کرتیں کہ یا خدا! اگر روز محشر تو نے مجھے دوزخ کی آگ میں ڈالا تو میں تیرا ایک ایسا راز افشاں کردوں گی جس کو سن کر دوزخ مجھ سے ایک ہزار سال کی مسافت بھاگ جائے گی اور کبھی یہ دعا کرتیں کہ دینا میں میرے لئے جو حصہ متعین کیا گیا ہے وہ اپنے مخالفین کو دے دے اور آخرت میں جو مخصوص ہے وہ اپنے دوستوں میں تقسیم فرمادے کیونکہ میرے لئے تو صرف تیرا وجود ہی بہت کافی ہے۔ اگر میں تیری عبادت صرف تمنائے دیدار کے لئے کرتی ہوں تو پھر مجھے اپنے جمال عالم افروز سے مشرف فرمادے۔

۲۲:۔ وفات کے وقت آپ نے مجلس میں حاضر مشائخین سے فرمایا کہ آپ حضرات یہاں سے ہٹکر ملائکہ کے لئے جگہ چھوڑ دیں۔ چنانچہ سب سے باہر نکل آئے۔ اور دروازہ بند کر دیا اس کے بعد اندر سے آواز سنائی کہ اے مطمئن نفس اپنے مولا کی جانب لوٹ آئی اور جب کچھ دیر کے بعد اندر سے آوازیں آنا بند ہوگئیں تو لوگوں نے اندر جا کر دیکھا تو روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

(تذکرۃ الاولیاء، عرفان الٰہی، بحوالہ خلاق الصالحین، تذکرۃ الاولیاء)

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ

(وصال ۱۶۲۴ء)

۱:۔ توحید سے مراد یہ ہے کہ دل حق تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف توجہ کرنے سے بالکل خالی ہو جائے۔ جبتک دل ماسوائے حق میں گرفتار رہے گا اگر چہ صبحت ہی تھوڑا سا ہو وہ شخص توحید والوں میں سے نہیں ہے۔ اس دولت (توحید) کے حاصل کئے بغیر ایک کہنا اور ایک جاننا ار باب اصول کے نزدیک فضول ہے۔

۲:۔ حق تعالیٰ سا اپنی ذات وصفات اور افعال میں یگانہ ہے اور فی الحقیقت کسی امر میں خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

۳:۔ خلقت انسانی سے مقصود بندگی کے وظائف کو ادا کرنا اور حق تعالیٰ کی طرف کامل طور پر متوجہ ہونا ہے۔ اور یہ مطلب اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ ظاہری اور باطنی طور پر سید الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل تابعداری نہ کریں۔

۴:۔ باطنی امراض کی جڑ اور اندرونی بیماریوں کا سردار دل کا ماسوائے حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتار ہونا ہے۔ جب تک اس گرفتاری سے پورے طور پر آزادی حاصل نہ ہو جائے (ایمان کی) سلامتی محال ہے۔ ۵:۔ حق تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی چیز اس سے متحد ہو سکتی ہے۔

۶:۔ تمام عالم حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کا آئینہ ومظہر ہے۔ اگر ممکن میں حیات ہے تو اسی واجب الوجود (حق تعالیٰ) کی حیات کا آئینہ ہے

اور اگر علم ہے تو وہ بھی اسی ذات سبحانہ وتعالیٰ کے علم کا آئینہ ہے اور اگر قدرت ہے تو وہ بھی اسی کی قدرت کا آئینہ ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی ذات کا عالم میں نہ کوئی مظہر ہے اور نہ کوئی آئینہ بلکہ اس سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کو عالم کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں ہے اور نہ ہی کسی چیز میں شراکت ہے۔

۷:۔ آنحضرت ﷺ اس قدر بلندی شان و جاہ وجلال کے باوجود ہمیشہ ممکن ہیں اور ہرگز کبھی امکان سے نکل کر وجوب کے ساتھ نہیں ملیں گے کیونکہ یہ امر الوہیت کے ساتھ محقق ہونے کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمسر و شریک ہونے سے برتر و اعلیٰ ہے۔

۸:۔ حق تعالیٰ جس طرح بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ وہ افعال خیر ہوں یا شر، سب اسی کی تقدیر سے ہیں لیکن خیر سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور شر سے راضی نہیں۔ اگرچہ دونوں اسی کے ارادہ اور مشیت سے ہیں صرف تنہا شر کو ادب کے باعث حق تعا لیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہیے بلکہ خالق خیر و شر کہنا مناسب ہے۔

۹:۔ قضا دو قسم پر ہے۔ قضائے معلق و قضائے مبرم۔ قضائے معلق میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے اور قضائے مبرم میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۰:۔ حق تعالیٰ کی تجلی سعادت مندوں کو ہمیشہ اسماء صفات کے پردہ میں ہوتی رہتی ہے۔ لیکن کچھ مدت کے بعد تھوڑی دیر کیلئے ان اسماء و صفات کا حجاب دور ہو جاتا ہے اور تجلی حق تعالیٰ اسماء و صفات کے پردہ کے بغیر جلوہ گر ہوتی ہے۔

۱۱:۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ریاضت کے معنی بھوکا رہنا اور روزہ رکھنا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کھانے میں توسط رکھنا دوام روزہ سے زیادہ مفید ہے۔ جب لذیز کھانا سامنے رکھا ہوا ہوتو آدھی بھوک تک کھانا اور پھر کھانے سے ہاتھ کھینچ لینا بہت بڑی ریاضت ہے۔ اور ان لوگوں کی ریاضتوں سے بدرجہا بہتر ہے کیونکہ ان لوگوں نے تو وہ کھانا دیکھا ہی نہیں اور کھانے سے باز رہے۔ اور یہ لوگ تو اس میں سے کچھ چکھ کر باز رہے ہیں۔

۱۲:۔ لوگ ریاضتوں اور مجاہدوں کی ہوس کرتے ہیں لیکن آداب شریعت کی رعایت کے برابر کوئی ریاضت اور مجاہدہ نہیں ہے۔ خصوصاً فرض واجب اور سنت نمازیں اور ان کے ادا کرنے کا طریقہ جیسا کہ حکم دیا گیا ہے بہت دشوار ہے۔

۱۳:۔ توکل یہ نہیں ہے کہ ظاہری اسباب کو چھوڑ دیا جائے اور بیٹھے رہیں کیونکہ یہ تو بے ادبی ہے۔ بلکہ سبب مشروع مثلاً کتابت وغیرہ کو اختیار کرنا چاہے اور نظر سبب ہی پر نہ رکھنی چاہے کیونکہ سبب مثل دروازے کے ہے جو حق تعالیٰ نے مسبب پر پہنچے کیلئے بنایا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص دروازے کو بند کرلے کہ خدا اوپر سے پھینک دے گا تو یہ بے ادبی میں داخل ہے۔

۱۴:۔ مشائخ جو لوگوں کے ارشاد و تربیت میں مشغول ہوتے ہیں اس کا باعث ان تین چیزوں میں سے ایک ہوا کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کا الہام یا پیرومرشد کا حکم وامر یا بندگان خدا پر شفقت۔ یعنی جب وہ لوگوں کو گمراہی میں دیکھتے ہیں اور گمراہی کو ان کے عذاب وضرر کا سبب جانتے ہیں تو نہایت شفقت سے ان کے عذاب کا دفعیہ چاہتے ہیں مگر ان کو واصل بحق

کرنا شفقت کی شرط نہیں بلکہ وہ ایک زائد امر ہے۔ اس طریقہ تربیت کا ماحصل انجذاب ایمانی ہے۔ جس کی دعوت تمام انبیاء ورسل دیتے رہیں؛

۱۵:۔ حق تعالیٰ سے بندہ کا نہایت قرب اور اتصال اس سے زیادہ نہیں کہ دوام آگاہی جو فنا کی طرف کھینچتی ہے اس کو حاصل ہو جائے۔ جب یہ نسبت حاصل ہوگی تو سالک اس نسبت کے حصول سے مرتبہ ولایت سے مشرف ہو گیا اور وہ کمالات جو دوسرے طریقوں کے سالکوں کو حصول مقامات اور تجلیات اسماء وصفات میں بتفصیل حاصل ہوتے ہیں وہ اور شے ہیں۔ ذات حق سے قرب واتصال کی نسبت کا یہ حصول ولایت خاصہ کے مرتبہ تک پہنچا دیتا ہے۔

۱۶:۔ انجذاب اور محبت الٰہی کا طریقہ مقصود تک پہنچانے والا ہے اور اس کا رخ سوائے ذات سبحانہ کے اور کسی طرف کو نہیں ہے۔ بخلاف دوسرے طریقوں کے ان کا رخ انوار کی طرف بھی ہے۔ بعض ناچار ان ہی انوار میں رہ جاتے ہیں یہ انجذاب ومحبت تمام افراد انسانی میں ہے مگر پوشیدہ ہے سلسلہ نقشبندیہ کے مشائخ اس انجذاب کی تربیت کرتے ہیں۔

۱۷:۔ حضرت خواجہ باقی باللہ فرماتے تھے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے بلند ہے۔ چونکہ حضرات نقشبندیہ کا طریقہ سنت کے اتباع اور عزیمت کی رعایت کے لحاظ سے دوسرے طریقوں سے زیادہ قوی اور بلند ہے۔ اس لئے ان کی نسبت بھی تمام نسبتوں سے افضل ہے

۱۸:۔ ولایت (واو کی زبر کے ساتھ) بندہ کے قرب کو کہتے ہیں جو وہ حق تعالیٰ سے رکھتا ہے۔ اور ولایت (واوٗ کی زیر کے ساتھ) اس چیز کو کہتے ہیں جو خلق میں مقبول ہونیکا سبب ہے۔ اور اہل دنیا اس کی طرف گر

دیدہ ہوتے ہیں۔

۱۹:۔ ہمارے طریقہ کا دارومدار تین باتوں پر ہے۔ اہل سنت و جماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا۔ اور دوام آگاہی اور عبادت۔ اگر کسی شخص میں ان تین چیزوں میں سے ایک میں خلل وفتور آجائے تو وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے۔ ہم عزت کے بعد ذلت اور قبول کے بعد رد سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

۲۰:۔ پیر تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک پیر خرقہ۔ دوسرے پیر تعلیم، تیسرے پیر صحبت۔ پیر خرقہ وہ ہے جسے خرقہ ارادیت پہنا جائے۔ پیر تعلیم ذکر کے معنی ظاہر ہیں۔ پیر صحبت وہ ہے جس سے لوگ صحبت رکھیں اور اس کی صحبت سے منافع و ترقیات حاصل کریں۔ پیر تعلیم و پیر صحبت مرشد کہتے ہیں۔

۲۱:۔ خوارق کی دو قسمیں ہیں۔ اول قسم علوم و معارف آلیہہ ہیں جو ذات و صفات و افعال واجب تعالیٰ سے متعلق ہیں اس قسم سے حق تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ممتاز کیا ہے۔ قسم دو کشف وصور مخلوقات اور اشیائے غائبہ کی خبر دینا جو عالم کون سے متعلق ہے۔ پہلی قسم اہل حق وارباب معرفت کے لئے مخصوص ہے اور دوسری قسم اصحاب حق و اصحاب باطل میں مشترک ہے۔ کیونکہ یہ قسم اہل استدراج کو بھی حاصل ہے۔ پہلی قسم خدا کے نزدیک شریف و معتبر ہے۔

۲۲:۔ آپ نے میر محمد نعمان کو لکھا ''آپ کو معلوم رہے کہ خوارق و کرامات کا ظاہر ہونا ولی ہونے کی شرط نہیں۔ جس طرح علماء خوارق و کرامات کے حصول کے ساتھ مکلّف نہیں اولیاء بھی خوارق کے ظہور کے ساتھ

مکلّف نہیں کیونکہ ولایت سے مراد قرب الٰہی ہے جو حق تعالیٰ اپنے ماسوا کے نسیان کے بعد اپنے اولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ ایک شخص کو یہ قرب عطا کیا جاتا ہے اور اسے مخلوقات کے مغیبات پر کچھ اطلاع نہیں دی جاتی ہے۔ ایک دوسرا شخص ہے جس کو قرب بھی دیا جاتا ہے اور مغیبات (غیب کی چیزیں) پر بھی مطلع کیا جاتا ہے۔ ایک تیسرے شخص کو قرب سے کچھ نہیں دیا جاتا مگر مغیبات پر مطلع کیا جاتا ہے۔ یہ تیسرا شخص اہل استدراج سے ہے۔

۲۳:۔ مجدد الف ثانی نے ابن عربی کے عقیدہ وحدت الوجود کے مقابلہ میں عقیدہ وحدت الشہود پیش کیا۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو سمجھنے کے لئے آپ نے یہ نقشہ مرتب فرمایا۔

وحدت الوجود	وحدت الشہود
نظریہ۔ ہمہ اوست	نظر۔ ہمہ از اوست
ارتقا۔ خود بخود ہونا	ارتقا۔ پیدا کیا جانا
رجحان تصوف۔ سکون کی طرف مائل	رجحان تصوف۔ جوش کی طرف مائل
میں اور وہ جدا نہیں وہ دریا تو میں قطرہ ہوں	اس کے ساتھ میں اور میرے ساتھ وہ
وصل	عشق
حقیقت۔ حق۔ حق۔ حق	حقیقت۔ حسن ازل (محبوب کل)
اعتقاد۔ میں کون۔ انا الحق	اعتقاد۔ میں کون (انا عبد)
عارف	عاشق

۲۴:۔ فرمایا انا الحق کا مطلب یہ نہیں کہ میں خدا ہوں بلکہ یہ ہے کہ میں نہیں ہوں۔

۲۵:۔ انسان کو عالم صغیر کہتے ہیں۔ کیونکہ قلب اس کا عرش ہے دل کو گوشت کا ٹکڑا تصور نہ کرو بلکہ جوہر نفیس ہے۔ جس میں عالم خلق کے اسرار پوشیدہ ہیں حتیٰ کہ عالم امر کے حنفیہ وقائق بھی مدفون ہیں۔ دل کو اللہ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ہمسایہ ہے۔ فرماتے ہیں قلب تمام مخلوقات میں افضل واشرف ہے۔ جس طرح انسان عالم مخلوقات میں افضل ہے قلب عالم کبیر کی اشیاء کا جامع اور مجمل ہے۔

۲۶:۔ جو کچھ عالم میں مفصل طور پر ظاہر کیا گیا ہے وہ عالم صغیر میں مجمل طور پر ظاہر کیا گیا ہے۔ عالم صغیر (یعنی دل) کو صقیل کر کے منور کر لیا جاتا ہے اور اس میں آیئنہ کی طرح عالم کبیر کی تمام چیزیں مفصل دکھائی دینے لگتی ہیں حتیٰ کہ لوح محفوظ بھی اس میں نظر آ سکتی ہے۔

۲۷:۔ قلب اپنی ذات میں پاکیزہ اور نورانی ہے۔ اس کے چہرے پر زنگ اور میل کچیل تاریک نفس کی ہمسائیگی سے بیٹھ گیا ہے۔ لیکن صفائی سے اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹکر آ سکتا ہے۔ ۲۸:۔ نفس اپنی فطرت اور جبلت میں خبیث ہے تاریکی اس کی ذات کی صفت ہے۔ جب تک نفس قلب کی ریاست کے ماتحت رہ کر بمطابق سنت اور اتباع شریعت اور فضل خداوندی پاک اور صاف نہ ہو جائے اس کا خبث ذاتی دور نہیں ہو سکتا۔ ۲۹:۔ مکتوبات میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ رسول ﷺ ہمیشہ غمگین اور متفکر رہا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص اللہ سے محبت کرتا ہے تو غم اس کی طرف اس طرح آتے

ہیں جیسے پانی نیچی جگہ کی طرف آتا ہے۔

۳۰:۔ اَچہ آلام ومصائب بظاہر تلخ ہیں اور جسم کو تکلیف پہنچانے والے ہیں لیکن باطن کیلئے شریں ہیں اور لذت عطا کرتے ہیں مجدد صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر لوگ درویشوں کی کوئی تکلیف پہنچائیں اور یہ تکلیف اللہ تعالیٰ کی مراد کے موافق ہو تو رنج اور سینہ میں تنگی بے معنی ہیں اور دعوای محبت کے منافی ہیں کیونکہ محبوب کی تکلیف بھی اس کے انعام کی طرح محبوب اور مرغوب ہے۔

۳۱:۔ دلوں کی غفلت دور کرنے کے لئے ذکر الٰہی کے علاوہ تلاوت کلام پاک اور نوافل کی ادائگی نہایت موثر اور کارگر ہتھیار ثابت ہوتے ہیں۔آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مبتدی کی غفلت دور کرنے کے لئے اسم ذات اور نفی اثبات کا ذکر متیعن کرنا نہایت ضروری ہے۔اور متوسط کیلئے ذکر کو متیعن کئے بگیر تلاوت کلام پاک سے بھی غفلت کو دور کیا جا سکتا ہے جب کہ منتہی کے لئے ذکر متیعن کرنا ضروری نہیں بلکہ نوافل کی ادائیگی سے غفلت دور ہو جاتی ہے۔اور درجات میں بلندی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

۳۲:۔ نماز کے ٹھیک ہونے کا کمال (مجدد صاحب) کے نزدیک فرائض واجبات، سنن اور مسحبات نماز کا بجالانا ہے۔خشوع وخضوع بھی ان چار امور میں درج ہے۔اور حضور قلب بھی ان چار سے وابستہ ہے۔

۳۳:۔ سماع اور وجد اس جماعت کے لئے نفع مند ہیں جن کے اوقات کے مطابق احوال بدلتے رہتے ہیں جو کبھی تو حاضر ہوتے ہیں اور کبھی غائب ہوتے ہیں۔ جو کبھی اپنے مقصود کو پالتے ہیں اور کبھی گم کر

دیتے ہیں۔ یہ لوگ ارباب قلوب ہیں جو تجلیات صفاتیہ کے مقام میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک اسم سے دوسرے اسم کی طرف منتقل ہوتے اور بدلتے رہتے ہیں دائمی حال کا نسیب ہونا ان کے لئے محال ہے۔ کبھی وہ حالت قبض میں ہوتے ہیں اور کسی وقت بسطہ میں یہ لوگ ابن الوقت ہیں اور حال کے مغلوب ہیں۔ ان کو کبھی عروج نصیب ہوتا ہے کبھی نزول۔ یہ لوگ صاحب تلوین ہوتے ہیں۔

۳۴:۔ کامل ولی جن کے نفوس ولایت میں وصول کے بعد مقام بندگی میں اتر آتے ہیں۔ ان کی ارواح نفس کی مزاحمت کے بغیر خدا کی طرف متوجہ رہتی ہیں ان کا نفس مطمعنہ ہر وقت مقام بندگی میں راسخ ہو چکا ہوتا ہے۔ اور ان کی روح کو مدد پہنچتی رہتی ہے اس کی وجہ سے انہیں للہ تعالیٰ سے خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی پیشانی متابعت شریعت سے روشن ہوتی ہے اور وہ دور ہی سے چیز کو دیکھ لیتے ہیں کیونکہ وہ مقام بندگی میں نور اصل سے منور ہوتے ہیں۔

۳۵:۔ ان مبتدیوں کے لئے جو ارباب قلوب نہیں ہیں ان کے لئے سماع اور وجد مفر ہے۔ اور عروج کے منافی ہے۔ منہتی وہ ہے۔ جو فنا فی اللہ اور بقا باللہ ہو۔ ایسے لوگ واصلس کامل ہوتے ہیں۔ سماع صرف متوسط اور منتہی حضرات کے ایک طبقہ کے لئے مفید ہے وہ بھی اگر سماع کی شرائط کے مطابق ہو۔

۳۶:۔ نسبت میں فتور آنے اور عبادت میں لذت نہ ہونے کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں جو وجہ فتور رابطہ کی ہوتے ہے۔ وہی لزت کو بھی روک دیتی ہے۔ ان دو وجوہات میں ایک تو قبض ہے دوسری وجہ کسی لغزش کے

ارتکاب سے کدورت کا طاری ہو جانا ہوتا ہے۔ دوسری وجہ کا علاج تو بہ استغفار سے کرنا چاہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے لغزش کا اثر زائل ہو جائے۔ قبض والی وجہ بری نہیں۔ ۳۷:۔ ایسے بنے ہوئے (بناوٹی) صوفی نہیں جانتے کہ ایک فرض کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا ان کے ہزاروں چلوں سے بہتر ہے۔

۳۸:۔ مجدد صاحب ایک روز نماز فجر کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا ایک نوجوان قبلہ رخ ہو کر داہنی کروٹ لیٹا سو رہا ہے۔ خیال کیا کہ شاید نماز پڑھ کر سو گیا ہوگا۔ ظہر عصر اور مغرب میں بھی وہ اسی حالت میں پایا گیا۔ جب مغرب کا وقت تنگ ہو گیا تو اسے جگا دیا اور فرمایا کہ نماز قضا ہو رہی ہے۔ وہ شخص بیدار ہوا۔ وضو کیا تو پہلے فجر کی نماز کی نیت کی تو دیکھتے ہین کہ ٹھیک صبح کا وقت اور نور کا تڑکا ہے۔ جب ظہر کی نیت کی تو ظہر کا وقت تھا۔ اور عصر کی نیت کی تو عصر کا وقت ہونے لگا۔ اور جب نماز مغرب کی نیت کی تو مغرب کا وقت موجود تھا۔ پھر اس نوجوان نے مجدد صاحب سے کہا کہ نماز کے لئے تو آپ نے جگا دیا مگر میری نیند کی کیفیت کو نہ پہچانا۔ جن کو یہ حالت میسر ہو وہ ہر لمحہ حالت نماز میں رہتے ہیں۔

۳۹:۔ عبادت میں لذت کا حاصل نہ ہونا اور رنج و تکالیف کا نہ ہونا بڑی نعمت ہے خاص طور پر نماز میں منتہی کو لذت نہیں ہوتی البتہ مبتدی کو نماز سنفل میں اللہ تعالیٰ لذت بخشتے ہیں اور نہایت میں لذت فرائض سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ اور نوافل میں منتہی خود کو بے کار جانتا ہے۔ اس کے نزدیک فرائض کا ادا کرنا ہی بڑا کام بن جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یاد

رکھیں وہ لذت جو نماز میں ملتی ہے اس میں نفس کو کچھ فائدہ نہیں بلکہ نفس تو اس لذت میں نالہ وفغاں کر رہا ہوتا ہے۔

۴۰:۔ فرمایا جس قدر معرفت الٰہی نماز میں حاصل ہوتی ہے۔ وہ کسی اور عبادت میں حاصل نہیں ہوتی (آپ کے قول کی صداقت اس بات سے واضح ہوجاتی ہے کہ چونکہ نماز میں مومن کو معراج حاصل ہوتی ہے اور انسان کے لئے معراج سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ اور ارفع مقام بھی ممکن نہیں ہے)

۴۱:۔ مومن کا قلب لا مکانی ہونے کی وجہ کیمیت اور مقدار سے پاک ہے اور بے چونی (بے مثل) کی صفت سے موصوف ہے۔ فرماتے ہیں کہ کافر کا دل اس لا مکانیت کی بلندی سے نیچے آچکا ہے۔ چنانچہ امقدار اور کیف کا گرفتار ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لا مکانی شے (اللہ) مکان (کافر کا دل) میں سمانے کی گنجائش نہیں رکھتی۔

۴۲:۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت ایک بسیط آں واحد ہے جس میں ماضی اور مستقبل حال کی ہی صورت میں نظر آتے ہیں۔

۴۳:۔ معشوقوں کے عشق کو اپنے درجے کی بلندی کے باوجود عاشقوں کے عشق سے کسی طرح کی مناسبت نہیں ہے۔ کیونکہ معشوقوں کے عشق کا تعلق اسی ایک ذات عاشق سے ہے۔ عاشق کی صفات سے نہیں ہے لیکن عاشق کے عشق کا تعلق معشوق کی صفات سے ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ ایک وقت گزر جانے کے بعد عشق کا غلبہ معشوق کی صفات سے گزر کر معشوق کی ذات تک پہنچا دیتا ہے۔ اس وقت اس کی محبت ذاتی ہوجاتی ہے۔ اور معشوق کی محبت کو عاشق سے مناسبت پیدا ہو

جاتی ہے (یعنی معشوق کی صفات خود عاشق میں جلوہ گر ہو جاتی ہیں)۔

۴۴:۔ جس طرح ذات ہمارے ادراک اور تصور میں نہیں آسکتی اسی طرح صفات بھی نہیں آسکتے کیونکہ میں سے جو بھی سالک کے ادراک میں آسکتے ہیں وہ ظلال صفات ہیں۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ مطابق آیت کریمہ اذکرونی اپنا تمام وقت اس کی یاد میں مستغرق رکھیں تا کہ حق تعالیٰ بھی بحکم اذکرکم تم کو اپنے کرم سے یاد کرے جیسا کہ اس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ کا ذکر حصول احوال و مکاشفات کی غرض سے نہ کریں اور دینوی اغراض کو ذہن میں جگہ نہ دیں۔ بلکہ بغیر کسی غرض کے اپنی جان پر احسان اٹھا کر ذکر اور بندگی میں مشغول رہیں ۔

۴۵:۔ فرمایا جس دن میں نے خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ سے تعلیم (روحانی) حاصل کی مجھے یقین ہو گیا تھا۔ کہ عنقریب اللہ تعالیٰ محض اپنے کرم سے مجھے اس راہ کی انتہا تک پہنچا دے گا اور ہر چند اپنے حال اور اعمال کی خامی کو دیکھ کر اس یقین کی نفی کرتا تھا مجھے اس نفی میں کامیابی نہ ہوتی تھی۔

۴۶:۔ حضرت خواجہ باقی باللہ اس وقت تک مریدوں کی تربیت میں پیش پیش تھے۔ جب تک کہ میری تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی۔ جب وہ میری تعلیم سے فارغ ہوئے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے خود کو اب مشیخت کے کام علیحدہ کر لیا۔ انھوں نے مریدوں کو میرے حوالے فرما دیا اور میرے متعلق فرمایا کہ یہ بیج ہم بخارا اور سمرقند سے لائے ہیں اور ہندوستان کی مبارک سرزمین میں اسے بو دیا ہے"۔

۴۷:۔ احوال شریعت کے تابع ہیں شریعت احوال کی تابع نہیں

کیونکہ شریعت بالکل قطعی اور وحی الٰہی سے ثابت ہے۔ اور احوال ظنی ہیں جو کشف اور الہام سے ثابت ہوتے ہیں

۴۸:۔ بڑا تعجب ہے کہ بعض ناقص اور خام قسم کے درویش اپنے کشف پر اعتماد کرکے شریعت بیضا کے انکار اور مخالفت کی جرات کرتے ہیں حالانکہ اگر حضرت موسیٰ السلام بھی حضور ﷺ کا زمانہ پاتے تو ان کے لئے بھی سوائے اس روشن شریعت محمدیؐ کی پیروی کے اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔ تو پھر ایسے کور باطن پیروں کی کیا حثیت ہے؟

۴۹:۔ جبتک کوئی ظاہری علم میں پوری مہارت نہ رکھتا ہو اس وقت تک وہ صوفیاء کی باتوں کے اسرار سے مستفید نہیں ہوسکتا۔

۵۰:۔ جب کوئی طالب کسی شیخ کے پاس آئے تو چاہے کہ شیخ پہلے اس کو استخارہ کا حکم دے۔ تین استخارہ سے سات استخارہ تک تکرار کرائے۔ استخاروں کے بعد اگر طالب میں شیخ کی نسبت کوئی تردد پیدا نہ ہو تو شیخ اس طالب کے کام کو شروع کرے۔ پہلے اس کو طریق توبہ کی تعلیم دے اور دو رکعت نماز توبہ پڑھنے کا حکم دے اس کے بعد طالب کو اس طریق کی تعلیم دے جو اس کی استعداد کے مناسب ہو اور وہ ذکر تلقین کرے۔ جو اس کی قابلیت کے مناسب ہو اور اس کے معاملہ میں توجہ کو کام میں لائے۔ اور اس کے حال پر التفات کو ملحوظ رکھے۔ اور راہِ سلوک کے آداب و شرائط سے بیان کرے وغیرہ۔

۵۱:۔ صوفیوں کے اعتقادات آخر کار یعنی منازل سلوک کے پورا ہونے اور ولایت کے درجوں کی نہایت کو پہنچے کے بعد جو علمائے اہل حق کے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ علماء کو نقل یا استدلال سے حاصل ہوئے ہیں

اور صوفیوں کو کشف یا الہام سے۔

۵۲:۔ خوارق کا کثرت سے ظاہر ہونا افضلیت پر دلالت نہیں کرتا ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک ولی جس سے خارق ظہور میں نہ آئے دوسرے ولی سے افضل ہو جس سے خوارق و کرامات ظہور میں آئے ہوں۔

۵۳:۔ منازل سلوک کے قطع کرنے سے مراد مقامات عشرہ کا طے کرنا ہے۔ اور مقامات عشرہ کا طے کرنا تجلیات ثلاثہ سے وابستہ ہے یعنی تجلی افعال اور تجلی صفات اور تجلی ذات اور ان مقامات میں سے سوائے مقام رضا کے سب تجلی افعال و تجلی صفات سے وابستہ ہیں۔ اور مقام رضا وابستہ ہے۔ تجلی ذات تعالیٰ تقدس سے محبت ذاتیہ سے جو محبّ کے نزدیک محبوب کے ایلام وانعام کی مساوات کو لازم ہے۔ پس ناچار رضا ثابت ہوگی اور کراہت جاتی رہے گی۔

۵۴:۔ پیر کے حقوق تمام حقوق والوں کے حقوق سے مقدم ہیں بلکہ پیر کے حقوق حق سبحانہ کے انعامات اور اس کے رسول ﷺ کے احسانات کے عد دوسروں کے حقوق سے نسبت نہیں رکھتے۔ بلکہ سب کے پیر رسول ﷺ ہیں۔ اگرچہ ظاہری ولادت والدین سے ہے۔ مگر معنوی ولادت پیر کے ساتھ مخصوص ہے۔

۵۵:۔ جان لے کہ اس راستے کے سالک دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ مرید ہیں یا مراد۔ اگر مراد ہیں تو ان کے لئے خوبی ہے۔ کشش و محبت کے طریق سے ان کو کھینچ کھینچ کر لے جائیں گے اور اعلیٰ مطلب تک پہنچا دیں گے اللہ تعالیٰ کی عنایت ازلی ان کے حال کی کفیل ہے۔ بذریعہ سبب یا بے سبب ان کے کام کو حق تعالیٰ پورا کر دیتے ہیں۔ اگر مرید

ہیں تو ان کا کام بغیر واسطہ پیر کامل مکمل ہونا دشوار ہے۔ ان کے لئے ایسا پیر چاہیے۔ جو جذبہ سلوک کی دولت سے مشرف ہوا ہو اور فنا و بقا کی سعادت سے بہرور ہو۔ اور سیر الی اللہ سیر فی اللہ سیر عن اللہ سیر باللہ اور سیر فی الاشیا باللہ کو تمام کیا ہو۔

۵۶:۔ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے جس طرح کہ ہو سکے نہ یہ کہ ذکر کلمہ نفی و اثبات کے تکرار یا اسم ذات کے تکرار میں منحصر ہے جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے۔ لہذا اوامر شرعیہ کی بجا آوری اور نواہی شرعیہ سے باز رہنا سب ذکر میں داخل ہیں۔

۵۷:۔ ایک روز بر سبیل تذکرۃ فرمایا کہ جب کشفی نظر سے غور کیا جاتا ہے تو مشائخ سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد حضرت شاہ کمال کیتھلی کے مثل اور کوئی شخص نظر نہیں آیا۔

۵۸:۔ فرماتے ہیں کہ بلا تکلف و تعصب میں کہتا ہوں کہ نورانیت مذہب حنفی نظر کشفی میں دریائے عظیم کے طرح ہے۔ اور دوسرے اور مذہب مثل حوضوں اور نہروں کے دکھائی دیتے ہیں۔

۵۹:۔ فرماتے ہیں کہ آفتاب کی طرف بے تکلف دیکھ سکتے ہیں مگر شاہ سکندر قادری پوتا کمال قادری کیتھلی کے دل کی طرف غلبہ شعاع انوار کی وجہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ وہاں رسائی نہیں ہوسکتی ہے۔

۶۰:۔ فرمایا کہ کشفا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم کو بدعت کی تاریکیوں نے گھیر لیا ہے۔ اور نور سنت اس میں کرمک شب افروز کی طرح بعض جگہ خال خال معلوم ہوتا ہے۔

۶۱:۔ ایک روز بتقریب تکرار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فرمایا

کہ اے کاش تمام عالم بمقابلہ اس کلمہ طیبہ کے دریائے محیط کا ساتھ قطرہ ہی کی مناسبت رکھتا۔ یہ کلمہ مقدسہ جامع کمالات ولایت نبوت ہے۔

۶۲:۔ فرمایا ہم پر منکشف کیا گیا ہے کہ حضرت الرحمان کے خزائن رحمت کی حقیقت وجود سید المرسلین علیہ وسلم ﷺ ہے اور کوئی رحمت اس خزانہ سے الگ نہیں ہے۔

۶۳:۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی آرزو کے برابر نہیں رہی کہ گوشۂ خلوت میں کلمہ طیبہ کی تکرار سے لزت حاصل کی جائے مگر کیا گیا کیا کریں کہ تمام آرزوئیں حاصل نہیں ہوتی ہیں۔ ان امور سے جو کہ عارف کو ملکیت سے بشریت کی طرف لاتے ہیں کھانا کھانا سب سے زیادہ برا ہے۔ کبھی کبھی تہجد کے وقت کھانے کی کدورتیں نظر آتی ہیں۔

۶۴:۔ فرمایا ایک روز ہم نے طہارت گاہ میں داخل ہوتے وقت دائیں پاؤں پہلے اندر رکھدیا۔ اس روز مجھ پر احوال کے دروازے بند رہے۔ پھر ندامت اور استغفار کے بعد وہ حال ظہور پذیر ہوا۔

۶۵:۔ فرمایا کہ بعض ناقص درویش اپنے کشف پر اعتماد کر کے شریعت کا انکار اور مخالفت کرنے لگتے ہیں حالانکہ اگر حضرت موسیٰ بھی عہد رسالت علیہ وسلم ﷺ میں ہوتے تو سوائے اتباع شریعت محمدی کے ان کو بھی کوئی اور چارہ کار نہ ہوتا۔ پھر ان کور باطنوں کو مخالفت کا کیا حق ہے۔

۶۶:۔ فرماتے ہیں اکثر مجھے عرش مجید پر اٹھالیا جاتا۔ ایک دفعہ جب مجھے اٹھایا گیا اور میں عرش معلیٰ سے اتنا اوپر چلا گیا جتنا کہ عرش مرکز ارضی سے اونچا ہے۔ میں نے وہاں خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کا مقام دیکھا۔ آپ سے تھوڑا اوپر کچھ اور مشائخ کے مقام تھے۔ جن میں حضرت

معروف کرخی اور ابو سعید خراز بھی شامل ہیں۔ اور کچھ مشائخ کا مقام خواجہ نقشبند کے ساتھ ساتھ تھا۔ حضرت کے مقام کے نیچے حضرت نجم الدین البکری، حضرت علاؤ الدین عطار تھے۔ اور باقی سب مشائخ کا مقام نیچے تھا، ان سب درجات سے اوپر آئمہ اہل بیت اور خلفائے راشدین کے مقامات تھے۔ تمام انبیا علیہم الصلواۃ کے مقامات ہمارے آقا نور مجسم سید المرسلین ﷺ کے ایک پہلو اور ملائکہ کے مقامات آپ کے دوسرے پہلو میں تھے۔ سب مقامات کی انتہا ہمارے سرور کونین کی ذات پاک کے اعلیٰ وارفع مقام پر ہوتی تھی۔ میں جب یہ چاہتا ہوں مجھے یہ عروج حاصل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی بلا ارادہ بھی یہ عروج نصیب ہو تا ہے۔ (جامع کرامات اولیاء، جلد دوم) -

۶۷:۔ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی کو علم ظاہری میں پوری پوری مہارت نہ حاصل ہو جائے اس وقت تک اسرار صوفیہ سے کما حقہ استفادہ نہیں کرسکتا۔

۶۸:۔ فرمایا کہ میں ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ایک شب اونماز تراویح کے بعد بستر خواب پر لیٹ گیا اور خادم میرے پاؤں دبا رہا تھا۔ میں بھول کر بائیں پہلو پر لیٹ گیا پھر مجھے یاد آیا کہ سونے میں ابتدا دائیں پہلو سے کرنا سنت اجماعی ہے۔ وہ اس وقت ترک ہو گئی۔ نفس نے کاہلی سے ظاہر کیا کہ سہو اور نسیان سے جو چیز سرزد ہو جائے وہ معاف ہے۔ لیکن میں فوراً اٹھا اور پھر لیٹا اور ابتدا دائیں پہلو سے کی۔ اس کے بعد عنایات اور فیوض و برکات اور اسرار بہت کچھ مجھ پر ظاہر ہوئے اور ندا ائی کہ اس رعایت سنت کی وجہ سے آخرت میں تجھ کو کسی طرح کا

عذاب نہ دیا جائے گا اور تمہارے خادم کو بھی جو پاؤں دبا رہا تھا ہم نے بخش دیا۔

(تذکرۃ الاولیاء، عرفان الٰہی، بحوالہ انوار العارفین، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ وغیرہ)

علامہ اقبالؒ (وصال ۱۹۳۸)

۱:۔ جو دل اسلام کے ذوق و شوق سے سرشار نہیں اور صحبت صالح سے دور ہے، قلب و نظر کی رسوائی کا مقدر بن جاتی ہے۔

۲:۔ بندہ مومن کو موت کے مقام سے آگاہی نہیں ہے۔ موت تو اسکے مقامات زندگی میں سے ایک مقام ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے دلومیں شب شہادت کا شوق پیدا ہوا تو موت پر اس طرح جھپٹتے تھے جیسے شیر ہرن پر۔ اور فرمایا کہ مومن کی یہ علامت ہے کہ جب موت آتی ہے تو اس کے چہرے پر تبسم ہوتا ہے۔

۳:۔ آج کا مسلمان انگریز کا غلام اور دنیا کا دلدادہ ہے۔ صبح و شام مال جمع کرنے کی دھن میں رہتا ہے۔ اس لئے اس کو موت کی تلخی برداشت کرنا پڑتی ہے اور مرنے کے بعد اس کا نام بھی مرجاتا ہے۔ جب کہ مومن ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

۴:۔ اے مومن تو تو نور کے موتی پرونے کے لئے آسیا ہے نہ کہ سونے کے لئے۔ تو دل کی بیداری کے لئے آیا ہے نہ کہ اس کی ناز برداری کے لئے۔

۵:۔ مردہ دلوں کو زندہ کرنا مشکل کام نہیں۔ صوم الصلوٰۃ کی پابندی اور ذکر الٰہی سے چند دنوں میں قلب کی حالت بدل جاتی ہے۔

۶:۔لوگ علامہ اقبال محض شاعر اور فلسفی خیال کرتے ہیں۔وہ یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ ان کی شاعری کون سا رنگ پیش کر رہی ہے۔حالانکہ علامہ صاحب خود فرماتے رہے ہیں۔مری نوائے پریشان کو شاعری نہ سمجھ کہ میں ہوں محرم راز درون میخانہ'' علامہ صاحب بھی اسی میخانہ کے شرابی ہیں جہاں سے بوعلی قلندر مولانا روم اور دیگر کامل ہستیوں نے پی اور سیدنا غوث اعظم نے بھی پی اور پلائی یہ وہ مے کدہ ہے جس کے ساقی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

۷:۔فرماتے ہیں کہ یہ اہل حضور لوگ ہی ہیں جو جلال کبریائی اور جمال بندگی کی دولت سمیٹتے ہیں۔اپنے من میں ڈوب کر سراغ زندگی پانے کے مزے لوٹتے ہیں اپنے پہلو میں قلب بیدار سے دونوں جہانوں کے جلوے دیکھتے ہیں۔دنیوی دولتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور خالق کائنات سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرتے ہیں عاشق الٰہی بن کر اپنے دلوں کو اس کی محبت میں گرماتے ہیں۔

۸:۔چونکہ قلب مومن لامکانی ہے۔فرماتے ہیں یہ رنگ رنگ آسمان اور یہ زمین کی پستی اور بلندی سب اپنی وسعتوں کے باوجود عاشق کے دل میں سما گئے ہیں۔

۹:۔فرماتے ہیں کہ عالم کا یہ ہنگامہ جو ہمیں ہر سو نظر آتا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ نے صرف خاکی انسان کے دیدار کرنے کے لےء اور اس سے ہم کلام ہونے کی خاطر بپا کیا ہے۔حیات انسانی کے موتی کائنات میں اور خود انسان کے بدن میں اس طرح مخفی ہیں کہ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ گمشدہ موتی ہم ہیں یا وہ ہے جو خود ہم میں گم ہو چکا ہے۔ علامہ

صاحب لکھتے ہیں۔اس کی تلاش کرو گے تو اپنے سوا کچھ نہ دیکھو گے۔ اپنی تلاش کرو گے تو اس کے سوا کسی اور نہ پاؤ گے۔''ہم اللہ تعالیٰ کی گم شدہ متع ہیں اور وہ مرد کامل کی تلاش میں ہے۔وہ ہماری طرح خواہش مند ہے۔اور اسی آرزو میں رہتا ہے۔کبھی وہ لالے کے پتے پر اپنا پیام لکھتا ہے۔کبھی پرندوں کے سینے میں سے سادھو کے ذریعہ پیام دیتا ہے۔کبھی وہ نرگس میں بیٹھ کے ہمارے جمال کو دیکھتا ہے کائنات کا تمام ہنگامہ خاکی آدم کے دیدار کے لئے ہے۔یہ تماشہ ئے رنگ و بو اسی کے نظارے کا بہانہ ہے۔

۱۰:۔علم اس جہاں رنگ و بو کی ایسی تفسیر پیش کرتا ہے.جس سے دیدہ دل کی پرورش ہوتی ہے۔ وہ تمہں مقام جذب وشوق پر لے آتا ہے پھر وہ تمہیں جبرائل کی طرح اس مقام عشق پر لا کر چھوڑتا ہے میں نے دیکھا حق تعالیٰ اپنے تمام اسرار کے ساتھ ظاہر تھے۔بلکہ وہ میری نگاہ سے اپنا دیدار کر رہے تھے۔بندہ و مولا ایک دوسرے کی تلاش میں ہیں دونوں رزق نظر کے سبب بے تاب ہیں۔زندگی جس رنگ میں بھی ہو محض جستجو کا نام ہے۔

۱۱:۔زندگی سراسر جہد ہے استحاق نہیں۔یہ سوائے علم النفس وآفاق کے اور کچھ نہیں۔

۱۲:۔اللہ کے حضور میں اپنے آپ کو محکم کرو اس کے نور کے سمندر میں گم نہ ہو جا۔یعنی قطرہ سمندر میں خود کو ملا کر اپنی انفرادیت ختم نہ کرے ابلکہا پنی انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے اپنے اندر سمندر ہونے کے کمالات پیدا کرے۔فرماتے ہیں یار کی جلوہ گاہ میں اس طرح جل جاؤ

کہ ظاہر میں تو چمک اٹھے اور تیرے باطن میں اس کی چمک نظر آئے۔

۱۳:۔ مومن کی جنگ کیا ہے۔؟ اپنے محبوب (خدا) کی طرف ہجرت کرنا۔ دنیا چھوڑ دینا اور کوئے دوست اختیار کر لینا۔ عشق ہجر و وصال میں سکون نہیں پاتا خدائے لم یزل کے جمال کے بغیر اس کو چین نہیں آتا۔ عشق ہر دم سفر رہتا ہے۔

۱۴:۔ تم اپنی ہی طرف رجوع کرو اور اپنی دل کا دامن تھام لو اور اپنے سینے کو ہی اپنی منزل بنا لو۔ زندگی یہ ہے کہ پہلے موتی کی طرح اپنے اندر غوطہ لگا پھر اپنی خلوت گاہ سے سر باہر نکال اور اپنا سراغ پالئے۔ یہ کیا نور ہے جو جان کو چمکا دیتا ہے اور سینے میں گرمی پیدا کرتا ہے۔ اس کی ایک شعاع آفتاب سے بھی بڑھ کر ہے۔۔

۱۵:۔ کمال یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو۔ اس کا طریقہ مکان کی حدود کو توڑ کر باہر نکلتا ہے۔ ذات حق سے اس طرح خلوت حاصل ہو کہ وہ تجھے دیکھے اور تو اسے دیکھے۔

۱۶:۔ نور من یرانی فرمانے والے رسول ﷺ سے نظر نہ ہٹا ورنہ تو خود بھی باقی نہ رہے گا۔ تیری شخصیت کے ذرے کو ایسا اضطراب نصیب ہو کہ وہ حریم آفتاب میں بھی چمکتا رہے۔ یار کی جلوہ گاہ میں اس طرح سوختہ ہو کہ ظاہر میں چمک اٹھے اور باطن میں وہ چمک جائے۔

۱۷:۔ جس نے اللہ کو دیکھ لیا وہی جہاں کا امام ہے۔ سب ناتمام ہیں اور وہ مکمل ہے۔

۱۸:۔ علامہ صاحب مرشد کامل کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں اگر تو ایسا راہنما نہ پائے تو اس کی تلاش کر اور اگر پالے تو اس کے

دامن سے وابسطہ ہو جا اگر اپنی مشت خاک کو سونا بنانا چاہتا ہے۔تو کسی مرد کامل کے آستانئہ مقدس پر بوسہ دے تا کہ تجھ میں تمیز معرفت و حقیقت پیدا ہو سکے۔

۱۹:۔خودی ایک نور ہے جو ہمارے جسم خاکی میں مستور ہے جو عشق سے چمک حاصل کرتا ہے۔عشق کی وجہ سے خودی میں سوز پیدا ہوتا ہے۔ جس سے وہ کائنات کو منور کر سکتی ہے اور مٹھی بھر خاک کو کیمیا بنا سکتی ہے۔ عشق میں عاشق اپنے محبوب (اللہ تعالیٰ) کی عادات کی تقلید کرتا ہے۔ اور اپنے محبوب کے اوصاف اپنے اندر جذب کر کے اس کے قریب تر ہو جاتا ہے علامہ صاحب فرماتے ہیں۔''خودی نے آدم کے دل میں اپنا نشمین بنالیا ہے اس کا پانا اس خاکی انسان کے نصیب میں ہوا۔تیرے سینے میں خودی کا چراغ ہے۔یہ عجیب نور ہے کہ جو تیرے (قلب کے) آئینے میں ہے۔غافل نہ ہو تو اس نور خودی کا امین ہے کتنا نادان ہے کہ تو اپنے آپکی طرف نہیں دیکھتا'' پھر فرماتے ہیں خودی کا خودی میں سما جانا (فنا ہونا) محال ہے خودی میں اپنا وجود قائم رکھنا کمال ہے۔

۲۰:۔دل بے نیاز کا تعلق اس دنیا سے نہیں اس کے شب و روز آسمان کی گردش سے نہیں بنتے تو اپنے قیام کا وقت خود دریافت کر کیونکہ نماز عشق و مستی کی کوئی اذان نہیں ہوتی۔

۲۱:۔مرد میدان اللہ ھو سے زندہ ہے اور یہ جہاں چہار سو اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔مومن اپنے وجود کے سوز سے جلتا ہے اور ہر سر بستہ راز اسی سوز سے کھلتا ہے۔ مومن کے قیام میں جلال کبریائی ہے اور اس کے سجدوں سے جمال بندگی ظاہر ہوتا ہے۔

۲۲:۔علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ عشق کی آگ لوگوں کے ساتھ زیادہ میل جول رکھنے سے سرد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ خود کو سوز عشق سے آشنا رکھنا چاہتے۔ ہیں ان کیلئے ضروری ہے کہ اپنے آشناؤں سے بیگانہ رہیں۔اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں ’’زیادہ لوگوں سے میل جول رکھنا ناپختہ خودی کو ظاہر کرتا ہے۔اے درد آشنا تو آشناؤں سے بیگانہ رہ۔‘‘ اس کی آہ سوزناک پر سینہ کھول دے کیونکہ اس کی ایک آہ سے سو سال کا غم چلا جاتا ہے۔

۲۳:۔سب سے الگ رہ کسی آشنا کی (یعنی پیر کامل) صحبت میں آ۔ خدا سے استحکام خودی اور خودی سے خدا کو طلب کر۔جب فقر کمال کو پہنچے تو بادشاہی کا ذریعہ ہوتا ہے تو کیقباد کا تخت فقراء کے آستانوں سے طلب کر۔یعنی اولیاء کرام کی صحبت سے جو فیوض حاصل ہوتے ہیں وہ برسوں کی عبادات سے بھی نہیں مل سکتے۔

۲۴:۔اپنے سینے میں داغ محبت روشن رکھ کیونکہ شب ہستی میں اس چراغ کے بغیر اپنی پہچان ممکن نہیں۔

۲۵:۔جب شمس تبریزی کی برقی نگاہ مولانا روم کے دل کی زمین پر پڑی تو ان کی خاک آپ کے سوز سے شعلہ بن گئی۔

۲۶:۔بیحضور نماز ادا کرنے والوں کو آزاد (عشاق) مردوں کے مقام کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔جب مرد آزاد سجدہ کرتا ہے تو یہ نیلا آسمان اس کے گرد طواف میں سرگرم ہو۔جاتا ہے۔

۲۷:۔علامہ صاحب نے خرقہ (گدڑی) و عمامہ کو کبھی اپنی مشہوری کیلئے استعمال تو نہ کیا مگر حضور قلب کے ذریعے محبوب حقیقی کی بو پالی۔فر

ماتے ہیں تمہیں تو گدڑی اور دستار سے کام ہے مگر میں خود سے محبوب حقیقی کی خوشبو حاصل کرتا ہوں۔ جب میں نے اپنے آینہ قلب کا جوہر دیکھا تو اپنے سینے کے اندر خلوت گزیں ہو گیا۔ راقم الحروف کو ایک مرد قلندر نے بتایا کہ جب علامہ صاحب قونیہ (ترکی) مین مولانا روم کے دربار پر حاضر ہوئے تو مولانا کی روح مجسم ہو کر تربت سے باہر علامہ صاحب سے ملاقی ہوئی اور راز و نیاز کی باتیں ہوئیں۔ مولانا نے علامہ صاحب کو عشق حقیقی سے آگاہ کیا۔ اور ایسی شراب معرفت پلائی جس کا نشہ تمام عمر قائم دائم رہا اور آپ کی شاعری سے اس کا مختلف انداز میں اظہار ہوتا رہا۔ اور آپ مسلمانوں کو درس عبرت اور درس حقیقت دیتے رہے اسی لئے علامہ صاحب مولانا روم کو اپنا رہبر مانتے ہیں۔

۲۸:۔ بچشم عشق دیکھ تا کہ تجھے اس کا سراغ ملے۔ عقل کی نظر میں تو یہ سحر ساحری ہے۔ میری تیری منزل آسمان سے بھی بلند تر ہے۔ ورنہ ہمارے قافلے کی راہ میں سورج تو سنگ میل ہے۔

۲۹:۔ ذرا بھر مشکل سے غائف تو خود کو بھول چکا ہے۔ ورنہ بحر میں رہ کر گوہر نہ بنتا تو شرمندگی ہے۔ تو اپنی قدر نہیں جانتا ورنہ لعل درخشاں جو پتھر کا ایک ٹکڑا ہے تجھ سے ہی قیمت پاتا ہے۔

۳۰:۔ رندان بادہ کشوں (شراب معرفت پینے والے) کے حلقے میں شریک ہو جا مگر ایسے پیر کی بیعت نہ کر جو ہنگامہ سرا نہ ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کو بے پردہ دیکھنا چاہتا ہے تو اپنی خودی کو فاش تر دیکھنا سیکھ۔

۳۱:۔ جنت بھی اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں سے ایک تجلی ہے مگر وہاں بھی اگر دیدار الٰہی لوگوں کو نہ ملے تو جنت بھی کچھ نہیں۔ بندے کو بھی علم

سے اسی وقت فائدہ ہوتا ہے اگر اس کا مقصود دیدار جمال الہٰی یا معرفت الٰہی ہو اور جمال الٰہی کو دیکھنے کا شوق بیدار کر دے

۳۲:۔ اگر حق تعالیٰ نے تجھے تاب نظر دی ہے تو اپنے دل کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی قدوسیت کا نظارہ کر۔ ایسی تاب نظارہ کے حاصل کرنے کا طریقہ عبادت کی کثرت کے بعد ذکر و فکر سے دل کو فراست کے نور سے آراستہ کرنا ہے ایسا شخص جس کے قلبکی آنکھ کھل جائے تو اپنے آپ اللہ کے حضور میں پاتا ہے۔ اور اس کا دیدار کرتا ہے۔

۳۳:۔ جب تک علم زندگی سے سوز حاصل نہ کرے اس وقت تک دل واردات غیبی کی لذت سے آگاہ نہیں ہوتا ۔ علم تو صرف مقاصد انسانیت کی شرح ہے۔ علم تیری ذات کے خزائن کی نشان دہی کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ عالموں سے خواہ کتنی ہی کتابیں پڑھتے رہو مگر جو درس بزرگوں کی نظروں سے ملتا ہے وہی باطن کے دروازے کھلنے میں مدد دیتا ہے۔

۳۴:۔ علامہ اقبال کے نزدیک رنج والم کا زندگی میں ایک مقام ہے۔ آپ نے غموں کو قبول کرنے کو بھی سخت کوشی اور جفا طلبی کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ پوری کائنات میں انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو سیلاب رنج و بلا کو بخوشی قبول کرتا ہے۔ اللہ نے دنیا بھر کے غم و رنج زمین و آسمان کے سامنے پیش کیے مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ مگر انسان نے ان مصائب اور اس سے متعلق تمام ذمہ داریوں کو فوراً قبول کر لیا۔

۳۵:۔ فرمایا انسان کا دل اسی وقت کارآمد ہو سکتا ہے جب یہ چوٹ خوردہ ہو۔ چوٹ لگنے سے اس دل سے آہ فریاد کی گونج اٹھتی ہے۔ تو اس

وقت یہ آمادہ جہاد اور قوت مدافعت پیدا کرلیتا ہے جس دل میں آہ و فغان اور نالوں کی پکاریں نکلتی ہیں تو یہ پکاریں دل شکن بلکہ فلک شکن ہونے کے باعث حصول مقصد کے لئے تریاق کا اثر رکھتی ہیں۔

۳۶:۔ روح کی حفاظت کثرت ذکر وفکر میں ملے گی اور بدن کی سلامتی جوانی میں ضبط نفس سے حاصل ہوگی۔

۳۷:۔ یاالہیٰ تیرا جمال تو آج بھی بے پردہ ظاہر ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ کل قیامت کو تیرے دیدار کا وعدہ کس لئے ہے۔

۳۸:۔ قال کو چھوڑ اور روحانی کیفیت کا دروازہ کھٹکھٹا اور اعمال کی تاریکی پر اللہ کا نور بکھیر س۔ اپنے ہر عمل کا مقصود خدا کو رکھ تاکہ تجھ سے جلال خدائی ظاہر ہوجائے۔

۳۹:۔ فرماتے ہیں کبھی تو ایک معمولی تنکا میری آنکھوں کا پردہ بن جاتا ہے۔ اور کبھی ایک نگاہ دونوں جہاں دیکھ لیتا ہوں۔ وادی عشق کا فاصلہ بڑا دور و دراز کا ہے لیکن کبھی سو سالہ راہ ایک آہ بھرنے سے طے ہو جاتی ہے۔

۴۰:۔ اے سالک راہ طریقت اپنی نگاہوں کو اللہ تعالیٰ کیطرف ہی مرکوز رکھ کسی اور کی طرف نظر نہ اٹھاو۔ آیئنے کی مانند دوسروں کے حسن میں محو نہ ہو دوسروں کا خیال اپنے دیدہ سے نکال دے۔ فرماتے ہیں اے وہ مخفی ذات جو ہماری جان سے بھی قریب ہے مجھے آپ کا ہجرہ دوسروں کے وصل سے عزیز ہے۔ (یعنی اقبالؔ کے نزدیک ہجر وصل ایک ہی چیز ہے۔ دونوں صورتوں میں دوئی پائی جاتی ہے جب فنا کے بعد بقا حاصل ہوئی وہاں یہ بحث نہیں۔ جہاں اکائی ہے یکتائی ہے۔ دوئی کا کیا محل)

۱۴۱:-

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر باشاہوں کے خزینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
(تذکرۃ الاولیاء عرفان الٰہی، بحوالہ بال جبرئیل، پیام مشرق، جاوید نامہ، ضرب کلیم وغیرہ)

آن مقتدائے ارباب ولایت آں گنجینۂ علم و ہدایت آں ناطق بلسان حالی پیشوائے وقت حضور مخدوم شیخ علاء الحق والدین پنڈوی

حضرت مخدوم العالم علاء الحق پنڈوی گنج نبات ؒ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں آپ کی ذات بابرکات سے بہت سے بھٹکے ہوئے کو راہ ہدایت ملی۔آپ کے والد گرامی کا نام عمر بن اسعد لاہوری ہے۔ جو بادشاہ بنگال کی پوری سلطنت کے وزیر تھے آپ کا سلسلہ نسب حضرت خالد بن ولیدؓ سے جا ملتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے پیارے حبیب کی طفیل ﷺ کے آپ کو بہت سے فضائل وکمالات سے نوازا تھا۔ مرید ہونے سے قبل ہی آپ بے شمار خوبیوں کے حامل ہو چکے تھے اور راہ سلوک کے منازل کو طے کر چکے تھے۔ لیکن جب آپ نے مرشد برحق شیخ اخی سراج الحق والدین 'ایئنہ ہند' کے دست کرم پر بیعت کی اور مرشد کامل کی دور میں نگاہوں نے جب تاڑ لیا تو فوراً فرقہ خلافت سے نواز دیا اور

بہت سارے انعامات سے سرفراز فرمایا۔ حضور مخدوم العالم کے دل میں اپنے پیرومرشد کا کس قدر احترام تھا اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اخی سراج الحق آئینہ ہند اکثر اوقات سواری کرتے تھے کھانا تیار ہوتا تو خادم گرام کھانے کی دیگ حضور مخدوم العالم کے سر پر رکھ دیتا تھا جس کی وجہ سے آپ کے سر کے بال اڑ گئے تھے۔ پھر تعجب کی بات یہ کہ شیخ کی گزر ایسے امراء سلطنت کے گھر سے ہوتی جو مخدوم العالم کے رشتہ دار ہوتے مگر سرکار مخدوم کھانے کی گرم دیگ لے کر چلتے رہتے اور اپنے رشتہ داروں کے دیکھنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے آخر شیخ کی تربیت ونگاہ ولایت سے ایسا جام ملا جس کے نوش فرماتے ہی آپ بلند سے بلند مقام پر پہنچ گئے جس قدر حضور آئینہ ہند کو فیوض و برکات حضور سلطان المشائخ سے ملے تھے۔ وہ سب وصال کے وقت شیخ علا والدین کے حوالے کر کے ان کو اپنا جانشین وخلف اکبر مقرر فرمایا شیخ علا والحق پنڈوی بڑے سخی تھے اور بے حد خرچ کیا کرتے تھے دربار مخدوم العالم سے کوئی سوالی خالی واپس نہیں جاتا اسی سبب سے کثیر التعداد فقراء اور حاجتمندوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی بے شمار زائرین آتے پر ہمہ دم در سخاوت کا کھلا پاتے ہر امیدوار آپ کی نظر شفقت میں یکساں معلوم ہوتے۔ آپ کے خرچ کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ وقت بھی حیران وششدر رہتا تھا اور بارہا شک وشبہ کی بنا پر اس جملہ کو زبان پر لایا کرتا کہ میرا خزانہ شیخ کے والد گرامی کے پاس ہے جو انہیں خرچ کرنے کے لئے دیتا ہے اسی تردد کی وجہ سے بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ میرے شہر سے باہر چلے جائیں آپ مصالحت کی بنا پر فرمان شاہی کو قبول کر لئے اور اس گاوں میں پہنچنے کے لئے رخت

سفر باندھا اور وہیں جا بسے۔ اللہ والے کی شان ہی کچھ ایسی ہی ہوا کرتی ہے کہ اگر کسی بنجر اور غیر آباد زمین کو اپنا مسکن بنالیں میں تو اس کو زرخیز اور سر سبز و شاداب بنا دیتے ہیں۔ اور خلق الٰہی اس کا گرویدہ بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ وہاں تشریف فرما ہوئے تو زائرین اور حاجتمندوں کی اس قدر بھیڑ ہوئی کہ آپ کو اپنے خادموں سے یہ کہنا پڑا کہ جتنا خرچ پنڈوا میں کرتے تھے اب اس کا دوگنا کر دو! اب شیخ کے صبر و تحمل کے ساتھ ساتھ اور فیاضی کے حال کا معاینہ کیجیئے کہ آپ کی وراثت میں آبائی دو باگ تھے جن کی سالانہ آمدنی تقریباً آٹھ ہزار تھی مگر اس باغ پر ایک شخص ناجائز قبضہ کر رکھا تھا پھر شیخ نے ان سے واپسی کا مطالبہ کبھی نہ فرمایا۔ شیخ کا دست دراز اتنا وسیع تھا کہ محتاجوں اور غریبوں کو امید سے زیادہ مال و دولت سے نوازا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے شیخ جس قدر خرچ کرتے ہیں اس کا عشر عشیر بھی خرچ نہیں کرتا۔

سرکار مخدوم العالم قطب وابدال کے فہرست میں داخل ہیں آپ کے مریدین پہاڑوں مین مختلف مقامات پر ریاضت و مجاہدات میں مشغول رہتے تھے جب خلوت سے واپس آئے ایک دوسرے سے ملتے اور بتاتے کہ فلاں فلاں دن مخدوم العالم میرے پاس آئے لیکن جب خانقاہ والوں سے دریافت کیا جاتا تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس وقت خانقاہ میں موجود تھے اشرفی کے حوالہ سے مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ صورت تبدیل کرنا ابدال کا خاصہ ہے۔

فیضان چشتیت کا ہے مظہر مخدوم العالم
نور ولایت کا ہے چشمہ مخدوم العالم

محبوب الٰہی آئینہ ہند سرکار چشتیت
ان سب کا ہے چشم و چراغ مخدوم العالم

آپ کے حسن وکمالات کا اندازہ بحسن وخوبی اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ میر سید اشرف جہانگیر سمنانی شاہباز و بلند پرواز حضرت خضر علیہ السلام کی رہنمائی سے ملک خراساں سمنان کی بادشاہی کو چھوڑ کر آپ کی خدمت میں پہنچے اور حسن ترتیب سے مرتبۂ تکمیل تک پہونچے۔

یہ حسن ترتیب تھا یا تقدیر الٰہی
کہ منزل عشق میں یہ مل گئے راہی

باوجود یہ کہ بے شمار اولیاء کبار سے راستے میں آپ کی ملاقات ہوئی لیکن سب نے یہی فرمایا کہ آپ کا مرشد بنگال میں ہے وہاں جاؤ حضرت خضر علیہ السلام نے ستر مرتبہ شیخ مخدوم العالم علاؤالحق والدینؒ کو خبر دی کہ ایک باز سمنان سے اڑ چکا ہے۔ بہت سے مشائخ نے جال پھیلا یا ہے۔ لیکن میں آپ کے لئے لا رہا ہوں۔

حضور مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی جو غوث العالم ہیں آج ان کے آستانۂ عالیہ اشرفیہ میں ظاہر و باہر کرامات کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ کیا عدالت کے فیصلے سے کتنے ہی مصیبت کا مارا اور آسیب زدہ انسان کو نجات ملتی ہے۔ آستانۂ عالیہ اشرفیہ تالاب کے درمیان قائم ہے تالاب کا پانی نیر شریف کے نام سے مشہور ہے کیا تاثیر ہے؟ پانی میں کوڑھی نہائے تو شفایابی ملتے حضرت مخدوم العالم کے مقام و مراتب کے لئے اس قدر جاننا کافی ہے تارک السلطنت شہرہ آفاق حضرت مخدومؒ جہانگیر سمنانیؒ آپکے مرید وخلیفہ ہیں بڑے بڑے نامور اکابرین جو اپنے اپنے وقت

ہیں غوث وقطب کے مقام پر فائز تھے جن سے علیحدہ علیحدہ سلسلۂ طریقت چلا ان سبھوں کے ولایت کا دار الحکومت حضرت شیخ مخدوم علاؤالحق العالم پنڈوی ہیں۔

اس حقیقت سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ مکان کی قدر و منزلت اور اس کی شرافت و بزرگی مکیں سے ہوا کرتی ہے۔اس اعتبار سے بنگال کی زمین بھی فضل و شرف اور عزت و عظمت کو اونچا مقام رکھتی ہے۔اس زمین پر بھی جا بجا بہت سارے اولیاء کرام اپنے اپنے فیوض و برکات کے چشمے جاری کیے ہیں۔مگر سرزمیں پنڈوا ہندوستان میں ایک امتیازی شان رکھتی ہے۔کہ یہاں کی پر بہار فضائیں ہمہ وقت رحمت و نور کی بارش سے تر رہتی ہیں کون ہے۔؟ جو مخدوم العالم کی مقدس بارگاہ میں گیا اور اس کی مراد پوری نہ ہوئی مگر ذرا خلوص دل کے ساتھ ساتھ عظمت اولیاء کرام کو اپنے دل میں بسانے کی ضرورت ہے۔نذرانہ عقیدت کو پیش کرنے کے بعد بے سروسامان کا اظہار کرتے ہوئے سرکار مخدوم العالم میں حاضری دیں بالیقین مرادیں پوری ہوں گی۔

سرکار مخدوم العالم پنڈوی کے فیاضی در سے ہر مست و دیوانے اپنی شخصیت و صلاحیت کے مطابق اپنی اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے چلے جا رہے ہیں۔دوران حاضری میں جگہ جگہ کے صاحب سجادہ کو دیکھا تو مخدوم العالم کی بارگاہ میں عرضیاں پیش کر رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہے واقعی بے خودی کا احساس تو حضور مخدوم کی بارگاہ میں ہوئی بعد میں آنے والے بزرگوں نے آپ کو ولایت کا لوہا تسلیم کیا جب آپ کو اس دار فانی سے کوچ کرنے کا وقت

قریب آیا تو آپ کے مریدین و معتقدین میں سے بعض نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ حضور آپ کے جنازے کی نما کون پڑھائیں گے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس بات سے متفکر نہ رہو کیونکہ اس وقت میری نگاہ اور چہ شریف کی طرف دیکھ رہی ہے اور وہاں سے حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیاں جہاں گشت روانہ ہو چکے ہیں وہی نماز جنازہ پڑھائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ کی وفات ۸۰۰ ھ میں ہوئی مزار پاک پنڈوا شریف میں ہے۔ جو مرجع خلائق خاص و عام ہے۔ بعد وفات جس جگہ پر آپ کو غسل دیا گیا تھا وہ جگہ اب بھی محفوظ ہے اور وہ ایک عظیم زیارت گاہ ہے۔ عرس کی تاریخ ۲۱ رجب المرجب تا ۲۴ رجب المرجب ہے کثیر تعداد میں زائرین تشریف لاتے ہیں اور بامراد اپنے اپنے گھر لوٹتے ہیں عرس کا منظر نہایت مبارک و دل نشین ہوتا ہے جسکو بیان کرنے سے زبان قاصر ہے۔

آں سر حلقہ عارفان ہمدم وصال، آں محب ترین مقربان حضرت ذوالجلال آں ممتاز بعشق و جمیع مقامات عالی محبوب حق مخدوم نور قطب عالم پنڈوی

حضرت سیدنا نور الدین نور قطب ابن حضرت سیدنا مخدوم العالم علاؤالحق والدین گنج نبات اسعد لاہوری پنڈویؒ

آپ کی ذات گرامی حضرت شیخ نور قطب عالم کے نام سے مشہور ہے، آپ اپنے والد گرامی حضور مخدوم العالم علاؤالحق کے ہی مرید اور خلیفۂ رشید تھے۔ ہندوستان کے بہت بڑے ولی اور صاحب کشف و کرامات اور صاحب ذوق و شوق بزرگ تھے۔

میں متعجب ہوں کہ سرکار نور قطب عالم کے حالات زندگی پر کہ ایک

طرف تو آپ قطب عالم ہیں اور دوسری طرف عاجزی وانکساری اور حسن اخلاق وکردار کی یہ بہترین ادا جس کو اخبار الاخیار سے نقل کر کے درج کیا جارہا ہے کہ آپ اپنے والد محترم کی خانقاہ کے بھی درویشوں اور فقیروں کی خدمت کرتے اور اپنے ہاتھ سے انکے کپڑے دھویا کرتے تھے اور ان کی ضروریات کے لئے پانی گرم کر کے دیا کرتے ابتداء آپ کے ذمے پانی کا انتظام تھا اتفاق سے ایک دن آپ پانی کے انتظام میں مصروف تھے کہ اچانک ایک فقیر کے پیٹ میں درد ہوا اور وہ سیدھا آنجانہ میں گھس آیا اور پاخانہ کو روک نہ سکا بے قابو ہو کر جو اس نے دشت کی اس سے حضور سرکار نوقطب عالم کے تمام کپڑے خراب ہو گئے تھے

اتفاقاً اسی وقت آپ کے والد بزرگوار ادھر سے گزرے تو اپنے فرزند باوقار حضور نور الحق کو اس حالت میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس کے بعد دوسرا کام آپ کے سپرد کیا حضور شیخ علاؤ الحق پنڈوی نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ اے نور الحق دیکھو یہ عورتیں پانی بھرتی ہیں اور زمین مسلسل پانی کے قطرات گرنے سے گیلی ہوگئی ہے۔ جس کی وجہ سے پھسلنے اور گھڑوں کے ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے تم ان لبریز اور بھرے ہوئے گھڑے کو اپنی گردن پر اٹھا کر اب عورتوں کو باہر لاکر دیا! چنانچہ نور قطب عالم نے چار برس تک خدمت بھی انجام دی۔ سب مسلمانوں کو مولیٰ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے صدقے ان مشائخ کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ ہمیں حضور نور قطب پنڈوی کی زندگی کے حسن کردار اور بلند اخلاق سے عبرت حاصل کرنی چاہیے واقعی جو لوگ ان حضرات کے نقش قدم پر چل رہے ہیں یہ ان کی خوش نصیبی ہے یوں تو

حن واخلاق ہی اسلام کی زیب وزینت ہے۔ شیخ نورالحق فرمایا کرتے تھے۔ کہ میرے شیخ نے فرمایا ہے کہ بزرگان سلف نے اسماءالحسنیٰ کی طرح سلوک کی بھی ننانوے منزلیں مقرر کی ہیں تاکہ سالک ان تمام پر چل کر مکمل ہوسکے اور ہمارے بزرگوں نے سلوک کی پندرہ منزلیں مقرر کی ہیں یہاں سلوک کے صرف تین منزلوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا:۔ منزل اول یہ ہے کہ خدا کے ہاں حساب ہونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرلیا جائے۔

۲:۔ منزل دوم جس کے دودن برابر رہے نیکی نہ کرنے میں وہ خسارے میں ہے۔۔

۳:۔ منزل سوم یہ ہے کہ فقیر اس طرح عبادت کرے کہ دل کے تمام خیالات کو فتح کرے ان تینوں طریقوں کے بعد انشا اللہ سالک کی اپنی منزل بھی مکمل ہوجائے گی۔ آپ کے ملفوظات میں ہے کہ شیخ نورالحق سے کچھ لوگوں نے دریافت کیا کہ مشائخ کرام جو پنجگانہ نمازوں کے بعد مصافحہ کرتے ہیں تو اس میں کیا راز ہے۔؟ آپ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ جب کوئی مسافر سے واپس آتا ہے۔ تو وہ اپنے دوستوں سے مصافہ کرتا ہے اور درویش جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اسمیں اس قدر مستغرق ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو بھی بھول جاتا ہے۔ اور جب نماز ختم کرتا ہے۔ تو گویا اس نے باطنی سفر طے کرلیا اور نماز میں سلام پھیرنے کے بعد اس کو اپنا شعور ہونے لگتا ہے۔ اس لئے مشائخ باہم بدیگر سلا ومصافہ کرتے ہیں۔

شیخ نورالحق قطب العالم پنڈوی کے خطوط کے اندروہ شیرینی زبان

اور الفاظ کے لطائف اور معنی کی پاکیزگی ہے۔ جو دل والوں کے دل کا علاج اور اہل محبت کے لئے محبت کا پیغام ہے۔

آپ کے مکتوبات میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ درویش کو بیقراری میں قرار وسکون آتا ہے درویش کی عبادت ماسوئ اللہ سیس بیزاری اور علیحدگی ہے۔ اللہ کی عبادت کے بغیر اور کسی چیز میں مشغول ہونا درویش کے نزدیک گرفتاری ہے اور دل کے باطنی کے ماسوئ کسی اور چیز میں استغراق بیکار محض ہے اور اپنی عبادت کو ظاہر کرنا بدکاری ہے اپنا خون جگر پینا بزرگواری ہے اور غیر سے آنکھیں بند کر لینا برخورداری ہے عام لوگ اپنے ظاہر کو پاک کرنے کی کوشش اور سعی کرتے ہیں اور خواص ہمہن وقت اپنے باطن کی پاکیزگی کے خواہش مند اور فرمانبردار رہتے ہیں۔ آپ کا فکر وخیال اتنا بلند درجہ پر ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ظاہری طہارت تو بدن سے کسی چیز کے نکلنے اور پیشاب و پاخانہ کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے اور باطنی طہارت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو یاد کرنے سے ختم ہو جاتی ہے مشائخ کرام :۔ یہ ہے کہ جس کے دل میں دنیا کا خیال آجائے تو اس کو اس طرح غسل کرنا چاہئے جس طرح کہ جنابت کا غسل کرتے ہیں۔ کسی چیز کو دل میں جگہ نہ دو اور کسی غیر اللہ کی محبت کو دل میں آنے نہ دو کیونکہ تمام مخلوق بد عہد اور بے وفا ہیں۔

آپ اپنے والد گرامی پیر و مرشد کے متعلق فرماتے ہیں کہ میرے شیخ سخت سردیوں میں صرف گدڑی ہی پہنا کرتے تھے اور سجادہ پر کبھی نہ بیٹھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ سجادہ پر بیٹھے کا وہ حق رکھتا ہے جو اپنے دائیں اور بائیں نہ دیکھے نیز فرماتے ہیں کہ ایک آدمی خانہ کعبہ کی زیارت

کر کے دیار حبیب سے واپس شیخ علاؤالحق پنڈوی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت آپ سے میری ملاقات باب السلام میں ہوئی تھی تو اس سے شیخ نے فرمایا کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ میں نے آج تک گھر سے باہر قدم تک نہیں رکھا ہے اس لئے مجھ سے ملاقات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ بعض لوگ ایک دوسرے کے ہمشکل اور ہم صورت ہوتے ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ آپ نے میری ہمشکل کسی اور آدمی سے ملاقات کی ہو! اس نے کہا کہ حضرت بھلا ایسا ہوسکتا ہے؟ میں نے آپ کو خانہ کعبہ میں بھی دیکھا ہے شیخ نے اسے کچھ دیکر رخصت کیا اور فرمایا کہ اس واقعہ کو کسی سے بیان نہ کرنا۔

شیخ نورالحق قطب عالم پنڈوی کی وفات ۸۱۸ھ میں ہوئی آپ کا آستانہ عالیہ پنڈوا شریف میں ہے جو بہت ہی مشہور اور مرجع خلائق خاص و عام ہے زائرین کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ آپ کے آستانہ عالیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ جب آسیب زدہ کی حاضری ہوتی ہے۔ تو بمثل عدالت باطنی مظلوموکو جن و آسیب اور خبیث سے نجات دلائی جاتی ہے۔ بے شک آپ کے پرنور بارگاہ سے لاکھوں لوگ بامراد ہوئے ہیں اور انشاءاللہ ہوتے رہیں گے۔

آپ کی ذات سے کشف و کرامت کا بھی صدور ہوا ہے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ حجام سے بال بنوار ہے تھے۔ اسی درمیان آسپ پر ایک کیفیت طاری ہوئی حجام ہاتھ روکے ہوئے یہ منظر دیکھ رہا تھا جب آپ اپنے سابق حالت میں آئے تو حجام نے پوچھا کہ حضور کیا وجہ تھی؟ کہ آج آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ سمندر میں ایک

کشتی ڈوبنے کے قریب تھی جس میں ایک عالم نامی سودا گر سوار تھے اس نے مجھ سے مدد طلب کی میں نے ایک ہاتھ بڑھا کر اس کی کشتی کو کنارہ پہر لگا دیا۔ کچھ دنوں کے بعد عالم سوداگر پنڈوا شریف تشریف لائے حضور نور قطب عالم پنڈوی کے دست پاک پر بیعت ہوئے اور چار قیمتی پتھر بطور نذرانہ پیش کیے وہ چاروں پتھر اب بھی حضور مخدوم نور قلب عالم کے آستان عالیہ میں بطور کھمبا چاروں طرف لگا ہوا ہے۔ آپ کے عرس کی تاریخ ۱۲ اذی قعدہ ہے۔ کثیر تعداد میں زائرین تشریف فرماتے ہیں وہ اپنی اپنی مرادیں حاصل کر کے اپنے اپنے گھر لوٹتے ہیں حضور مخدوم نو ر قطب عالم پنڈوی کے دو فرزند ارجمند حضرت شیخ رفیع الدین اور حضرت شہید انور بھی بہت بڑے صوفی صافی اور عارف باللہ تھے ان حضرات سے سلسلہ نسب چلتا رہا اور سند سجادگی میں متواتر تخت نشین ہو تے رہے۔ وقت وہ بھی نسب میں صرف ایک لڑکی ہوئیں جن کا اسم گرامی حضرت شمس النہار ہے۔ آپ کی شادی ڈاکٹر سید صدیق صاحب سے ہو ئی تقریباً پانچ فرزند ہوئے ان میں بڑے صاحبزادہ سید شمس الرحمٰن سجا دہ نشیں خانقاہ عالیہ ہوئے آپ کے وفات آپ کے بھائی سید انور احمد المعروف سونا بابو سجادہ نشیں ہوئے۔ دور حاضر میں جناب سید نور احمدؒ کی اہلیہ حضرت روبی نور خانقاہ عالیہ کے متولیہ ہیں۔ واقعی ایک ذمہ دار خاتون نیک ہیں ماشاءاللہ صوم وصلواۃ کی پابند ہیں۔

خوشگوار وقت اور وظائف میں گزارتی ہیں۔ عرس مخدومی پنڈوی کی ساری ذمہ داری آپ بڑے حسن وکوبی سے انجام دیتی ہیں ایام عرس مبارک میں خانوادہ عالیہ علائیہ کے تقریباً سبھی حضرات شامل ہوتے ہیں

خانوادہ علائیہ کے وارث بڑے اخلاق غریب پرور ہیں جو قابل تعریف او رقابل ستائش ہیں۔

آں کورشید ظہور عشق ولایت آں گنجینۂ انوارذوق وہدایت آں مستقیم مقام لازوال آں مست شراب خمخانہ جلال وجمال آن

غریق بحر مشاہدہ ذات مطلق قطب الوقت

حضور مخدوم خواجہ سید شاہ عظمت اللہؒ

علمائے سیر واخبار کا بیان ہے۔ کہ حضرت سرکار سید شاہ عظمت اللہ سے بارھویں پشت پر ایک ولی کامل ہیں جن کا اسم گرامی حضور سید جلال بخاری ہے۔ جو بخارا سے تبلیغ دین متین کے لئے ہندوستان تشریف لائے جن کا آستانۂ عالیہ نوادہ شریف میں موجود مشہور ہے وہاں ایک انصاری محلّہ ہے۔ اور اس میں ایک کمیٹی ہے جس کے ماتحت آستانہ کی دیکھ بھال ہے۔ عرس کا انتظام بھی انہیں لوگوں کے ہاتھ ہے۔

سید جلال بخاریؒ کے وصال کے بعد آپ کے اولاد بہار کے مختلف مقامات میں رشدو ہدایت کے لئے جاگزیں ہوس ئے۔ حضور شاہ عظمت اللہ کے بعد حضور سید محمد اور آپ کے والد سید محمد فرح مظفر پور ضلع کے ایک گاؤں بیلہ درگاہ کو پسند فرمایا آپ کے والد اور دادا کا آستانہ عالیہ اسی بیلہ درگاہ میں موجود ہے جو مرجع خلائق خاص وعام ہے۔

بے شک حضور مخدوم شاہ عظمت اللہ مادرزاد ولی تھے بچپن میں کم بولتے اور کم طعام کا استعمال کرتے بسا اوقات آپ پر استغراقی کیفیت

طاری رہتی جس کے باعث بچپن ہی میں تارک الدنیا ہوکر بیلہ درگاہ سے روانہ ہوکر پنڈوا شریف پہونچے یہ حضور مخدوم العالم علا والحق پنڈوی کے قافلہ حیات آخری حصہ تھا اس وقت بام عروج پر حضور نور قطب عالم پنڈوی تھے انھیں کے زیر سایہ اوراد و وظائف ادا کیا یہاں تک کہ ولایت کے ایک عظیم الشان مقام پر فائز ہو گئے اور مرشد برحق کی توجہ خاص اومجاہدہ نفس نے آپ کو مقام قطبیت پر پہونچا دیا گیا ہے کہ حضور شاہ عظمت اللہ حضور نور قطب عالم پنڈوی کے بہت چہیتے خلفاء میں سے ہیں ان ہی کی نگاہ کرم کا یہ صلہ ہے کہ بہت کچھ عطا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی دختر نیک اختر حضرت شہناز بانو المعروف چاند بی بی کو حضور شاہ عظمت اللہ کے عقد مناکحت میں عطا فرمایا جس سے دس فرزند ہوئیا زیبریا میں موجود ہس نسب پاک بڑے پاکبڑے فرزند خلف اکبر سید احسن اللہؒ سے قائم ہے۔

بازبیریا کا تاریخی نام بگھن باڑی تھا نور قطب عالم پنڈوی نے حضور رشاہ عظمت اللہؒ سے فرمایا کہ آپ کی ساری حاجتیں پوری ہو چکی ہیں جو کچھ حاصل ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔

لہذا آپ خود ہی رشد و ہدایت کے لئے اپنی جگہ پسند فرمالیں آپ نے ایک کاغذ کے ٹکڑے کو باز کی شکل میں اڑایا حضور شاہ عظمت اللہ کے حکم کے مطابق وہ کاغذ کا ٹکڑا جو بشکل باز کے تھا ہوا میں پرواز کرنے لگا ساتھ میں حضور نور قطب عالم پنڈوی کا جھنڈا بھی پرواز کرنے لگا جو بھکن باڑی میں طواف کیا حضور شاہ عظمت اللہ نے پنڈوا شریف ہی میں فرمایا کہ میری نگاہ دیکھ رہی ہے کہ میرا باز کہاں پرواز کر رہا ہے۔ پھر آپ وہاں

سے اجازت لے کر بکھن باری آگئے یہاں آنے کے بعد آپ نے اس جگہ کا نام بازبیریار کھا۔

رنگ حسینی بوئے حسینی سلسلہ قطب عالم پنڈوی
پرواز کی شاہ باز تیرا عظمت اللہ مرشدی
ہندو ہو یا مسلم سب تیرے دربار کے ہیں منگتا
یہ تیرے ولایت کی ہے دلیل عظمت اللہ مرشدی
شرف عزت سے تجھے ہے حاصل اے قیام
نسبت پنڈوا آل عظمت اللہ مرشدی

کہا گیا ہے کہ حضور شاہ عظمت اللہؒ عبادت و ریاضت میں ہمہ دم مشغول رہا کرتے تھے ہر لحہ یاد الہٰی میں گزرتی تھی۔ ہمیشہ روزے رہتے صرف ایک عدد چنا سے افطار کرتے رات بھر چلہ کشی کرتے یہ آپ کے روزمرہ کا معمول تھا۔

آپ کی عبادت گاہ یعنی چلہ خانہ جو اب تک بازبیریا میں محفوظ ہے۔ وہاں بھی فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ بہت سے زائرین وہاں پہونچتے ہیں اور نفل نماز ادا کرتے ہیں۔

حضرت کی وفات منگل کو ہوئی تھی آپ کے مریدین، معتقدین و متعلقین ملک عدم کے اس شاندار مسافر کو سپرد خاک کرنے کے لئے لے جا رہے تھے کہ ایک غیر مسلم کی عورت دبے آواز میں بولی ''رہے تو ولی اور مرے تو منگلی'' اتنا کہنا تھا کہ حضور شاہ عظمت اللہ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ فلاں عورت نے دل میں ایسا خیال لایا ہے لہذا مجھے گھر لے چلو لوگوں میں بڑی حیرانی ہوئی اس کے بعد پھر آپ کی وفات ۲۷ ذی الحجہ

۸۲۸ھ بروز جمعہ ہوئی حضور شاہ عظمت اللہؒ کی مقدس ہستی کو مندرجہ ذیل ہستیوں سے کتنا گہرا تعلق ہے اس کا اندازہ آپ ان سے لگائیں کہ حضور مخدوم العالم علاء الحق پنڈوی کے مرید وخلیفہ حضور مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی ہیں حضور نور قطب عالم پنڈوی کے مرید وخلیفہ حضور سیدنا حسام الدین مانکپوری ہیں اوران کے مرید وخلیفہ حضور جمال الحق بندگی چمنی بازار شریف ہیں۔تو پتہ چلا کہ پنڈوا شریف کے ولایت کا سکہ بنگال تک محدود نہیں بلکہ بنگال و بہار سے لے کراتر پردیش کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔

حضور شاہ عظمت اللہؒ کی شخصیت کا کیا کہنا یہ وہ ذات گرامی ہیں جنہیں خلافت واجازت پنڈوا شریف سے ملی اور وہیں شادی بھی ہوئی ذرا منصب کا اندازہ لگائیں کہ خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ داماد ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔

لہذا اس چیز کو بہت سلسلہ والوں کو تسلیم کرنا ہی ہے کہ حضور سید شاہ عظمت اللہؒ کی بارگاہ عالیہ بہت سارے سلسلہ کے پیروں کے داماد کا آستانہ ہے۔

حضور شاہ عظمت اللہؒ کا آستانہس عالیہ بازبیریا میں مرجع خلائق خاص وعام ہے آپ کے آستانہ عالیہ کی خصوصیت جو دیکھنے میں نظر آتی ہے وہ یہ کہ عرس مبارک میں دور دراز سے لوگ زیارت کو آتے ہیں اوراپنی نذر مانتے ہیں۔پھر عرس مبارک کے کچھ ہی دنوں کے بعد حاجت پوری ہونے کے باعث دوبارہ بہت سے لوگ باری باری آکر چادر پوشی گل پوشی سکرتے ہیں۔پوچھنے پر بتاتے ہیں کہ فلاں مراد لیکر عرس میں آیا

تھا مراد پوری ہوگئی اس کے لئے منت ادا کرنے کے لئے آیا ہوں۔
آستان عالیہ کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی دیکھی گئی کہ رات کے اندھیرے میں کسی روشنی کے سہارے مزار اقدس میں داخل ہو جائیں اور روشنی گل کر دیں اس کے باوجود بھی آستانہ میں ساری چیزیں بآسانی نظر آسکتی ہیں واقعی یہ چیز ان کے روشن ضمیری اور ولایت عظیم کی دلیل ہے۔
حضور سید شاہ عظمت اللہؒ کے آستانہ عالیہ کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ کبھی کبھی جمعہ کے دن آستانہ عالیہ پر دودھ کی بارش ہوا کرتی ہے بہت سارے لوگوں کو یہ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اگر کسی کے قسمت میں ہے تو نصیب ہو سکتا ہے وقت قبل طلوع آفتاب۔
غالباً ۱۹۷۳ء کی بات ہے کہ ایک اپاہج ہر سال عرس مبارک میں آیا کرتا تھا بھیک مانگنا اس کے روزمرہ کا معمول تھا۔ چار چکے والی کاٹھ کی گاری میں ایک آدمی کے سہارے آتا اور مانگتا تھا ایک روز کی بات ہے کہ رات تقریباً ۱۱ بجے بھکاری نے حضور شاہ سید عظمت اللہؒ سے فرمایا کہ حضور! اگر میرا بھی ہاتھ پاؤں درست ہوتا اور میں چلنے کے قابل ہوتا تو میں بھی آپ کے درگاہ میں حاضر ہو کر قدم بوسئی کرتا مگر میں مجبور ہوں اس لئے میں محروم ہوں اسی فکر میں بہت دیر ہوگئی اور آنکھیں بند ہوگئیں اسی اثنا میں ایک نورانی شکل کے بزرگ جس کے چہرے پر رعب وجلال طاری تھا ہاتھ میں عصاء مبارک لئے ہوئے نمودار ہوئے اور کرخت لہجے میں بھیکاری سے فرمایا اٹھ جاؤ بھکاری نے جواب دیا کہ حضور میں مجبور ہوں اٹھ نہیں سکتا اپاہج ہوں حضرت نے تین بار فرمایا اٹھ جاؤ نہیں اٹھتے؟ پھر وہ بزرگ اپنے مبارک عصا کو اس کے جسم سے لگایا ہی تھا کہ وہ جسم کا مارا

ہوا انسان فوراً اٹھ کھڑا ہوا اتنے میں آنکھیں کھل گیئں سامنے کوئی نہیں تھا۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور مخدوم شاہ عظمت اللہ ولایت سے کسی مقام پر فائز تھے تبارک تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو بزرگوں سے عقیدت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے فیوض و برکات سے مالا مال کرے آمین۔ یہ بھی حضور شاہ عظمت اللہ کے فیضان، کرم کا ثمرہ ہے کہ سید قیام الدین حسینی عظمتی تبلیغ دین کے لئے پروگرام میں جایا کرتے ہیں آج بھی مریدین کی تعداد بہار و بنگال اتر پردیش و راجستھان اور بنگلہ دیش تک دیکھنے کو نظر آرہی ہے۔

حضور شاہ عظمت اللہؒ کی بارگاہ عالیہ سے مصیبت زدہ کی مصیبت کا فرو ہونا۔ گمزدہ کے غم کا خوشی میں بدلنا، نظر بصیرت کا حاصل ہونا بالکل یہ فیضان حضرت کی بارگاہ سے جاری ہے یہی وجہ ہے کہ دور دراز کے معتقدین آپ کی بارگاہ عالیہ کے گرویدہ ہیں۔ سلسلۂ عالیہ اشرفیہ کے صاحب سجادہ حضرت سید شاہ اظہار اشرف صاحب اشرف الجیلانی جب بازبریا تشریف لائے تو خانوادۂ عظمتیہ کے چند افراد مریدین اور فقیر سید قیام الدین حسینی کے ساتھ ساتھ آستانہ عالیہ عظمتیہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے تو اثنائے راہ میں آپ کی ذات میں جذب و کیفیت طاری تھی۔ چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ روشن چہرے پر جلال نمایاں تھا ایک قدم چلتے اور رکتے پھر ایک مصرع لکھتے حتیٰ کہ آستانہ عالیہ پہنچنے تک یہ منقبت آپ نے مکمل فرمایا جو درج کیا جارہا ہے۔

عظمت اللہ سید ی
نیر برج ولایت

عظمت اللہ سید ی
پرتو نور ہدایت

ہو گئے روشن تمہارے نور سے تاریک دل
پھر مٹادو ساری ظلمت عظمت اللہ سیدی
جنکی چوکھٹ سے درخشاں ہے سخاوت کا چراغ
کس قدر ہے شان عظمت عظمت اللہ سیدی
مظہر ذات شہید کربلا ہے جن کی ذات
مرکز فیضان رفعت عظمت اللہ سیدی
خانہ ویراں میں بے شک آگئی اس کے بہار
جس پہ ہو نظر سیادت عظمت اللہ سیدی
آپ کے فیض و کرم سے مل گئی یہ معرفت
شہِ علاء الحق کی سیرت عظمت اللہ سیدی
کتنے سوکھے دل ہوئے تازہ تمہارے فیض سے
ہے یہ اظہار کرامت عظمت اللہ سیدی

آپ کے عرس کی تاریخ حقیقتاً ۲۷ ذی الحجہ کو ہونی چاہیے اس متبرک دن میں خانقاہ عالیہ حسینیہ غوثیہ سے جلوس نکالی جاتی ہے۔ اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے مگر عرس کی تاریخ ہمارے بزرگوں نے سیلابی علاقہ کی حالت دیکھ کر ۱۱ پھاگن بنگلہ رکھا ہے جو آج تک اسی تاریخ میں عرس منایا جاتا ہے۔

حضور مخدوم خواجہ شاہ عظمت اللہؒ کی اولادوں میں بہت سارے عارف باللہ فنا فی اللہ ہوئے جس سے بے شمار کرامات ظہور میں آئے۔ آپ ہی کی نسب پاک میں سے ایک شخصیت جنکا اسم گرامی حضرت سید شاہ حیدرؒ جنکا آستانہ عالیہ بیلگھچی میں قائم ہے کا عرس مبارک ۱۴ محرم

الکرام کو ہوتا ہے۔ ہمارے بڑے دادا حضرت سید کلیم الدین المعروف شاہ عبادت اللہ بڑے ہی پر تاثیر گزرے ہیں تبلیغ دین میں آپ اکثر بنگال سے کر بنگلہ دیش تک جایا کرتے تھے۔ ان کے مرید سے اس فقیر کی ملاقات ہے۔

ہمارے دادا محترم الحاج سید علیم الدین احمد حسینیؒ کو اپنے ہوش میں میں نے دیکھا۔ واقعی ان کے زبان میں بھی بڑی تاثیر پائی۔ الحمد اللہ زبان سے کچھ کہتے ضرور ہوتا اس چیز کا بھی مشاہدہ کیا کہ ان کے دعاؤں میں بڑی تاثیر پائی۔ اب وہ اشخاص باحیات ہیں جوان کے دعاء سے فیض پائی۔ انسان وفات کر جاتے ہیں مگر ان کی چھائیاں قائم رہتی ہے۔ انہیں سرکار کی اولادوں میں ایک نایاب شخصیت جناب سید معین الدین احمد حسینی گزرے ہیں سیاسی میدان میں رہنے کے باوجود بھی فقیرانہ انداز میں دیکھا گیا حسن واخلاق کے وہ شاہکار تھے۔ آپ کو ہر کوئی عزت کی نگاہوں سے دیکھتا ملنے کا انداز اتنا بلند و بالا تھا کہ اپنے اور غیر میں قطعی امتیاز ہی نہ ہوتا۔ علماء کرام کے تو بڑے ہی قدرداں تھے آپ مزار اقدس میں حاضری کے لئے جاتے ہم نے مشاہدہ کیا گھنٹوں لگ جاتا دعاؤں میں تو وہ انداز تھا کہ آپ بے خود ہو جاتے آپ کے دیئے تعویز میں وہ تاثیر تھی کہ ہم نے کبھی سنا ہی نہیں کہ ماموں نے تعویز دی اور فائدہ نہ کیا ہو آپ کے حسن و کردار میں اہم چیزیں مشہور ہے۔ بچوں کو بہت پیار کرتے تھے۔ علماء کرام کو دل سے عزت کرتے مشائخ کرام کی احترام کرتے اب بھی ہزاروں لوگ موجود ہیں جن کے گلے میں سید صاحب کی عطا کردہ تعویز گلے میں لٹک رہی ہے۔ سید صاحب کی وفات

۸؍رمضان المبارک بروز جمعہ کو ہوئی۔ جنازہ فقیر سید قیا الدین نے پڑھائی ہزاروں لوگ جنازہ میں شامل ہوئے مگر میں نے کثیر تعداد میں جو سید صاحب کے جنازہ میں لوگوں کو دیکھا ویسی بھیڑ آج تک نظر نہیں آئی سید صاحب کے وفات پر اپنے تو اپنے غیر مذہب کے افراد کو بھی روتے بلکتے دیکھا۔ واقعی پیرومرشد کی بات یاد آ گئی فرماتے ہیں۔ میاں قیام الدین مچھلی کے بچہ کو کوئی تیرنا نہیں سکھاتا خود بخود سیکھ لیتا ہے۔ جدامجد کا فیضان سادات کرام کے خانوادہ پر ہے۔ انشا اللہ الرحمٰن تا قیامت رہے گا۔ وما علینا الاالبلاغ

نسب پاک حضور شاہ عظمت اللہ سجادہ نشیں و خانوادۂ عالیہ عظمتیہ

حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء

حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالی عنہ

زوجہ حضرت مولائے کائنات شیر خدا علی المرتضیٰؓ رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت امام عالی مقام حسین شہید کربلا

حضرت امام عالی مقام اسیر کربلا زین العابدینؓ رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت سیدنا امام عالی مقام محمد باقر رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت سیدنا امام عالی مقام محمد جعفر صادقؓ رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت سیدنا امام عالی مقام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت سیدنا امام عالی مقام موسیٰ رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت سیدنا امام نقیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا امام عالی مقام تقیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سیدنا علی ہادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور سید نا جعفرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور سید علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور سید عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید احمد رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید محمود رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید محمد رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید جعفرؒ رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید علی رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید جلال بخاری رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید احمد کبیر رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید عبدالعزیز خودر رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید شادر رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید محمد کمال رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید جمال رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید محمد حسن رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید محمد رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید محمد فرح رحمتہ اللہ علیہ

حضور خواجہ مخدوم سید شاہ عظمت اللہؒ

خلیفہ حضور مخدوم نور قطب عالم پنڈوی رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید شاہ احسن اللہ رحمتہ اللہ علیہ خلف اکبر سجادہ نشیں

حضور سید شاہ مسیح اللہ رحمتہ اللہ علیہ

سجادہ نشیں حضور سید شاہ حمید اللہ رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشیں

حضور سید شاہ شمس الدین عرف غلام رسول

حضور سید شاہ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ

حضور الحاج سید شاہ علیم الدین رحمتہ اللہ علیہ

حضور سید شاہ غیاث الدین حسینی عظمتی

الحاج سید محمد محمود اشرف حسین | سید شاہ محمد ابوالابرار قیام الدین چشتی عظمتی | سید قطب الدین | سید شمس الدین

سجادہ نشین آستانہ و خانقاہ عالیہ عظمتیہ | سید امین قادری المعروف تلوار حسین

(۱) سید عامر جیلانی

(۲) سید شاہ احمد کبیر حسینی چشتی

جانشیں سجادہ نشیں | سید احمد ابرار غوثی حسینی

(۳) سید شہزادہ نور العین | ولی عہد سجادہ نشین

(۴) سید احمد معین

حضرت ابراہیم ادھمؒ

شہنشاہ دین و دنیا۔ سر چشمہ حقیقت و معرفت اور صاحب صدق وصفا تھے۔ پہلے آپ بلخ کے بادشاہ تھے۔ اور بڑی شان وشوکت اور بڑے جاہ

وجلال اور کروفر کے مالک تھے آپؒ کی توجہ کرنے اور تخت وتاج کو ٹھکرا کر فقر ودرویشی کی منزل میں قدم رکھنے کا واقعہ اس طرح ہے۔

شنیدستم کہ ابراہیم ادھم
یک شب تخت دولت خفت خرم
ز سقف خود شنید آواز پائے
ز جا بر جستہ چوں آشفتہ رائے

کہ ایک رات حضرت ابراہیم ادھمؒ اپنے محل میں سونے کے تخت پر سوئے ہوئے تھے کہ اچانک آنکھ کھل گئی اور محل کی چھت پر کسی کے چلنے پھرنے کی آواز سنی۔۔۔ پوچھا۔۔ کون ہے۔؟

جواب آمد کہ اے شاہ جہانگیر
شتر گم کردہ مرد مفلسم پیر

جواب آیا کہ اے تخت وتاج کے مالک اور اے دنیا کے بادشاہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں اور میرا اونٹ گم ہوگیا ہے۔ اپنے اونٹ کو تلاش کر رہا ہوں۔

حضرت ابراہیم ادھم نے کہا۔ تو کتنا بے وقوف ہے کہ اونٹ کو ابراہیم کے شاہی قلعوں میں ڈھونڈتا ہے۔ جواب آیا۔ تو بھی کتنا احمق ہے کہ اپنے خدا کو سونے کے تخت پر تلاش کرتا ہے۔

یہ جواب سن کر آپ اٹھے اور دل میں خوف وہراس کا ایک طوفان برپا ہوگیا رات بڑی بے چینی میں گزاری صبح ہوئی تو دربار لگایا اور حسب معمول سنہری تخت پر بیٹھ گئے۔ اچانک ایک بارعب شخص بڑی شان بے نیازی سے بغیر کسی روک ٹوک کے تخت شاہی کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔

ابراہیم ادھمؒ نے پوچھا کہ یہاں کیوں آئے ہو اور کس کی تلاش ہے؟
آنے والے نے جواب دیا کہ میں ایک مسافر ہوں اور تمہاری اس سرائے میں چند دن ٹھہرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ نے کہا۔ یہ سرائے نہیں ہے یہ تو میرا شاہی محل اور دربار ہے۔

اس آدمی نے کہا۔ اس سے پہلے یہاں کون رہتا تھا؟

فرمایا! میرا باپ

اس نے پھر پوچھا! تمہارے باپ سے پہلے کون تھا؟

فرمایا! میرا دادا

اسی طرح کئی پشتوں تک پہنچ کر اس نے پھر پوچھا ! اس کے بعد یہاں کون رہے گا؟

فرمایا ! میری اولاد !

پھر اس آدمی نے کہا ! ذرا خیال تو کرو کہ جس مقام پر اتنے آدمی آئیں جائیں۔ لیکن کسی کا مستقبل قیام نہ ہو تو پھر وہ مقام سرائے نہیں تو اور کیا ہے۔

اتنا کہ، کر وہ آدمی باہر نکل گیا۔ آپ تنہا اس کے پیچھے دوڑے۔ اور دامن پکڑ کر پوچھا تم کون ہو؟

اس نے جواب دیا میں خضر ہوں۔

یہ سن کر حضرت ابراہیم ادھمؒ کا ورد بڑھ گیا اور عشق الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی! گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف نکل گئے۔ اس وقت آپ نے یہ آواز سنی! کہ اے ابراہیم اس وقت سے پہلے جاگو کہ تمہیں موت کے ذریعے جگایا جائے۔

یہ آواز سن کر آپ کی کیفیت بدل گئی اور غلبہ حال میں بے خود ہو گئے واپس آ کر تاج و تخت کو ٹھوکر ماری اور پھٹا ہوا فقیرانہ لباس پہن کر شہر سے باہر نکل گئے۔

خوف الٰہی میں کانپتے تھے اور اپنے گناہوں پر روتے جاتے تھے جنگلوں بیابانوں اور صحراؤں میں پا پیادہ پھرتے پھرتے نیشا پور کی ایک غار میں جا چھپے اور پھر اسی غار میں نو سال تک ریاضت و عبادت اور مجاہدہ نفس کرتے رہے جب لوگوں کو آپ کی ریاضت و عبادت کا علم ہو گیا تو آپ اس غار سے نکل کر مکہ مکرمہ کی طرف چل دیئے۔

راستہ میں ایک نورانی صورت والے بزرگ نے آپ کو اسم ذات سکھایا۔ اس بزرگ کے جاتے ہی حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے۔ اور فرمایا ! اے ابراہیم جس نے تم کو اسم ذات سکھایا ہے وہ میرے بھائی حضرت الیاس علیہ لسلام تھے۔ اور میں ہی تیرا مرشد ہوں۔ اور میں نے ہی تجھے راہِ طریقت پر چلایا ہے۔

ایک روز کسی بزرگ کے ہمراہ ایک پہاڑ پر تھے۔ دورانِ گفتگو اس بزرگ تے آپ سے سوال کیا کہ مرد کامل کی کیا علامت ہے۔ فرمایا ! اگر پہاڑ کو چلنے کا حکم دے تو وہ فوراً چلنے لگے اتنا فرمایا تھا۔ کہ پہاڑ چلنے لگا۔ فرمایا ! میں نے تجھے تو نہیں کہا تھا وہ پہاڑ ٹھہر گیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیم ادھمؒ کے ہمراہ کشتی میں سوار تھا کہ طوفان آ گیا، چنانچہ غیب سے آواز آئی۔ کشتی والو! غرق ہونے کا فکر نہ کرو۔ کیونکہ ابراہیم تمہارے ساتھ ہے۔ اچانک طوفان کی ایک لہر اٹھی اور کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ لوگ رونے لگے آپ

کے پاس قرآن شریف تھا۔
عرض کی یاالٰہی ! کیا تو اس کشتی کو غرق کر دے گا جس میں تیرا قرآن پاک ہو؟
آواز آئی۔ نہیں۔ ہم ایسا نہیں کریں گے۔
دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھ کر اپنی گدڑی سی رہے تھے کی ایک شخص نے سوال کیا۔ اے ابراہیم بلخ کی بادشاہی چھوڑ کر تم نے کیا حاصل کیا؟
یہ سنتے ہی آپؒ نے اپنی سوئی دریائے دجلہ میں پھینک دی اور فرمایا کہ میری سوئی لاو ! اس حکم پر ہزاروں مچھلیاں اپنے اپنے منہ میں سونے کی سوئیاں لے کر پانی کی سطح پر آگئیں۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ نہیں نہیں س مجھے اپنی سوئی چاہے۔ اتنے میں ایک مچھلی نے وہی سوئی لا کر پیش کر دی۔
آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ بلخ کی بادشاہی چھوڑنے کا صلہ تم نے دیکھ لیا۔ جب میں بلخ کے تخت پر تھا تو صرف انسان ہی میرے مطیع تھے۔ اور اب تخت و تاج کو چھوڑ کر فقر و درویشی کا لباس پہن لیا ہے۔ تو دریاوں کی مچھلیاں بھی میرا حکم مانتی ہیں۔
کسی نے آپؒ سے پوچھا کیا سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو قبول نہیں کرتا؟
فرمایا تم لوگ خدا کو جانتے ہو لیکن اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ رسول ﷺ کو مانتے ہو مگر ان کی پیروی نہیں کرتے۔ قرآن پڑھتے ہو لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ شیطان کو دشمن سمجھتے ہو مگر اس سے دور نہیں بھاگتے

موت کو برحق سمجھتے ہو مگر اس کا سامان نہیں کرتے بھلا جو شخص ایسا ہو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے۔

(مقام ولایت)

حضرت سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ

امام شریعت! پیشوائے معرفت وحقیقت، تاج دین ودیانت! شمع رشد وہدایت! کان حق وصداقت اور صاحب کشف وکرامات تھے۔

حضرت شیخ ابوالفضل بن حسنی ختلیؒ کے حلقہ عقیدت میں داخل ہو کر علوم ظاہری وباطنی سے سرفراز ہوئے مرشد پاک کے فیض وبرکات کے سرچشمہ سے اپنے دل کی کھیتی کو سیراب کرنے اور شیخ کی شمع روحانیت سے اپنے سینے کو منور کرنے کے بعد المخلوق خدا کو سیدھی راہ دکھانے کے لئے اور ضلالت وگمراہی کے اندھیروں میں رشد وہدایت کا چراغ جلانے کے لئے لاہور تشریف لائے۔ شیخ نے حکم فرمایا! سید علیؒ۔ لاہور جا کر خدا کے بندوں کو حق وہدیت کا راستہ بتاؤ۔

عرض کی آقا۔ جو ارشاد ہو! مگر لاہور میں میرے بھائی خواجہ حسن زنجانی جو موجود ہیں۔

فرمایا۔ علیؒ! جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے! چنانچہ مرشد کے حکم سے لاہور وارد ہوئے۔

شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگ ایک جنازہ اٹھائے جا رہے ہیں۔

پوچھا یہ جنازہ کس کا ہے؟
جواب ملا! حسن زنجانی کا۔
آپ سمجھ گئے۔ کہ مرشد کے حکم میں کیا راز تھا!
اسی مقام پر اپنا فقر درویشی کا بوریا بچھا کر بیٹھ گئے جہاں آپ کا مزار پر انوار ہے۔ اور دین حق کی تبلیغ شروع کر دی اور مخلوق خدا کو توحید و رسالت کا درس دینا شروع کر دیا ذکر و فکر کی مجلسیں ہونے لگیں اور اس شمع رشد و ہدایت پر لوگ پروانوں کی طرح انے لگے۔ عقیدتمندوں نے سید علی ہجویری کو گھاس کی ایک جھونپڑی بنا دی تھی جس جھونپڑی پر شہنشاہوں کے محلات قربان حکمرانوں کے تخت تاج صدقے اور فرمانرواوں کی سلطنتیں نثار۔

گھاس کی اس جھونپڑی سے جب اللہ احد کی صدا نکلی تو لاہور کے درو دیوار وجد میں آجاتے بندگان خدا کے دلوں پر رقت طاری ہو جاتی اور ہزاروں انسانوں کے سیاہ دلوں میں نور ایمان چمک اٹھا۔

راجہ راؤ۔ جوان دنوں لاہور کا گورنر تھا۔ کہ جب حضرت علی ہجویریؒ کی ان سرگرمیوں کی اطلاع ملی تو برافروختہ ہو کر غصہ میں بھڑک اٹھا۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ آج رات اس فقیر کی جھونپڑی کو جلا دو اور اس فقیر کو شہر سے نکال دو۔

رات ہوئی تو راجہ راؤ کے سپاہی جلتی ہوئی مشالیں لے کر آ گئے۔ آپ دنیا سے بے خبر تصور یار میں محو تھے۔

سپاہیوں نے گھاس کی جھونپڑی کو آگ لگانے کی بہت کوشش کی مگر نہ لگ سکی۔

وہ آگ لگاتے۔

یہ اللہ اکبر کہتے! آگ بجھ جاتی

فرمایا۔ تم کون ہو

انہوں نے کہا۔ ہم راجہ راؤ کے سپاہی ہیں ساور تیری جھونپڑی کو جلانے آئے ہیں۔

فرمایا۔ فقیر کی اس جھونپڑی کو جہنم کی آگ بھی نہیں جلا سکتی۔

سپاہیوں نے کہا۔۔ تو پھر تو ہی شہر سے نکل جا۔

فرمایا۔ میں جانے کے لئے نہیں آیا میری تو اب قبر بھی لاہور ہی میں بنے گی۔

سپاہیوں نے پھر تیل چھڑک کر آگ لگانی چاہی۔

سید علی۔ جلال میں آگئے۔

فرمایا۔ وہ دیکھو راجہ راؤ کا محل جل رہا ہے۔

سپاہیوں نے دیکھا تو راجہ کے محل میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ وہ جھونپڑی کو چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ راجہ کو سارا ماجرا سنایا اور کہا کہ محل میں آگ لگنے کی وجہ بھی اسی فقیر کی بد دعا ہے۔

راجہ راؤ اسی وقت اٹھا۔ داتا گنج بخشؒ کے قدم پکڑ کر معافی طلب کی اور مسلمان ہو گیا۔

داتا صاحب نے فرمایا۔ جاؤ تمہارے محل کی آگ بھی بجھ گئی ہے۔

آپ کے ولایت و طریقت اور روحانیت و حقیقت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ کہ حقیقت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت شیخ مسعود الدین گنج شکرؒ نے آپ کے مزار پر انوار پر چلہ کشی کر کے فیوض و برکات حاصل کئے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ فیض باطنی حاصل کرنے کے بعد رخصت ہو

ئے تو آپ کے مزار پر یہ شعر لکھ گئے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی جھونپڑی میں بیٹھے تھے کہ ہندوؤں کی با

رات قریب سے گزری۔

جھونپڑی کے قریب آئے تو وہ راستہ بھول گئے۔

انہوں نے دیکھا کہ ایک فقیر بیٹھا ہے وہ ہندو داتا صاحب کے پاس

آئے اور کہا۔اے فقیر! ہم راستہ بھول گئے ہیں ہمیں راستہ بتادے۔

فرمایا۔راستہ بتادوں یا راستہ دکھادوں۔

انہوں نے کہا دکھادے۔

داتا صاحب نے توجہ فرمائی تو ان کو روضہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نظر آگیا۔۔وہ

تمام مسلمان ہو گئے۔

آپ نے ایک مسجد بنوائی اور اس کا رخ ذرا سا مائل بہ سمت جنوب

تھا۔علمائے لاہور نے اس پر اعتراض کیا۔

آپ سن کر خاموش رہے مسجد کی تکمیل کے بعد آپ نے تمام علماء کی

دعوت کی اور خود امام بن کر اسی مسجد میں نماز پڑھائی۔

اس کے بعد تمام حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اس مسجد کے قبلہ رخ پر

اعتراض کرتے ہو اب دیکھو کہ قبلہ کس طرف ہے۔

جب انہوں نے دیکھا تو قبلہ سامنے تھا اور مسجد کا رخ قبلہ بھی سیدھا

تھا۔(سفینۃ الاولیاء، داراشکوہ)

آپ کے مزار پر انوار پر مخلوق خدا کا ہجوم رہتا ہے۔ اور فقیروں، درویشوں! مستوں اور مجذوبوں کا میلا لگا رہتا ہے۔

عقیدت مند لوگ ہر رنگ میں اپنی اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ دور دور سے سالکان راہ حقیقت اور طالبان عشق و مستی آپ کے آستانہ عالیہ سے فیض حاصل کرنے کے لئے سر جھکائے گم سم بیٹھے رہتے ہیں ہر وقت ذکر و فکر اللہ ھو اور قرآن پاک کی تلاوت ہوتی رہتی ہے۔ بے مرادوں کو مراد اور بے اولادوں کو اولاد ملتی ہے۔

بے کسوں کی دستگیری اور مشکل والوں کی مشکل کشائی ہوتی ہے۔ دکھیوں کے دکھ دور ہوتے ہیں اور بے قراروں کو سکون ملتا ہے اور درویش لاہوری علامہ اقبالؒ مرحوم نے حضور داتا گنج بخشؒ میں اپنا نذرانہ عقیدت یوں پیش کیا ہے۔

سید ہجو یر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر احر م
عہد فا روق از جمالش تا زہ شد
حق از حرف او بلند آواز ہ شد
پا سبا ن عزت ام الکتا ب
از نگا ہش خا نہ با طل خرا ب
خاک پنجاب از دم او زند ہ گشت
صبح ما از مہر او تا بند ہ گشت
عا شق وہم قاصد طیا رِ عشق
از جنبش آشکا ر اسرار عشق

میں نے ایک رات ایک ایسے جوان کو دیکھا جو ظاہر میں خوش لباس تھا لیکن باطن میں اس کا دل پھٹا ہوا تھا۔ وہ داتا صاحب کے مزار اقدس کے اردگرد چکر لگا رہا تھا اور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا۔ ؎

کا ہے شوق لے کے تو آیا ہے ان کے رو برو
آنکھوں سے التجا بھی کر دل سے انہیں صدا بھی دے

(مقام ولایت)

خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ظلمت کدہ ہند میں توحید کی شمع روشن کرنے آئے بھارت کے برہمنوں کو حق و اسلام کی راہ دکھانے آئے۔ سومنات کے پجاریوں کو کعبہ کی شان دکھانے آئے پتھروں کی مورتیوں کے آگے سر جکانے والوں کو ایک معبود حقیقی کے آگے جھکانے آئے اور رام رام جپنے والوں کو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بتانے آئے اور اس شان سے آئے کہ نہ کوئی فوج اور نہ کوئی لشکر! نہ کوئی تلوار تھی اور نہ کوئی خنجر اور نہ کوئی قوت اور نہ کوئی طاقت، بس ہاتھ میں تسبیح تھی اور بغل میں قرآن! سر پر کھدر کی ٹوپی اور پاؤں میں شمع توحید کی روشنی اور آنکھوں میں نور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے اس لئے کہ: ؎

نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

حکومت پرتھوی راج کی تھی اور جوگی جے پال۔ پرتھوی راج نے حکو

ت کا رعب دکھایا۔ فقیر مسکرایا کہ

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہِ فقیر!

راجے نے طاقت آزمائی۔ فقیر نے شانِ فقر دکھائی کہ۔

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ

پرتھوی راج نے کہا۔ او فقیر تو یہاں کیوں آیا ہے۔ خواجہ اجمیریؒ نے جواب دیا میں کفرستان ہند میں اسلام کا ڈنکا بجانے آیا ہوں۔ اور بھارت کے اس ظلمت کدہ شرک میں توحید کے چراغ جلانے آیا ہوں۔ اور پتھروں کے آگے جھکنے والوں کو ایک خدا کے آگے جھکانے آیا ہوں۔ اور رام رام جپنے والوں کو کلمہ محمد ﷺ پڑھانے آیا ہوں۔ اور سچ پوچھو تو سومنات کے پجاریوں کو خدا سے ملانے آیا ہوں۔۔۔ اور۔۔۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذان لَااِلٰہَ اِلَّا اللہ

پرتھوی راج نے غصے سے کہا۔ او فقیر یہاں سے نکل جاؤ۔۔۔ فقیر نے جلال میں فرمایا۔۔۔ تم ہی بدل جاؤ۔

پرتھوی راج۔۔ میرے پاس ساز و سامان ہے۔

خواجہؒ۔۔ میرے پاس دولت وایمان ہے۔

پرتھوی راج۔۔ میرے پاس ہاتھیوں کا لشکر ہے۔

خواجہؒ ۔۔ میرے ساتھ اللہ ھو اکبر ہے۔

اور پھر جب پرتھوی راج کی طاقت اس مردِ حق شناس پر غالب نہ

آسکی تو اس وقت کے ہندوستان کے مشہور جادوگر جوگی جے پال کو بلایا گیا۔ تا کہ وہ اپنے جادو کے زور سے اس فقیر پر غالب آجائے۔

آخر ایک کھلے میدان میں مقابلہ ہوا۔ ادھر کفر و باطل تھا، ادھر حق و اسلام تھا۔ ادھر ضلالت و گمراہی تھی۔ ادھر رشد و ہدایت تھی۔ ادھر مادہ پرستی تھی۔ ادھر روحانیت تھی۔ ادھر جادو تھا، ادھر کرامت تھی۔ ادھر جے پال تھا ادھر معین الدین تھے۔ جوگی نے اپنی مٹھی بند کی اور کہا۔ او فقیر! بتا میری مٹھی میں کیا ہے؟ خواجہؒ صاحب نے نگاہ فقر سے دیکھا اور فرمایا کہ تیری مٹھی میں گنگا جمنا کی ریت ہے۔ جوگی نے کہا ٹھیک ہے۔ اور پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے باغ جنت کا ایک پھول اپنی مٹھی میں لے کر فرمایا۔ او جوگی! بتا میری مٹھی میں کیا ہے؟ جوگی جے پال نے اپنے جادو کے زور سے زمین کا کونہ کونہ دیکھا مگر کوئی سمجھ میں نہ آئی۔ پھر وہ جادو کے زور سے ہوا میں اڑ گیا اور ابھی تھوڑا سا ہی اوپر گیا تھا کہ خواجہؒ صاحب نے اپنی لکڑی کی کھڑاؤں کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس جوگی کو نیچے لاؤ بس پھر کیا تھا کھڑاویں ہوا میں اڑ گیئں اور جوگی جے پال کے سر پر پڑنے لگیں۔ وہ تنگ آکر نیچے آگیا اور نیچے آکر خواجہ صاحب کے قدم قدم کر مسلمان ہو گیا اور اس کی قبر بھی خواجہؒ صاحب کے مزار اقدس کے ساتھ ہی ہے۔

پھر آہستہ آہستہ کفرستان ہند میں اسلام کی تبلیغ ہونے لگی اور خواجہ اجمیریؒ کے چشمہ ولایت و روحانیت سے بھارت کی اجڑی ہوئی کھیتیاں حق و صداقت کے آبِ حیات سے سرسبز ہونے لگیں س اور بت خانہ ہند میں آذان کی صدائے حق گونجنے لگی اور سومنات کے پجاریوں کے سیاہ دلوں میں نور ایمان جگمگانے لگا۔ اور مندروں کے آگے سر جھکانے والے

ایک معبود حقیقی کے آگے سربسجود ہونے لگے۔
ایک چھوٹی سی مسجد کی تعمیر شروع کی گئی جو رات کو چراغ جلا کر بنائی جاتی ہے۔ پرتھوی راج کو پتہ چلا تو اس نے حکم دیا کہ کوئی دکاندار اس فقیر کے مریدوں کو تیل نہ دے چنانچہ اگلے دن کسی نے بھی خواجہ اجمیریؒ کے مریدوں کو تیل نہ دیا ۔ درویشوں نے عرض کی آقا پرتھوی راج کے حکم سے دکانداروں نے ہمیں تیل دینا بند کر دیا ہے۔ فرمایا کوئی فکر نہیں رات ہوئی تو خواجہؒ نے فرمایا میرے وضو کے پانی سے چراغ جلا لو۔ چنانچہ۔ وضو کا پانی چراغوں میں ڈال کر دیئے روشن کر دیئے گئے اور جس رات خواجہ اجمیریؒ کے وضو کے پانی سے چراغ جل رہے تھے اس رات پرتھوی راج کے محلوں میں تیل نہیں جلتا تھا۔

ہزار خوف ہو لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغان ہے مرد خلیق

حضرت خواجہؒ خواجگان چشت جناب معین الدین اجمیریؒ جنہوں نے اپنے روحانی کمالات اور فقر و درویشی کے زور۔ ایمان کی قوت اور رشد و ہدایت کی غیر فانی طاقت کے ذریعے اس کفرستان ہند میں اسلام کا ڈنکا بجایا۔ اور اس ظلمت کدہ کفر و شرک میں توحید و ایمان کا نور پھیلایا اور نوے لاکھ کافروں کو مسلمان کیا۔ آپ کا ایک غلام بازار سے سودا خریدنے جا رہا تھا کہ اس وقت کے کافر حکمران رائے پتھورا کی سواری سامنے سے بڑے کروفر سے آ رہی تھی رائے پتھورا کے سپاہیوں نے آواز دی

اے فقیر راستہ صاف کر دے ۔ خواجہؒ کے درویش نے کچھ پرواہ نہ کی جس کی بنا پر پتھورا نے غصے میں آ کر اس درویش کو تکلیف دی ۔ درویش نے آ کر رائے پتھورا کی شکایت کی تو خواجہ اجمیریؒ نے رائے پتھورا کو خط لکھا کہ آئندہ ایسی حرکات سے باز آ و ورنہ ٹھیک نہیں ہو گا رائے پتھورا نے خط پڑھ کر پرواہ نہ کی بلکہ خواجہؒ صاحب کی شان میں گستاخی کی ۔ حضرت خواجہ اجمیرؒ نے جب اس کا یہ متکبرانہ جواب سنا تو اپنی زبان مبارک سے فرمایا۔

ہم نے رائے پتھوار کو زندہ پکڑ کر لشکر اسلام کے حوالے کر دیا۔

خواجہ غریب نوازؒ کی زبان حق ترجمان سے نکلی ہوئی بات پورے ہو کے رہی کہ سلطان شہاب الدین غوری نے لشکر اسلام سے چڑھا کر دی۔ لشکر کفار کو شکست ہوئی اور رائے پتھوار زندہ پکڑا گیا اور قتل کیا گیا۔

(مقام ولایت)

طریقت کے پیشوا پیر سید مہر علی شاہؒ

قطب جہاں، غوث زماں، دستگیر بے کساں، رہبر کاملاں، فیض مستطاب، عالی جناب پیر سید مہر علی شاہؒ شہنشاہ گولڑہ شریف۔

ایسے ولی کامل تھے کہ جن کی نگاہ فیض و کرم نے ہزاروں انسانوں کی تقدیر بدل دی جن کی روحانی توجہ لاکھوں بندگان خدا کے سوئے ہوئے مقدر جگا دیئے جن کی دست دعا نے بیماروں کو شفا بخشی اور دکھیوں کو سکھ عطا کیا۔ بے اولادوں کو اولاد اور بے مرادوں کا دامن گو ہر مراد سے بھر دیا۔ ایسے غوث زماں تھے کہ جن کے دریائے ولایت سے تشنگان

حقیقت و معرفت اپنی اپنی پیاس بجھا کر جاتے اور جن کے چشمہ رشد و ہدا
یت سے نسل انسانی کے دلوں کی اجڑی ہوئی کھیتیاں سرسبز ہوئیں
اور جو کبھی جذب و مستی میں اللہ ہو کا نعرہ لگاتے تو گولڑہ کی پہاڑیوں سے
بھی اللہ ہو کی آواز آتی ایسے قطب جہاں تھے کہ جن کے آستانہ فیوضات
سے گدایان کوچہ طریقت اپنے اپنے کاسۂ گدائی بھر کر جاتے اور جن کی
چوکھٹ پر سر نیاز جھکانے والے عارف و سالک بن کر نکلتے اور جن کی
مجلس پاک میں بیٹھنے والے نظام الدین اولیاء اور معین الدین چشتیؒ کی
نورانی مجلس کا سرور پا کر اپنے گلوں میں فقر و درویشی کے موتیوں کے ہار
پہن کر اٹھتے ، ایسے مرد درویش کہ جنہوں نے گولڑہ شریف کی پہاڑیوں
پر رشد و ہدایت کی ایک ایک شمع جلائی کہ جس کی روشنی سے ہزاروں
انسانوں کو کھوئی ہوئی راہ مل گئی اور لاکھوں بندگان خدا کے تاریک دلوں
میں نور عرفان پیدا ہوا اور جس کی ضیا سے دور دور تک کے ضلالت و گمرا
ہی کے اندھیرے چھٹ گئے اور جس کی لو سے سرزمین پاک و ہند میں
حقیقت و معرفت کی روشنی پھیل گئی۔

ایسے قطب جہاں کی جن کی نگاہوں میں جذب و مستی رقص کرتی رہتی
تھی۔ اور جن کی آنکھوں میں گنبد خضریٰ کے حسین نظارے مچلتے رہتے
تھے اور جن کا دل محبت الہیٰ سے لبریز اور سینہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرپور
تھا۔ اور جن کے عارفانہ کلام میں محبوب حقیقی کے پیار کا دریا موجزن
ہے۔ اور جن کے ہر شعر میں حقیقت و معرفت اور کیف و مستی کا ایک چشمہ
پھوٹتا ہے۔

آپ ایک دفعہ حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے دیار

حبیب کی پر کیف وادیاں تھیں اور خاک بطحا کے پر نور ذرے، مدینہ منورہ کی مقدس گلیاں تھیں اور گنبد خضریٰ کے حسین نظارے ایک رات اس عاشق رسول ﷺ کی عشا کی سنتیں قضا ہو گیں ۔ رات کو امام الانبیا ﷺ خواب میں ملے اور فرمایا مہر علی میرے مدینے پاک میں آکر میری سنتیں قضا کر دیں عرض کی آقا یہ تو سنتیں قضا ہوئی ہیں اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ خدا کے فرض قضا کرنے سے جلوہ حسن دکھاتے ہیں تو خدا کی قسم میں خدا کے فرض بھی قضا کر دیتا۔

ایک دن عصر کی نماز کے بعد آپ بستی سے باہر نکلے دیکھا کہ دو آدمی جارہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہاں جارہے ہو۔؟ انہوں نے عرض کی ہم مدینے جارہے ہیں آپ نے فرمایا مدینہ ادھر تو نہیں۔ انہوں نے کہا ہم نے اس مدینے جانا ہے جو گجرات کے قریب ہے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ اس مدینے کیوں نہیں جاتے جو جنت سے بھی افضل ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ آقا ہم غریب ہیں وہاں کیسے جائیں۔

آپ کے چہرے اقدس پر جلال فقرہ رقص کرنے لگا اور فرمایا۔ وہ دیکھو سامنے کیا ہے؟ انہوں نے نگاہ اٹھائی تو روضہ مصطفےٰ ﷺ سامنے تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی انگریزی بناسپتی اور جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچا کر لوگوں کو گمراہ و بے دین کرنا شروع کر دیا ۔ اس مرد درویش قادیانی نے مرزا قادیانی کی جھوٹی نبوت کو للکارا۔ لاہور میں ایک تحریری مناظرہ کا انتظام کیا گیا۔ مناظرہ شروع ہونے سے پہلے اس ولی کامل نے فرمایا۔ مرزا صاحب آپ اپنے آپ کو نبی کہتے ہیں اور میں نبی کا ایک ادنیٰ سا غلام ہوں۔ میز پر قلم دوات اور کاغذ رکھ دیتے ہیں پھر جس کا قلم کا

قلم پر خود بخود لکھتے وہ سچا ہے۔ مرزا صاحب یہ سن کر میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور بھاگتے بھی کیوں نہ جب کہ ایک طرف جھوٹا نبی تھا اور دوسری طرف سچے نبی کا سچا غلام تھا۔ ادھر مغل تھا اور ادھر سید تھا۔ ادھر گھسیٹی کا پتر تھا اور ادھر فاطمہؓ کا لخت جگر تھا۔ اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ اس مرد درویش کا قلم کاغذ پر خود بخود لکھ رہا ہے۔

(مقام ولایت)

پیغام حق

حضرت بشر حافیؒ اپنی پہلی زندگی میں ایک بہت بڑے شرابی تھے۔ آپ ایک مرتبہ شراب کے نشہ اور مستی کے عالم میں کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں آپ نے ایک کاغذ کا ٹکڑا دیکھا جس پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا تھا حضرت بشر نے اس کاغذ پر اللہ کا نام لکھا دیکھ کر تعظیماً اسے اٹھالیا۔ اور عطر خرید کر معطر کیا اور پھر اسے ایک بلند جگہ پر رکھ دیا اسی رات ایک بزرگ نے خواب میں سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ جاؤ بشر حافی سے کہہ دو کہ تم نے میرے نام کو معطر کیا۔ اس کی تعظیم اور اسے بلند مقام پر رکھا ہم بھی تجھ کو پاک کریں گے اور دنیا و آخرت میں تمہیں بزرگی عطا فرمائیں گے اور بلند مقام عطا فرمائیں گے ان بزرگ نے دل میں سوچا کہ بشر تو ایک شرابی اور فاسق شخص ہے۔ شاید میں نے یہ خواب غلط دیکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے وضو کیا اور نفل پڑھے اور پھر سو رہے۔ دوسری بار انہوں نے پھر وہی خواب دیکھا کہ اسی طرح تین مرتبہ یہی نظر آیا اور یہ آواز سنی کہ یہ ہمارا پیغام کی بشر ہی طرف ہے۔ جاؤ اسے یہ ہمارا پیغام پہنچا دو چنا

نچہس صبح ہوئی تو وہ بزرگ حضرت بشر کی تلاش میں نکلے ان کو پتہ چلا کہ وہ شراب کی مجلس میں بیٹھے ہیں۔تو وہ وہیں پہنچے اور بشر کو آواز دی۔لوگوں نے بتایا کہ وہ شراب کے نشے میں بے ہوش پڑے ہیں انہوں نے کہا کہ تم لوگ اسے کسی طرح یہ بات سنا دو کہ تمہارے نام ایک ضروری پیغام لا نے والا باہر کھڑا ہے۔چنانچہ وہ لوگ گئے اور حضرت بشر سے جا کر، کہ دیا کہ اٹھو باہر تمہارے نام کوئی پیغام آیا ہے۔حضرت بشر نے فرمایا ان سے جا کر پوچھو کہ وہ کس کا پیغام لائے ہیں۔وہ بزرگ فرمانے لگے کہ میں نے خدا تعالیٰ کا پیغام لایا ہوں کیا خبر کہ پیغام عتاب آمیز ہے۔یا عقاب آلودہ پھر باہر آیا اور پیغام حق سن کر سچے دل سے توبہ کی اور اس بلند مقام پر جا پہنچے کہ مشاہدہ حق کے غلبہ کی شدت سے برہنہ رہنے لگے اور کبھی جوتا پاؤں میں نہ پہنا اور اسی لئے آپ حافی کے نام سے مشہور ہو گئے کہ حافی ننگے پاؤں والے کو کہتے ہیں لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ جوتی کیوں نہیں پہنتے۔تو فرمایا حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے زمین کو تمہارا بچھونا بنایا ہے ۔پس بادشاہ کے بچھائے ہونے پر جوتی پہنے جانا اس بے ادبی ہے۔

(تذکرۃ الاولیاء ۱۲۹)

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ

حضور غوث اعظمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن قبل از ظہر جاگتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔بیٹا! تم وعظ کیوں نہیں کہتے؟ میں نے عرض کیا حضور! میں بغداد کے بڑے بڑے فصحا کے سامنے بول نہیں سکتا۔حضور نے فرمایا۔چھا اپنا منہ کھولو۔چنانچہ

میں نے اپنا منہ کھول دیا۔ حضور نے میرے منہ میں سات مرتبہ اپنا تھوک مبارک تھوکا۔ اور فرمایا۔ لواب مجمع میں بلا خوف وعظ کہنا شروع کر دو، چنانچہ میں نماز ظہر کے بعد وعظ کے لئے بیٹھ گیا۔ تو لوگ خود بخود ہی میرا وعظ سننے کے لئے جمع ہونے شروع ہو گئے حتی کہ ایک ازدحام کثیر ہو گیا۔ اس مجمع میں حضرت مولانا علیؓ بھی میرے سامنے تشریف فرما نظر آئے۔ اور مجھ سے فرمانے لگے۔ بیٹا! اب وعظ کیوں نہیں کہتے میں نے عرض کیا حضور! اتنے بڑے مجمع میں بولنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ حضرت علی نے فرمایا۔ اچھا اپنا منہ کھولو۔ چنانچہ میں نے اپنا منہ کھولا۔ تو حضرت علی نے میرے منہ میں چھ مرتبہ تھوکا میں نے پوچھا کہ آپ نے کیوں تھوکا؟ تو حضرت علی نے فرمایا ادباً مع رسول اللہ ﷺ یعنی حضور ﷺ کے ادب کے لئے اس لئے کہ حضور نے سات مرتبہ تھوکا تھا۔ تو میں بھی اگر سات ہی مرتبہ تھوکتا۔ تو یہ حضور سے برابر ہو جاتی۔ جو بے ادبی ہے۔ اس لئے میں نے ایک مرتبہ کم تھوکا ہے۔

حضور غوث اعظم فرماتے ہیں پھر میرے سارے حجاب اٹھ گئے اور میں نے خوب وعظ کہنے لگا۔

(بہجتہ الاسرار، ص ۲۵، نیز فتاویٰ حدیثیہ امام ابن حجر مکیؒ، ص ۲۱۳)

ڈاکوؤں کا سردار

حضرت غوث اعظمؓ ابھی بچے ہی تھے کہ آپکو علم کا اور مقبولان حق کی صحبت کا شوق پیدا ہوا۔ آپ نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ امی جان! مجھے اجازت دیجئے تا کہ میں بغداد جا کر دین حاصل کروں۔ والدہ نے فرما

یا بیٹا! جاؤ اجازت ہے۔ اور پھر چالیس دینار لا کر حضور غوث اعظم کو دئے کہ لو یہ اپنے خرچ کے لئے ساتھ لیتے جاؤ۔ حضور غوث اعظم نے وہ دینار لے لئے اور ایک بٹوئیمیں سی کر کمر کے ساتھ باندھ لئے اور بغداد جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ والدہ نے رخصت کرتے وقت ارشاد فرمایا کہ بیٹا! ہمیشہ سچ بولنا۔ اور جھوٹ سے ہمیشہ کنارہ کش رہنا۔

حضور غوث اعظم والدہ سے رخصت پا کر ایک قافلہ کے ہمراہ بغداد کو چل دئے یہ قافلہ ایک جنگل میں پہنچا تو ساٹھ گھوڑے سوار ڈاکوؤں نے اس قافلہ پر حملہ کر دیا۔ اور قافلہ کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ایک ڈاکو حضور غوث اعظم کے پاس بھی آیا اور کہا او فقیر لڑکے اب بتا تیرے پاس بھی کچھ ہے؟ غوث اعظم نے فرمایا میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ڈاکو نے پوچھا کہاں ہیں؟ فرمایا یہ کمر میں بندھے ہیں: ڈاکو نے اس بات کا مذاق سمجھا اور چلا گیا پھر دوسرا ڈاکو آیا اور اس نے بھی آپ سے یہی سوال کیا اور آپ نے اسے بھی یہی جواب دیا اور وہ بھی مذاق سمجھ کر چلا گیا۔ پھر تیسرا ڈاکو آیا۔ اور اس سے بھی یہی سوال جواب ہوا۔ اسی طرح متعدد ڈاکوؤں نے آپ سے یہی سوال کیا۔ تو آپ نے سبھی سے فرمایا کہ ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ڈاکوؤں کو کچھ شک گزرا تو وہ آپ کو پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے آئے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے بھی سوال کیا کہ کیوں اے فقیر لڑکے تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہے! سردار نے پوچھا کیا ہے، فرمایا، چالیس دینار، سردار نے پوچھا کہاں ہیں؟ فرمایا کمر کے ساتھ بندھے ہیں سردار نے آگے بڑھ کر تلاشی لی

تو واقعی چالیس دینار نکل آئے۔ ڈاکوؤں کا سردار بڑا حیران ہوا۔ کہ اس لڑکے نے اپنا مال بتایا کیوں؟ جب کہ ڈاکوں سے مال چھپایا جاتا ہے چنانچہ ڈاکوؤں کے سردار نے بڑے تعجب کے ساتھ حضور غوث اعظم سے پوچھا کہ لڑکے تم نے یہ مال ہم سے چھپایا کیوں نہیں۔ اور صاف صاف بتا کیوں دیا؟ آپ نے فرمایا کہ میری والدہ نے مجھ سے سچ بولنے کا وعدہ لیا تھا۔ اسی لئے میں نے سچ ہی بولا اور سچ ہی بولتا رہوں گا۔ تاکہ والدہ کے ساتھ وعدہ شکنی نہ ہو جائے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے یہ بات سنی تو چیخ مار کر رونے لگا۔ اور کہا کہ افسوس! یہ لڑکا تو اپنی والدہ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی اتنی پاسداری کرے اور میں جو اپنے رب سے وعدہ کر کے آیا ہوں۔ آج تک اسے نبھا نہ سکا۔ اے لڑکے! ادھر لا ہاتھ! میں تیرے ہاتھ پر آئندہ کے لئے توبہ کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے سچے دل سے توبہ کی اور پھر اپنے ماتحت ڈاکوؤں سے کہا کہ جاؤ بھئی! میرے ساتھ اب تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔ ان ڈاکوؤں نے جواب دیا کہ آپ ہمارے سردار ہیں ہمارے سردار ہی رہیں گے اور وہ اس طرح کہ ہم بھی سب اس برے کام سے توبہ کرتے ہیں اور اب ہم توبہ کرنے والوں میں بھی آپ ہی ہمارے سردار ہیں۔ چنانچہ ان سب نے بھی سچے دل سے توبہ کی۔ اور لوٹا ہوا مال واپس کر کے آئندہ اچھی اور شرعی زندگی گزارنے لگے۔

(بہجۃ الاسرار، ص ۵۷)

قُم بِاِذنِ اللہِ

ایک عورت اپنے بچہ کو لے کر حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس حاضر ہوئی۔ اور کہنے لگی، اس میرے بچے کو حضور سے بڑی صحبت ہے۔ میں اس کو آپ کے پاس چھوڑتی ہوں اس کی تربیت فرمائیے اور اپنے فیوض و برکات سے اسے مالا مال کیجیئے۔ چنانچہ وہ عورت اپنے بچے کو حضرت غوث کی خدمت میں چھوڑ گئی۔ کچھ دنوں کے بعد اپنے بچے کو دیکھنے کے لئے آتی تو دیکھا کہ اس کا بچہ کمزور و ناتواں ہو گیا ہے۔ اور جو کی خشک روٹی کھا رہا ہے۔ پھر حضور غوث اعظم کی خدمت میں گئی تو دیکھا کہ آپ کے آگے پکی مرغی رکھی ہے۔ جسے آپ تناول فرما رہے ہیں۔ اس عورت نے عرض کیا! حضور آپ خود تو مرغی کھا رہے ہیں۔ اور میرا بیٹا جو کی خشک روٹی کھا رہا ہے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کھائی ہوئی مرگی کی ہڈیوں پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ قُم بِاِذنِ اللہِ اتنا فرمانا ہی تھا کہ وہ مرغی زندہ ہو کر بولنے لگی حضور غوث اعظم نے فرمایا دیکھ جب تمہارا بیٹا بھی اس درجہ تک پہنچ جائے گا تو جو چاہے گا کھایا کرے گا۔ (بہجۃ الاسرار ص ۲۵)

اللہ تعالیٰ سے سننے والے بزرگ

حضرت خضر علیہ السلام سب اولیاء سے واقف نہیں

شیخ ابو العباس حضرت خضر علیہ السلام فرماتے ہیں میں نے ایک ابدال سے پوچھا آپ نے کسی ولی اللہ کو دیکھا ہے۔ جو آپ سے درجہ میں بڑا ہو کہا ہاں۔ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں گیا۔ وہاں شیخ عبدالرزاق کو دیکھا ان کے گرد ایک گروہ بیٹھا حدیث سن رہا تھا۔ اور مسجد شریف کے ایک کونے میں ایک جوان زانون میں سر جھکا کر بیٹھا تھا۔ میں نے اس سے کہا:

اے نوجوان کیا تم نہیں جانتے کہ شیخ عبدالرزاق سے لوگ حدیث سن رہے ہیں تم ان کے ساتھ کیوں نہیں سنتے ؟ اس جوان نے میرے کہنے کی کچھ پروانہ کی اور نہ سر اٹھایا اور کہا وہاں وہ لوگ ہیں جو عبدالرزاق سے حدیث سنتے ہیں۔ اور یہاں وہ ہیں جو رزاق سے سنتے ہیں نہ کہ اس کے بندے سے میں نے کہا اگر تمہارا کہنا سچ ہے تو بتاؤ میں کون ہوں؟ اس جوان نے سر اٹھا کر کہا اگر فراست مومن سچ ہے تو آپ خضر ہیں۔ میں نے جانا کہ اللہ کے ایسے دوست ایسے بھی ہیں جن کو ان کے عالی مرتبہ ہونے کی وجہ سے میں نہیں پہچانتا۔

ولی کا انتقام

ایک بزرگ فرماتے ہیں ہم مدینہ منورہ میں تھے کبھی کبھی ان آیات و علامات خداوندی کا جو خدا نے اپنے خاص بندوں اور اپنے دوستوں کو عطا فرمائی ہیں ذکر کرتے تھے ایک نابینا شخص ہمارے قریب رہتا تھا جو کچھ ہم کہتے تھے وہ سنتا تھا ایک مرتبہ وہ ہمارے پاس آیا اور کہا:

مجھے تمہاری باتوں سے انس پیدا ہوا ہے صاحبو! میرے بال بچے تھے میں بقیع جانب لکڑی لینے گیا وہاں ایک جوان ملا جو کتان کا کرتا پہنے ہوئے ہاتھ میں موتی لئے ہوئے تھا۔ میں نے دل میں کما یہ مال مفت ہاتھ سے نہ جانا چاہئے میں نے اس کے کپڑے اتار لینے کا ارادہ کیا۔ اور اس سے کہا اپنے کپڑے اتار دے۔ اس نے کہا خدا کی حفاظت میں چلا جا، میں نے اس سے دو مرتبہ بلکہ تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ اس نے کہا کیا میرے کپڑے ضرور لے گا؟ میں نے کہا ہاں ضرور لوں گا پھر اس جوان نے اپنی دو انگلیوں سے میری آنکھوں کی طرف اشارہ کیا تو دونوں آنکھیں نکل کر گر پڑیں۔ میں نے کہا خدا کی قسم تم کون ہو؟ کہا میں ابراہیم خواص ہوں۔

فائدہ (میں کہتا ہوں) حضرت ابراہیم خواص نے چور کو اندھا ہونے کی بددعا دی اور حضرت ابراہیم بن ادہم نے اپنے مارنے والے کے حق میں جنت کی دعا کی، وجہ اس کی یہ ہے کہ شیخ ابراہیم خواص نے دیکھا کہ چور بغیر اندھا ہوئے توبہ نہ کرے گا۔ اس لئے دنیا کا عذاب اس کے حق

میں مناسب سمجھا۔ اور شیخ ابراہیم بن ادہم کو اس کو مارنے والے کو ایذا دینے میں اس کا توبہ کرنا معلوم نہ ہوا۔ لہذا براہ کرم و جوانمردی اس کے حق میں نیک دعا فرمائی۔

ان کی دعا کی برکت سے اس شخص کو برکت و خیر حاصل ہوئی اور توبہ استغفار عذر کرتا ہوا ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابراہیم بن ادہم نے فرمایا وہ سر جو محتاج عذر خواہی کا تھا میں بلخ میں چھوڑ آیا یعنی تکبر ریاست اور غرور شرافت کا میرے دماغ میں اس وقت تھا جبکہ میدان تکبر و خود بینی میں جب جاہ و زینت دنیا کے گھوڑے پر سوار ہو کر سلطنت بلخ میں دوڑتا پھرتا تھا، اور اب میرے سر سے یہ سب نکل گیا اور بعوض تکبر و خود پسندی کے ذلت و عاجزی و تواضع لے لی اور احمقوں کی خلعت جو غرور کے سوت سے بن گئی تھی میں نے اتار ڈالی۔ کمینوں کا زیور جو نحوست و حیرانی و شادمانی کے تانبے سے بنایا گیا ہے۔ اتار پھینکا اور بعوض اس کے مجھ کو وہ خلعت عطا ہوا ہے۔ جس میں شرافت ابدی ہے۔ اور اہل تحقیق اور صاحبان خضوع کے زہد و پرہیز کے سوت سے جو توفیق کے نلکے پر کتا ہے۔ بنایا گیا ہے۔ مجھ کو وہ زیور مرحمت ہوئے۔ جس کو اولیاء اللہ پہنتے ہیں اور وہ سر زیور معرفت کے جواہر ادب کے یاقوتوں اور نیک عادات اہل طریق سے مرصع ہے۔ اور مجھے شراب محبت مشاہدہ جمال دوست کے فرش پر بیٹھا کر پلائی گئی ہے۔ اور اب مجھ کو بادشاہ حقیقی کا قرب حاصل ہو گیا۔ اس لئے مجھے ایک ادنیٰ خادم کی خطاء سے جو میرے لشکر کا سپاہی ہو کیا پرواہ ہے۔ اور جبکہ لیلیٰ اپنے مجنوں کی جانب متوجہ ہو کر اس کے حال زار پر متوجہ ہو اور اپنے دوست کو بلند جگہ عنایت

کرے۔ اور اپنے فہمتی جمال کی خوبی مشاہدے میں مشغول رکھے تو اس وقت اگر کوئی کتا لیلیٰ کے قبیلہ کا بھونکے یا حملہ کرے مجنوں کو کیا غم ہے۔ یہ اشعار حسب حال ہیں۔

اگر مجنوں کو لیلیٰ گھر بلائے
بلطف و مہر پاس اپنے بٹھائے
جمال بے بہا کا ہو نظارہ
غم ہجراں کرے دل سے کنارہ
تو کچھ کھٹکا نہیں مجنوں کو اس سے
سگ لیلیٰ اگر سو بار بھونکے

پیاسی ہرنی کے لئے پانی کنارہ تک آگیا

ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ میں نے جنگل میں ایک فقیر کو دیکھا کہ اس نے ڈول کنویں میں لٹکایا اور رسی ٹوٹ گئی۔ ڈول گر پڑا مدت تک کنویں پر ٹھہرا رہا۔ اور کہا تیری عزت کی قسم اپنا ڈول لئے نہ ٹلوں گا۔ یا مجھ کو یہاں سے چلے جانے کا حکم ہو۔

راوی کا بیان ہے میں نے دیکھا کہ ایک پیاسی ہرنی کنویں پر آئی اور کنویں میں جھانکی تو پانی ابلا اور کنویں کے اوپر تک آ گیا اور ڈول بھی پانی کے ساتھ کنویں کے منہ پر آ گیا۔ فقیر نے ڈول لے لیا اور رو کر کہا خدایا تیرے نزدیک میری قدر اس ہرنی کے برابر بھی نہیں! ہاتف نے آواز دی۔ اے مسکین تو کنویں پر رسی ڈول لے کر آیا اور ہرنی تمام اسباب چھوڑ

کر ہم پر بھروسا کر کے آئی ۔ بعض کہتے ہیں فقیر نے بوجہ بے تکلفی کے اپنے مولیٰ کے ساتھ قسم کھائی تھی کہ بغیر ڈول لئے نہ جاؤں گا خدا نے اس کی برکت سے پیاسی ہرنی کو پلایا اور اس کی قسم بھی پوری کر دی اور ہرنی کا آنا اور پانی کا اس کے واسطے بڑھنا اس میں اولیاء اللہ کے واسطے تہذیب اخلاق ہے۔ تمام اسباب ترک کر کے مسبب کی طرف رجوع کر نے کی تعلیم ہے۔

بڑے بڑے بزرگوں سے حبشی غلام بازی لے گیا

حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں میں مکہ مکرمہ میں تھا لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوئے اور بارش بند ہوئے عرصہ گزر گیا لوگ مسجد حرام میں دعائے استقاء کے لئے جمع ہوئے کوئی چھوٹا بڑا باقی نہ رہا سب آگئے ۔ میں بھی باب نبی شبہ کے متصل لوگوں میں شامل تھا۔ ناگہاں یک حبشی غلام آیا اس کے بدن پر دو ٹکڑے گھٹیا کپڑے کے تھے ۔ ایک کا تہبند باندھے دوسرا کاندھے پر ڈالے ہوئے تھا۔ میرے سامنے ایک خفیہ جگہ میں آکر بیٹھ گیا اور یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا گناہوں کی کثرت اور بداعمالی کی اشاعت سے لوگوں کے چہرے پرانے ہو گئے صورتیں بدل گئیں اور تو نے باران رحمت کو ہم سے روک دیا تا کہ مخلوق کو اس سے ادب وتنبیہ ہوں ۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اے حلیم عذاب میں تاخیر کرنے والے ، اے رحیم میں جس کے بندے اس سے بجز نیکی وخوبی کے اور کچھ نہیں جانتے اپنے بندوں کو اس وقت پانی دے ۔ بار بار یہی دعا مانگتا رہا یہاں تک

کہ آسمان پر بادل آیا اور ہر طرف سے بارش ہوگئی۔ وہ جوان اپنی جگہ بیٹھا دعا مانگتا رہا اور میں رو رہا تھا۔ جب وہ اٹھا میں اس کے پیچھے ہوا یہاں تک میں نے اس کا مکان پہچان لیا۔ پھر میں شیخ فضیل بن عیاضؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے کہا کیا وجہ ہے۔ میں تم کو غمناک پاتا ہوں؟ میں نے کہا غیر شخص نے ہم سے سبقت کی اور وہی حاکم دیوالیہ ہوگیا کہا کیا بات ہے میں نے تمام قصہ بیان کیا۔ شیخ نے چیخ ماری اور خاموش رہے اور کہا تو ہلاک ہو۔ اے ابن مبارک! مجھ کو اس جوان کے پاس لے چل۔ میں نے کہا اب وقت تنگ ہو گیا۔ میں اس کے حالات دریافت کروں گا۔ جب صبح ہوئی میں نے نماز ادا کی اور اس جوان کے گھر گیا، دروازے پر ایک بزرگ بوڑھا فرش پر بیٹھا نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر پہچان گیا اور مرحبا اے ابو عبدالرحمٰن آپ کی کیا حاجت ہے۔ میں نے کہا مجھے حبشی غلام چاہے۔ کہاں ہاں میرے پاس چند غلام ہیں ان میں جس کو چاہو پسند کرلو اور آواز دی اے غلام۔ ایک غلام مضبوط قوی نکلا۔ کہا یہ نیک انجام تمہارے واسطے پسند کرتا ہوں۔ میں نے کہا اس کی مجھے ضرورت نہیں۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے کئی غلام آئے آخر میں وہی غلام جو میرا مطلوب تھا اس کو بلایا۔ جب میں نے اس کو دیکھا میری آنکھیں روشن ہوگئیں پھر کہا کیا وہ یہی غلام ہے میں نے کہا ہاں۔ کہا میں اس کو نہیں بیچ سکتا۔ میں نے کہا کیوں۔ کہا اس کے رہنے سے اس گھر میں برکت ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ اس کی ذات سے میرا کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کھاتا کہاں سے ہے؟ کہا کمائی کرتا ہے۔ رسی

بنتا ہے۔نصف دانگ کم و بیش روز پیدا کرتا ہے ۔اور یہی اس کی روزی ہے۔اگر اس کو اسی دن بیچ ڈالا تو کھایا ورنہ اس دن بھوکا رہتا ہے۔اور میرے غلام کہتے ہیں کہ یہ رات بھر نہیں سوتا اور نہ کسی سے ملتا ہے۔لو اس نے اپنے نفس پر اس کام کا اہتمام کیا ہے۔اور میں اس کو دل سے چاہتا ہوں میں نے کہا کیا میں سفیان ثوری اور فضیل بن عیاض کے پاس بغیر اپنی حاجت پوری کیے واپس جاؤں؟ کہا تمہارا آنا مجھ پر بار ہے جس قیمت پر چاہو لے لو۔ میں نے وہ غلام خرید لیا۔اور اس کو فضیل کے گھر کی طرف لے چلا۔ کچھ دور چلا ہوں گا کہ اس غلام نے مجھ سے کہا اے میرے مولیٰ میں نے کہا لبیک، کہا میرے جواب میں لبیک نہ کہو غلام پر حق ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے پکارنے پر لبیک کہے۔ میں نے کہا تمہیں کیا کام ہے اے میرے دوست؟ کہا میں ضعیف بدن ہوں خدمت کرنے کی طاقت نہیں اور تم کو میرے سوا دوسرے میں گنجائش تھی اور میرے سابقہ مالک نے مجھ سے قوی اور توانا غلام آپ کو دکھائے۔ میں نے کہا خدا مجھے تم سے خدمت لیتے نہ دیکھے میں تو تمہارے واسطے مکان خریدوں گا اور تمہارا نکاح کروں گا اور بذات خود تمہاری خدمت کروں گا۔ وہ غلام یہ سن کر بہت رویا۔ میں نے کہا کیوں روتے ہو؟ کہا تم نے میری خواہش کی اور خرید لیا تم نے ضرور میرے تعلقات خداوند تعالیٰ سے دیکھے ہیں ورنہ ان غلاموں میں سے مجھے کیوں پسند کرتے؟ میں نے کہا مجھے ان امور کی حاجت نہیں۔ پھر غلام نے کہا خدا کے لئے میں چاہتا ہوں کہ مجھے میرے حال سے جو کچھ تم نے دیکھا ہے۔خبر دو۔ میں

نے کہا تمہاری دعا قبول ہوتے دیکھی تھی اس لئے تمہیں پسند کرتا ہوں۔ پھر اس نے کہا اگر خدا نے چاہا تو تم بھی نیک مرد ہو گے۔ خدا وند تعالیٰ کی ایک ایسی پسندیدہ مخلوق ہے ان کے حال پر اپنے بندوں میں سے اسی کو اطلاع دیتا ہے۔ جس کو خدا دوست رکھتا ہے۔ اور ان کا حال انہیں لوگوں پر ظاہر کرتا ہے جو اس کے پسندیدہ بندے ہیں۔ پھر مجھ سے کہا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تم کچھ دیر ٹھہر جاؤ میں نے رات کی نماز میں سے کچھ رکعتیں پڑھنی ہیں۔ میں نے کہا فضیل کا مکان یہاں سے بہت قریب ہے وہاں پڑھ لینا۔ کہا نہیں۔ مجھے اسی جگہ پڑھ لینا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ خدا کے کام میں دیر کرنا اچھا نہیں ہے۔ پھر ایک مسجد میں داخل ہوا اور نماز شروع کر دی۔ جس قدر پڑھنی تھی پڑھ کر فارغ ہوا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا اے ابو عبدالرحمان تمہاری کوئی ضرورت ہے میں نے کہا یہ کیوں پوچھتے ہو۔ کہا میں جاننا چاہتا ہوں، میں نے کہا کہاں جاؤ کہا ملک آخرت کو میں نے کہا ایسا نہ کرو مجھ کو اپنے سے خوش ہونے دو۔ غلام نے کہا جب تک میرا خداوند تعالیٰ کا معاملہ مخفی تھا۔ یہ زندگی خوش تھی۔ اب تم کو خبر ہوئی اور تمہارے سوا اور بھی مطلع ہوں گے اب مجھ کو اس زندگی کی حاجت نہیں۔ یہ کہہ کر وہ غلام منہ کے بل گر پڑا اور کہنے لگا خداوند تعالیٰ میری روح اسی وقت اسی دم قبض کر لے۔ میں اس کے پاس گیا تو وہ مر چکا تھا۔ خدا کی قسم میں نے جب بھی اس کو یاد کیا میرا غم زیادہ ہو گیا اور دنیا میری نظر میں ذلیل و خوار ہو گئی۔

خدا کی عاشق ایک عورت

شیخ محمد بن حسین بغدادیؒ فرماتے ہیں ایک سال میں حج کے لئے گیا ایک روز مکہ مکرمہ کے بازاروں میں پھر رہا تھا۔ ایک بوڑھا مرد ایک لونڈی کا ہاتھ پکڑے ہوئے نظر آیا۔ لونڈی کا رنگ بدلا ہوا جسم دبلا تھا اور اس کے چہرے سے نور چمکتا تھا اور روشنی ظاہر ہوتی تھی وہ بھی ضعیف شخص پکار رہا تھا کوئی لونڈی کا طلب گار ہے؟ کوئی اس کی رغبت کرنے والا ہے؟ کوئی بیس دینار سے بڑھنے والا ہے؟ میں اس لونڈی کے سب عیبوں سے بری الذمہ ہوں۔ راوی کا بیان ہے میں اس کے قریب گیا اور کہا قیمت تو لونڈی کی معلوم ہوگئی مگر اس میں عیب کیا ہے۔؟ کہا یہ لونڈی مجنونہ ہے غمگین رہتی ہے۔ راتوں کو عبادت کرتی ہے۔ دن کو روزہ رکھتی ہے نہ کچھ کھاتی ہے نہ پیتی ہے ہر جگہ تنہا اکیلی رہنے کی عادی ہے۔ جب میں نے یہ بات سنی میرے دل نے اس لونڈی کو چاہا۔ اور قیمت دے کر اس کو خرید لیا اور اپنے گھر لے گیا۔ لونڈی کو سر جھکائے دیکھا پھر اس نے اپنا سر میری جانب اٹھا کر کہا۔ اے میرے چھوٹے مولا خدا تم پر رحم کرے تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا عراق میں رہتا ہوں۔ کہا کون سا عراق بصرے والا یا کوفے والا؟ میں نے کہا کوفے والا نہ بصرے والا، پھر لونڈی نے کہا شاید تم مدینۃ الاسلام بغداد میں رہتے ہو۔ میں نے کہا ہاں کہا واہ واہ۔ وہ عابدوں اور زاہدوں کا شہر ہے۔ راوی کہتے ہیں مجھے تعجب ہوا میں نے کہا لونڈی حجروں کی رہنے والی ایک حجرے سے دوسرے حجرے میں بلائی جانے والی زاہدوں عابدوں کو کیسے پہچانتی ہے۔

پھر میں نے اس کی طرف متوجہ ہو کر دل لگی کے طور پر پوچھا تم بزرگوں میں کس کس کو پہچانتی ہو۔ کہا میں مالک بن دینار، بشر حافی، صالح مزنی، ابو حاتم بجستانی، معروف کرخی، محمد بن حسین بغدادی، رابعہ عدویہ، شعوانہ میمونہ ان بزرگوں کو پہچانتی ہوں۔ میں نے کہا ان بزرگوں کی تمہیں کہاں سے شناخت ہے۔؟ لونڈی نے کہا اے جوان کیسے نہ پہچانوں؟ قسم خدا کی وہ لوگ دلوں کے طبیب ہیں یہ محبّ کو محبوب کی راہ دکھلانے والے ہیں۔ پھر میں نے کہا اے لونڈی مین محمد بن حسین ہوں کہا میں نے اے ابو عبداللہ خدا سے دعا مانگی تھی کہ خدا تم کو مجھ سے ملا دے۔ تمہاری وہ خوش آواز جس سے مریدوں کے دل زندہ کرتے تھے اور سننے والوں کی آنکھیں روتی تھیں کیسے ہے؟ میں نے کہا اپنے حال پر ہے۔ کہا تمہیں خدا کی قسم مجھے قرآن شریف کی کچھ آیتیں سناؤ۔ میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اس نے بڑے زور سے چیخ ماری اور بیہوش ہوگئی۔ میں نے اس کے منہ پر پانی چھڑکا تو ہوش میں آئی۔ اور کہا اے عبداللہ یہ تو اس کا نام ہے۔ کیا حال ہوگا اگر میں اس کو پہچانوں اور جنت میں اس کو دیکھوں۔ خدا تم پر رحم کرے اور پڑھو۔ میں نے یہ آیت: ام حسب الذین اجترحوالسیأت ان نجعلھم سے ساء مایحکمون تک (یعنی کیا گمان کرتے ہیں جنھوں نے گناہ کئے ہین کہ ہم ان کو ایمان والوں اور نیک عمل والوں کے برابر کریں گے ان کی موت اور زندگی برابر ہے؟ برا ہے جو حکم کفار لگاتے ہیں۔

اس نے کہا اے ابو عبداللہ ہم نے نہ کسی بت کی پوجا اور نہ کسی معبود کو قبول کیا پڑھے جاؤ خدا تم پر رحم کرے۔ میں نے پھر یہ آیت پڑھی

انا اعتد نا للظالمین نا را سے سا ء ت مر تفقا تک (یعنی ہم نے ظالموں کے واسطے آگ تیا کر رکھی ہے۔ ان کے ارد گرد آگ کے خیمے ہوں گے اگر پانی طلب کریں گے گرم پانی پگھلے ہوئے تانبے کی مثل پائیں گے جو ان کے چہرے جھلس دے گا۔ اس کا پینا بھی برا ہے اور آرام گاہ بھی بری ہے)

پھر کہا اے عبداللہ تم نے اپنے نفس کے ساتھ نا امیدی لازم کر لی ہے۔ اپنے دل کو خوف اور امید کے درمیان آرام دو۔ اور کچھ پڑھو خدا تم پر رحمت کرے۔

پھر میں نے پڑھا

وجوہ یو مئذ مسفر ۃ ضاحکہ مستبشر ۃ اور وجوہ یو مذ ناضر ۃ الی ربھا ناظر ہ

(یعنی بعض چہرے قیامت کے دن خوش ہشاش بشاش ہوں گے اور بعض چہرے تر و تازہ اپنے پروردگار کو دیکھنے والے ہوں گے) پھر کہا مجھے اس کے ملنے کا شوق کتنا زیادہ ہوگا۔ جس دن وہ اپنے دوستوں کے واسطے ظاہر ہوگا اور پڑھو خدا رحم کرے۔ پھر میں نے پڑھا بطوف علیھم ولدان مخلدٌ ون با کواب و ابادیق و کا س من معین اصحا ب الیمین سے اصحا ب الیمین تک (لڑکے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں جنت والوں کیلئے ہاتھوں میں کوزے اور لوٹے پیالے شراب معین کیلئے ہوئے گھومیں گے۔ نہ پینے والوں کا سر پھریگا اور نہ وہ بھکیں گے) پھر کہا اے ابو عبداللہ میں خیال کرتی ہوں تم نے حور کو پیغام دیا ہے۔ کچھ ان کے مہر کے لئے بھی خرچ کیا ہے۔ میں نے کہا اے

لونڈی مجھے بتا دے وہ کیا چیز ہے۔ میں تو بالکل مفلس ہوں کہا شب بیداری اپنے اوپر لازم کرو اور ہمیشہ روزہ رکھا کرو اور فقیروں اور مسکینوں سے محبت کرتے رہو پھر وہ لونڈی بیہوش ہوگئی میں نے اس کے چہرے پر پانی چھڑکا تو ہوش میں آئی پھر دوبارہ مناجات پڑھتے پڑھتے بیہوش ہو گئی۔ میں نے پاس جاکر دیکھا وہ مرچکی تھی مجھے اس کے مرنے کا بڑا صدمہ ہوا۔ پھر میں بازار گیا تاکہ اس کے کفن دفن کا سامان لاؤں واپس آکر کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کفنائی ہوئی خوشبو لگی ہوئی ہے اور جنت کے دو سبز جوڑے اس پر پڑے ہیں۔ کفن میں دو سطروں میں لکھا ہے۔ سطر اول لا اله الا الله محمد رسول الله اور دوسرے پر اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ الله لاخوف علیهم ولا هم یحزَنون ہے۔ میں نے اپنے دو دوستوں کے ساتھ اس کا جنازہ اٹھایا اور نماز پڑھ کر دفن کر دیا۔ اس کے سرہانے میں نے سورۃ یٰسین پڑھی اور حجرے میں غمگین روتا ہوا واپس آ گیا۔ پھر دو رکعت نماز پڑھ کر سو رہا خواب میں دیکھا کہ وہ لونڈی بہشت میں ہے۔ جنتی حلے پہنے زعفراں زار کے تختے میں ہے۔ سندس اور استبرق کا فرش ہے، سر پر تاج مرصع موتی اور جواہرات ٹکے ہوئے پاؤں میں یاقوت سرخ کی جوتی ہے۔ جس سے عنبر و مشک کی خوشبو آ رہی ہے۔ اس کا چہرہ آفتاب و ماہتاب سے زیادہ روشن ہے۔ میں نے کہا اے لونڈی ٹھہر! کس عمل نے تجھے اس مرتبہ پر پہنچایا؟ کہا فقیر مسکینوں کی محبت، کثرت استغفار، مسلمانوں کی راہ سے ان کو ایذا دینے والی چیزیں دور کرنے سے مجھ کو یہ مرتبہ ملا ہے۔

ایک لونڈی نے کافر گھرانے کو مسلمان کردیا

ایک اہل علم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرے پاس ایک حیادار اور حسینہ لونڈی آیا کرتی تھی۔ اکثر اوقات شریعت اسلام کے احکام پوچھا کرتی اور دین کی باتیں دریافت کرتی تھی میں اس کی باتوں کا جواب دیتا اور نرمی کے ساتھ پیش آتا۔ اور اس کا جمال پردے اور پوشیدگی کی جانب مائل تھا۔ اس کی روش اور حسن و جمال مجھے بھلا معلوم ہوتا تھا۔ ایک روز مدت کے بعد میں بازار جا رہا تھا، میری نگاہ اس لونڈی پر پڑی ایک شخص اس کا ہاتھ پکڑے کہہ رہا ہے۔ اس عیب دار لونڈی کو کون خریدے گا؟ میں نے لونڈی سے کہا کیا تو وہی ہے جو مجھ سے دین اور شریعت اسلام کی باتیں پوچھا کرتی تھی؟ اس نے سر جھکا لیا اور اشارہ سے کہا ہاں میں نے اس مرد سے کہا لونڈی کو چھوڑ دے۔ اس نے جواب دیا (اے سردار مجھ کو یہ قدرت نہیں ہے۔ اس لونڈی کا مالک مجوسی ہے۔ اس لونڈی نے اس کو غضبناک کیا ہے ہم باتیں کر رہے تھے کہ اس لونڈی کا مالک آن پہنچا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے کہا اپنی لونڈی کا حال بیان کرو اور جو بات اس کی تم کو ناپسند ہے۔ وہ ظاہر کرو۔ مالک نے کہا کہ وہ مجوسی ہے۔ آگ اور روشنی کی عبادت کرتا ہے میں نے اس لونڈی کو پسند کیا تھا اس کی عقل اور خوبصورتی دیکھ کر خریدا تھا اور بہت قیمت ادا کی تھی۔ اور میں اس کو

دیکھتا تھا کہ ہمارے معبود کی بہت عبادت و تعظیم محبت کے ساتھ کرتی تھی رات ایک شخص تمہارے مذہب والا ہمارے یہاں آیا اور تمہاری کتاب سے کچھ پڑھ کر سنایا۔ اس لونڈی نے سنتے ہی چیخ ماری ہم لوگوں کو دہشت ہوئی اور لونڈی حیران تھی۔ ہم اس سے پوچھتے تھے تو کچھ جواب نہ دیتی تھی۔ اس نے ہم کو چھوڑا ہمارے معبودوں کی عبادت ترک کی۔ ہمارا کھانا کھانے سے انکار کیا جب رات ہوئی تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہم نے بہت کچھ منع کیا مگر باز نہ آیا اس کی رونق جمال جاتی رہی اور حالت بدل گئی ہم کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا اور نہ اسکو اس حال سے پھیرنے کی طاقت ہے۔ اب میں نے اسکو بیچنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں نے اس لونڈی سے پوچھا کیا ایسا ہی ہے؟ اس نے سر کے اشارے سے کہا ہاں۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ جہالت کی وجہ سے اس پر عیب لگاتا ہے۔ پھر میں نے لونڈی سے پوچھا کون سی آیت تجھ کو پڑھ کر سنائی تھی۔ کہا ففروا الی اللہ انی لکم منہ نذیر مبین۔

(یعنی اللہ کی طرف رجوع کرو میں تم کو ڈرانے والا ظاہر ہوں۔ اور خدا کی عبادت میں دوسرا معبود شریک نہ کرو۔ تمکو اس سے ظاہر ڈرانے والا ہوں)

لونڈی نے کہا جب سے یہ آیت میں نے سنی ہے بے صبر ہو گئی اور جو حالت تم دیکھتے ہو پیدا ہوئی۔

میں نے کہا اگر میں تمہیں پوری آیت سناؤں تو کیا ہو۔ لونڈی

نے کہا اگر تم اچھی طرح پڑھ سکتے ہو تو پڑھو۔ میں نے باقی آیتیں پڑھیں۔ ان الله هو الرزاق ذوالقوة المتين۔

اس نے کہا خوب پڑھا ۔ جس امر کا خدا ضامن ہو وہ تجھ کو کافی ہے۔ پھر میں نے اس کے مالک سے کہا کیا تم اس کی قیمت مجھ سے لیتے ہو۔ کہا اس کی قیمت بڑی ہے ۔ اور میرا ایک چچازاد بھائی اس سے محبت کرتا ہے اور اسے مجھ سے لینا چاہتا ہے۔ اور اس کا خیال ہے کہ وہ اس کو ان خیالات سے جو پیش آئے ہیں پھیر دے گا۔ وہ بھی مجوسی مذہب ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ ہم سے باتیں کر رہا تھا۔ کہ اسکا چچازاد بھائی آ گیا اور کہا میں اس کو اس دین سے پھیر دوں گا مالک نے اس کے حوالہ کیا۔

جب یہ لونڈی کو معلوم ہوا تو مجھ سے کہا اے شیخ اب تو اس کی کوئی بات نہ سن میری اس کی ضرور بڑی شان ہوگی خداوند کریم تجھ کو اس کی اطلاع دے گا۔ ایک مدت کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ مجوسی جو لونڈی کو لے گیا تھا۔ ہمارے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ میں نے کہا کیا تم اس لونڈی کے مالک نہیں؟ کہا کیوں نہیں میں نے کہا اب کیا حالت ہے۔ کہا اچھی خبر ہے۔ میں وہ لونڈی اپنے گھر لے گیا تھا۔ پھر کسی کام کو گھر سے نکلا۔

جب گھر آیا کیا دیکھتا ہوں کہ اس لونڈی نے ایک کرسی بچھائی اور خود اس پر بیٹھی ہے۔ اور خدا کا ذکر اور اس کی وحدانیت بیان کر رہی ہے اور میرے گھر والوں کو آگ کی عبادت سے ڈراتی ہے۔ اور میں نے ہے۔ جنت کی تعریف کر رہی ہے۔ میں ڈرا کہ یہ ہمارا

دین بگاڑ دے گی۔ میں نے دل میں کہا کہ میں تو اس کو اس نیت سے لایا تھا کہ اس کا دین بگاڑوں گا مگر یہ تو ہمارا دین مٹانے لگی۔ میں نے اس کا حال اپنے ایک دوست سے بیان کیا اور اس سے کہا تمہاری کیا رائے ہے اب میں کیا کروں، کہا اس کے پاس کچھ مال امانت رکھ دو اور اس سے پوشیدہ لے لو۔ پھر اس سے طلب کر وہ دینے سے عاجز ہوگی تمکو اس کے اوپر حجت ہوگی اور اس بہانہ سے اس کو خوب مارنا۔ مجوسی کہتا ہے۔ میں نے اس کے پاس ایک ھتیلی پانسو درہم کی امانت رکھ دی اور وہ حسب عادت نماز میں مشغول ہوئی میں نے وہ تھیلی اٹھالی اور اس کو کچھ خبر نہ ہونے دی۔ پھر میں نے اس سے طلب کی جس جگہ تھیلی رکھی تھی وہ فوراً کود کر وہاں سے نکال لائی اور میرے حوالہ کر دی۔ مجھ کو سخت تعجب ہوا۔ اور جی میں کہا میں تو تھیلی نکال لایا تھا۔ یہ تو دوسری تھیلی ہے۔ اب آنکھوں سے دیکھ کر کہا کوئی شک نہیں جس خدا کی یہ عبادت کرتی ہے۔ اس کو بڑی قوت ہے۔ میں اس کے خدا پر ایمان لایا۔ اور میرا دوست اور میرے سب گھر والے مسلمان ہو گئے اور اس لونڈی کو اس کی خواہش کے مطابق حسب خواہش چھوڑ دیا۔ وہ ہمیشہ محبت خدائی کو چھپائے رہی یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے اس کا حال لوگوں پر ظاہر کر دیا۔

ایک لونڈی کی اللہ کی محبت میں شان

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں ایک رات مجھے نید آئی میں نہایت درجہ بے چین رہا میں آنکھ تک بند نہ کرسکا باوجود اس کے کہ اس رات تہجد سے بھی محروم رہا۔ جب فجر کی نماز پڑھ چکا تو گھر سے نکلا کسی طرح مجھ کو اطمنان نہ ہوا۔ پھر میں جامع مسجد میں ٹھہر گیا اور ایک واعظ کا وعظ سننے لگا تاکہ کچھ دل کو راحت ہو۔ میں نے اپنے دل کو پایا اس کی سختی بڑھتی جاتی ہے۔ میں وہاں سے چل دیا دوسرے واعظ کے پاس ٹھہرا وہاں بھی دل کا اضطراب کم نہ ہوا پھر میں نے اپنے دل سے کہا دل کے معالجوں کے پاس جاؤں اور جو لوگ محبؑ کو محبوب کی راہ بتلاتے ہیں ان سے ملوں پھر بھی میرے دل کو قرار نہ ہوا اور سختی بڑھتی گئی۔ پھر میں نے کہا اب میں کوتوالی میں جاؤں وہاں لوگوں کو سزا پاتے دیکھ کر شاید کچھ عبرت ہو۔ مگر وہاں بھی دل کی سختی کم نہ ہوئی میں نے کہا چلو قید خانے کو شاید ان لوگوں کو جو مبتلائے عذاب میں دیکھ کر دل ڈرے۔ جب میں قید خانہ میں داخل ہوا اپنے دل کو کھلا ہوا پایا اور میرا سینہ کشادہ ہوا۔ ایک لونڈی خوبصورت قیمتی اوڑھنی اوڑھے نظر آئی اس کے پاس سے عطر کی خوشبو آتی تھی۔ پاک نظر نیک دل تھی۔ ہاتھوں میں ہتھکڑی پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں جب مجھ کو دیکھا آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔ میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں اور کہ بغیر گناہ کئے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال کر گردن میں لٹکا دی اور ان ہاتھوں نے کبھی خیانت کی نہ چوری کی۔ میرے پہلو میں جگر ہے۔ میں جانتی ہوں وہ جل گیا۔ قسم تیرے حق کی

اے دل کی مراد! میں سچی قسم کھاتی ہوں اگر تو میرا دل کے ٹکڑے کر ڈالے تیرے حق کی قسم ہے کبھی تجھ سے نہ پھرے گا۔ شیخ سری فرماتے ہیں میں نے داروغہ سے دریافت کیا۔ یہ کون ہے۔ کہا لونڈی ہے دیوانی ہوگئی ہے اس کے مالک نے یہاں قید کیا ہے۔ تا کہ درست ہو جائے۔ جب اس لونڈی نے داروغہ کا کلام سنا تو اس کی آنکھیں آنسوں سے بھر آئیں۔ شیخ سری فرماتے ہین میں نے اس سے ایسی باتیں سنیں جنھوں نے مجھے بے چین کر دیا مجھ کو غم دیا جلایا رلایا۔ جب لونڈی نے میرے آنسو دیکھے تو کہا اے سری تمہارا یہ رونا اس کی صفت سن کر ہے کیا حال ہوگا اگر تم اس کو پہچان لو۔ پھر ایک ساعت بیہوش رہی جب ہوش آیا میں نے کہا اے لونڈی جواب دیا لبیک اے سری میں نے کہا مجھ کو تو نے کیسے پہچانا؟ کہا جب سے مجھ کو معرفت حاصل ہوئی جاہل نہیں رہی اور جب سے خدمت کی ست نہ ہوئی اور جب واصل ہوا جدا نہ ہوئی اور مرتبے والے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں میں نے کہا تجھ سے سنا ہے کہ تو محبت کرتی ہے۔ دوست کون ہے۔ کہا جس نے اپنے محبوں کے ساتھ مجھ کو معرفت دی اور اپنے بڑی عطا کے ساتھ سخاوت کی وہ دلوں کے پاس ہے۔ محبوں کے طلب گار کا دوست ہے۔ سنتا جانتا ہے۔ پیدا کرنے والا حکمت والا ہے۔ سخی کریم بخشنے والا رحیم ہے۔ میں نے پوچھا یہاں تجھے کس نے قید کیا؟ کہا حاسدوں نے باہم مدد کی اور قول وقرار کیا پھر وہ بلند آواز سے چلائی۔ اور بیہوش ہوگئی میں نے خیال کیا کہ اس نے زندگی ختم کر لی۔ پھر ہوش میں آئی۔ شیخ سری فرماتے ہیں میں نے قید خانے کے داروغہ سے کہا اس کو چھوڑ دو۔ اس نے چھوڑ دیا میں نے کہا جہاں تیرا دل چاہے چلی جا۔ کہا

اے سری میں کہا جاؤں؟ اسے چھوڑ کر میرا کہاں راست ہے؟ میرے دل کے دوست (اللہ) نے اپنے مملوک انسان کو میرا مالک بنا دیا۔ اگر میرا مالک راضی ہوگا چلی جاؤں گی ورنہ صبر کروں گی میں نے کہا خدا کی قسم یہ تو مجھ سے زیادہ عقلمند ہے۔ میں اسی حال میں اس سے باتیں کر رہا تھا، کہ اس کا مالک آ گیا۔ داروغہ سے پوچھا۔ اس کی لونڈی تحفہ کہاں ہے؟ کہا اندر ہے اور اس کے پاس شیخ سری سقطی بیٹھے ہیں۔ مالک یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اندر آیا اور مجھ کو مرحبا کہا اور تعظیم کی۔ میں نے کہا یہ لونڈی میری بہ نسبت تعظیم کی زیادہ مستحق ہے۔ اس کی کونسی حرکت تجھے ناپسند ہے؟ کہا بہت سی باتیں ہیں نہ کھائے نہ پیئے بے عقل نہ خود سوئے نہ ہم کو سونے دے۔ ہر وقت متفکر رہتی ہے۔ ذرا سی بات پر فوارا رو دے۔ آہ نالے سے کام ہے۔ سدا رویا کرتی ہے۔ اور یہی میری پونجی ہے۔ میں نے اپنا تمام مال بیس ہزار درہم دے کر اس کو مول لیا۔ اور امید تھی کہ نفع حاصل ہوگا کیونکہ حسن و جمال کے علاوہ یہ اور کام بھی جانتی ہے۔ میں نے کہا اور کیا کرتی ہے؟ کہا گانا جانتی ہے۔ میں نے پوچھا کتنی مدت سے اس کو یہ مرض ہے۔ کہا ایک برس سے میں نے کہا ابتدا کیسے ہوئی کہا ایک مرتبہ عود لئے گا رہی تھی دفعتہً عود توڑ کر کھڑی ہوگئی اور چلائی میں نے اس کو انسان کی محبت کی تہمت لگائی، مین نے اس کی تحقیقات کی کچھ علامت ونشان نہ پایا۔ میں نے لونڈی سے پوچھا کیا ایسا ہی معاملہ ہے؟ لونڈی نے زبان تیز اور جلے دل سے جواب دیا، میرے دل سے خدا نے مجھ کو خطاب کیا میرا واعظ میری زبان پر تھا۔ مجھ کو دوری کے بعد قریب کیا اور مجھ کو خدا نے خاص منتخب کیا جب میں برضا و رغبت بلائی گئی میں نے قبول

کیا اور اپنے بلانے والے کے جواب میں لبیک کہی۔ جو کچھ مجھ سے پچھلی عمر میں گناہ ہوئے تھے میں ان سے ڈری مگر محبت نے خوف دفع کر کے آرزوں میں ڈال دیا۔ شیخ سری سقطی فرماتے ہیں میں نے اس کے مالک سے کہا اس کی قیمت میرے ذمہ ہے۔ اور میں اس سے بھی زیادہ دوں گا مالک۔ چلایا اور کہا ہائے محتاج! تیرا برا ہو تم تو ایک مرد فقیر ہو اس کی قیمت کہاں پاؤ گے۔ میں نے کہا جلدی نہ کرو تم یہیں رہو میں اس کی قیمت لاتا ہوں۔ پھر وہاں سے غمگین روتا ہوا چل دیا۔ قسم خدا کی میرے پاس لونڈی کی قیمت کے لئے ایک درہم بھی نہ تھا۔ تمام رات خدا کی درگاہ میں روتا رہا اور خوشامد عاجزی کرتا رہا اور اس سے دعا مانگتا تھا تمام رات آنکھ نہ جھپکی۔ اور کہتا تھا خداوند تو ظاہر و باطن خوب جانتا میں نے تیرے فضل پر اعتماد کیا۔ مجھے رسوانہ کرنا اس لونڈی کے مالک کے روبرو شرمندہ نہ ہوں۔ اسی حالت میں عبادت خانہ میں بیٹھا ہوا دعا مانگ رہا تھا کہ ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے کہا دروازہ پر کون ہے؟ کہا دوستوں میں سے ایک دوست ہے کسی کام سے آیا ہے خدائے مہربان کا حکم اس کو یہاں لایا ہے میں نے دروازہ کھولدیا ایک شخص چار غلام اس کے ہمراہ شمع لئے تھے۔ اس آنے والے نے کہا اے استاد مجھ کو اندر آنے کی اجازت ہے۔ میں نے کہا آؤ۔ وہ شخص اندر آیا میں نے پوچھا تم کون ہو؟ کہا احمد بن مثنی ہوں مجھ کو ایسے شخص نے دیا ہے کہ وہ دیتے وقت بخل نہیں کرتا میں آج رات سو رہا تھا کہ ہاتف غیبی نے پکار کر کہا پانچ توڑے اشرفیاں سری کے پاس لے جاؤ ان کا دل خوش ہو اور وہ تحفہ کو خرید لیں کیونکہ ہمکو تحفہ کے حال پر مہربانی ہے میں نے خدا کے شکر میں سجدہ کیا کہ اس نے مجھے یہ

نعمت عطا کی اور فجر کا انتظار کرنے لگا۔ جب صبح کی نماز ادا کی احمد کا ہاتھ پکڑ کر قید خانے میں لے گیا۔ لونڈی کا محافظ دائیں بائیں دیکھ رہا تھا مجھ کو دیکھ کر مرحبا کہا آئے خدا اس لونڈی پر مہربان ہے۔ رات کو ہاتف نے مجھے پکار کر کہا ہے۔ شیخ سری سقطی فرماتے ہیں تحفہ نے جب ہم کو دیکھا اس کے آنسو ڈبڈبا آئے اور کہا تم نے مجھ کو سب لوگوں میں مشہور کر دیا۔ اسی حال میں تحفہ کا مالک روتا ہوا آ گیا۔ دل غمگین رنگ فق ،۔ میں نے کہا مت روو۔ جس قدر قیمت تم نے ادا کی تھی وہ بھی لایا ہوں اور پانچ ہزار نفع بھی دوں گا۔ اس نے کہا نہیں خدا کی قسم میں نے کہا دس ہزار نفع لو۔ کہا نہیں خدا کی قسم نہیں لوں گا۔ میں نے کہا قیمت کے برابر نفع لو۔ کہا اگر تم تمام دنیا اس کے عوض دو گے قبول نہ کروں گا تحفہ خدا کے لئے آزاد ہے۔ میں نے کہا کیا حال ہے؟ کہا رات کو مجھے سخت تنبیہ اور جھڑکی دی گئی ہے۔ میں تمام حال چھوڑ کر خدا کی طرف بھاگا ہوں خدایا تو کشائش کے ساتھ میرا اکفیل ہو اور میرے رزق کا ضامن ہو پھر میری طرف ابن مثنیٰ متوجہ ہوئے میں نے دیکھا وہ رو رہے تھے۔ میں نے کہا تم کیوں روتے ہو؟ کہا خداوند تعالیٰ نے جس کام کے لئے مجھ کو بلایا اس سے راضی نہیں ہوا۔ تم گواہ رہو میں نے تمام مال اپنا خدا کی راہ میں خیرات کر دیا میں نے کہا تحفہ کیا بڑی صاحب برکت والی ہے۔ تحفہ کھڑی ہوئی جو کپڑے پہنے تھی وہ اتار کر پھینک دیئے اور بالوں کا ایک کرتج پہن لیا اور روتی ہوئی نکل کھڑی ہوئی۔ ہم لوگوں نے اس سے کہا خدا نے تم کو آزاد کر دیا پھر کیوں روتی ہو؟ پھر ہم قید خانہ کے دروازے سے نکلے اثنائے راہ میں تحفہ کو تلاش کیا اپنے ہمراہ نہ پایا۔ ابن مثنیٰ راستے میں مر گئے۔ میں اور تحفہ کا

مالک مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ایک دن میں طواف کر رہا تھا کسی زخمی دل سے کلام سنا۔ وہ کلام یہ ہے خدا کا دوست دنیا سے بیمار رہے اس کا مرض درراز ہے۔ اس کی دوا خود مرض ہے اس کو شراب محبت کا پیالہ پلا دیا اور پلا کر خوب سیر کر دیا پھر تو وہ دوست اس کی محبت میں حیران ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوا بجز اس کے دوسرا محبوب نہیں چاہتا۔ یہی حال اس کا ہے جو براہ شوق خدا کی طرف بلایا جائے وہ اس کی محبت میں حیران رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا دیدار نصیب ہو۔ پھر میں اس آواز کی جانب گیا۔ اس نے جب مجھے دیکھا کہا اے سری میں نے کہا لبیک تم کون ہو؟ خدا تم پر رحم کرے؟ کہا لا الہ الا اللہ معرفت کے بعد اب انجان ہو گئے میں تحفہ ہوں وہ اس وقت بالکل ضعیف و ناتواں تھی جیسے کسی کا خیال دل میں گزرے وہ اس طرح نظر آتی تھی۔ میں نے کہا اے تحفہ جب سے تم خلعت سے جدا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف مائل ہوئی خدا سے تم کو کیا فائدہ حاصل ہوا؟ کہا اپنے قرب سے انس دیا غیر سے مجھ کو وحشت دی۔ پھر میں نے کہا ابن مثنی مر گئے کہا خدا ان پر رحم فرمائے میرے اللہ نے ان کو وہ اعزاز عطا کئے ہیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا جنت میں ان کی جگہ میرے پڑوس میں ہے۔ پھر میں نے کہا تمہارا مالک جس نے تم کو آزاد کیا ہے۔ میرے ساتھ ہے۔ یہ سن کر تحفہ اسکو مردہ دیکھا اپنے کو سنبھال نہ سکا وہ بھی منہ کے بل گر پڑا۔ میں نے پاس جا کر ہلایا تو وہ بھی دنیا سے کوچ کر چکا تھا۔ پھر میں نے دونوں کے غسل و کفن سے فراغت کر کے دونوں کو دفن کر دیا ان پر خدا کی رحمت ہو

خدا کا ادب

صالحین میں سے ایک شخص کی حکایت ہے فرماتے ہیں میں نے ایک غلام خریدا تھا اس سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ کہا اے مالک جو کچھ آپ رکھیں۔ میں نے پوچھا تم کام کیا کرتے ہو ۔ کہا جو آپ بتائیں۔ میں نے پوچھا تم کیا کھاؤ گے؟ کہا جو آپ کھلائیں گے میں نے کہا تمہارا دل کسی شے کو چاہتا ہے کہا بھلا آقا کے سامنے غلام کا دل کسی شے کو چاہ سکتا ہے۔ کہتے ہیں مجھے اس پر رونا آ گیا اور وہ حالت یاد آئی جو میرے آقا (خداوند کریم) کے ساتھ ہو گی۔ میں نے کہا میرے پیارے تم نے مجھے خدا کا ادب کرنا سکھا دیا۔

اولیاء کی صفات

ایک ولی اللہ کی حکایت ہے کہ ان کو ایک شخص کے مکان سے تھوڑی سی دیر میں کئی مرتبہ بلاوا آیا جب یہ اس کے دروازے پر پہنچے تو جو بلانے آیا تھا اسی نے انہیں دھکے دے دئے یہ خوشی کے ساتھ واپس ہونے لگے رنجش کا ذرا سا اثر ان کے چہرے پر نمایاں نہ ہوا ان کے صبر و تحمل پر اسے بہت تعجب ہوا اور اس نے یہ بہت بڑی بات سمجھی۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ کوئی بڑی صفت نہیں ہے۔ بلکہ یہ صفت تو کتے میں بھی ہوتی ہے کہ جب بلاؤ تو آ جاتا ہے جب دھتکارو چلا جاتا ہے۔ اور اس شخص نے بھی یہ حرکت ان کے امتحان کے لئے ہی کی تھی۔

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں دس خصلتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہر مومن کو اپنے میں پیدا کرنی چاہیں اول یہ کہ وہ اکثر بھوکا رہتا ہے۔ اور یہ شیوہ صالحین کا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا کوئی خاص مکان مشہور نہیں ہوتا یہ اہل توکل کی نشانی ہے تیسرے یہ کہ رات کو بہت ہی کم سوتا ہے یہ اللہ سے محبت کرنے والون کی صفت ہے۔ چوتھے یہ کہ جس وقت وہ مرجاتا ہے اس کا کچھ ورثہ نہیں ہوتا یہ صفت زاہد لوگوں کی ہے۔ پانچویں یہ کہ اپنے مالک کو نہیں چھوڑتا اگرچہ وہ اس پر ظلم کرے یا ستائے اور یہ صادق مریدوں کی صفت ہے۔ چھٹے یہ کہ تھوڑی سی جگہ پر خوش ہو جاتا ہے۔ (اور صبر کر لیتا ہے)۔ یہ علامت متواضعین کی ہے۔

ساتویں یہ کہ جب اس کی جگہ پر اور کوئی قابض ہو جاتا ہے۔ تو وہ اسے چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے۔ یہ علامت راضین کی ہے۔ آٹھویں یہ کہ جب کوئی مارے یا نکالے تو چلا جاتا ہے۔ اور پھر ذرا سا ٹکڑا ڈال دیا جائے تو فوراً آجاتا ہے۔ گزشتہ واقعہ کا کچھ دھیان دل میں نہیں رکھتا یہ علامت خاشعین لوگوں کی ہے۔ نویں یہ کہ جس وقت کھانا رکھا ہو تو دور بیٹھا دیکھتا ہے یہ علامت مساکین کی ہے دسویں یہ کہ جس جگہ کو چھوڑ دیتا ہے اسے پھر بھی نہیں دیکھتا یہ علامت غمزدوں کی ہے۔

حضرت اویس قرنی کے حالات و کرامات

روایت ہے۔ کہ حضرت اویس قرنیؒ ڈلاو پر سے اپنے کھانے کا گزر کرتے تھے اور وہیں کے چیتھڑے پہنتے تھے۔ ایک روز ایک ڈلاؤ پر انہیں کتا بھونکنے لگا انہوں نے اس سے فرمایا جو تجھے ملے تو کھالے اور جو مجھے ملتا ہے میں کھاتا ہوں مجھے بھونکتا کیوں ہے۔ اگر میں قیامت کے دن) پل صراط پر سے گزر گیا تو میں تجھ سے بہتر ہوں گا ورنہ تو مجھ سے بہتر ہوگا۔

حضرت اویس قرنی کی یہ حالت تھی کہ گھر کے لوگ انہیں دیوانہ بتاتے اور لواحقین انہیں ذلیل سمجھتے اور مذاق اڑاتے تھے اور بچے ان کے ساتھ کھیلتے تھے اور ڈھیلے مارتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ایسے لوگوں کو چاہا کرتا ہے جو متقی پاک صاف پوشیدہ رہتے ہوں بال ان کے بکھرے ہوئے اور چہرے غبار آلودہ اور پیٹ کمروں سے لگے رہتے ہوں۔ جب وہ کہیں امیروں کے پاس جانا چاہیں تو انہیں اجازت نہ ملے اور اگر وہ خوبصورت مالدار عورتوں سے شادی کرنا چاہیں تو کوئی قبول نہ کرے اگر کہیں چلے جائیں تو کوئی تلاش نہ کرے۔ اگر کہیں سے آئیں تو ان کے آنے کی کسی کو خوشی نہ ہو۔ اگر بیمار ہوں تو کوئی عیادت کو نہ آئے۔ اگر مر جائیں تو کوئی جنازہ پر نہ آئے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس میں سے کوئی آدمی سے ہم کیونکر مل سکتے ہیں؟ فرمایا اویس قرنی ایسے ہی لوگوں میں سے

ہوں گے۔ پوچھا ان کی علامت کیا ہو گی؟ حضور نے فرمایا چھاتی چوڑی، میانہ قد بہت تیز گندمی رنگ، داڑھی سینہ تک نگاہ کو ہمیشہ سجدہ ہی کی جگہ رکھیں گے۔ دایاں ہاتھ بائیں پر رکھے ہوئے اپنی حالت پر اکثر روتے رہیں گے دو کملی ان کے پاس ہوں گی۔ ایک تہبند دوسری چادر زمین پر رہنے والوں میں گمنام ہوں گے لیکن آسمان والوں میں ان کا شہرہ ہوگا اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اس کو ضرور (پوری کر کے) انھیں بری کر دے گا ان کے بائیں مونڈھے کے نیچے قدرے سپیدی ہو گی اے حاضرین یاد رکھو کہ قیامت کے دن سب لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم بہشت میں چلے جاؤ۔ لیکن اویس کی بابت یہ حکم ہوگا کہ تم کھڑے سفارشیں کرتے رہو۔ پھر اللہ تعالیٰ قبیلہ ربیعہ اور مضر جیسے قبیلوں کے لوگوں کے حق میں ان کی سفارش قبول فرمائیگا اے عمر اور اے علی! جس وقت تم ان سے ملو تو ضرور اپنے لئے ان سے دعاء استغفار کرانا اللہ تمہاری خطاؤں کو بخش دیگا اس قصہ کے بعد بیس برس تک حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اویس قرنیؒ کی تلاش اور جستجو میں رہے۔ لیکن مراد پوری نہ ہوئی آخر جب وہ سال آیا کہ جس میں حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو آپ کوہ ابوقیس پر چڑھے اور بلند آواز سے اہل یمن کو پکار کر پوچھا کہ تمہارے اندر کوئی شخص اویس نامی ہیں؟ اس وقت ایک بہت بوڑھا لمبی داڑھی والا آدمی کھڑا ہوا اور دست بستہ عرض کیا کہ ہم کو اویس کی خبر نہیں ہے۔ لیکن ہاں ایک بھتیجا ہے۔ لوگ اسے بھی اویس کہتے ہیں وہ بہت نامراد اور فقیر کنگال ہے۔ اس قابل نہیں کہ اسے ہم آپ کے پاس حاضر کریں وہ ہمارے اونٹ چرایا کرتا ہے اور ہمارے

اندر بہت ہی ذلیل اور رنج کا آدمی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بوڑھے سے پوچھا کہ وہ تمہارا بھتیجا کہاں ہے؟ وہ ہماری سرحد ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا کہاملیں گے اس نے کہا عرفات کے جنگل میں اسی وقت حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں سوار ہو کر دوڑے ہوئے عرفات پہنچے دیکھیں تو ایک درخت کے پاس کھڑے ہوئے اویس نماز پڑھ رہے تھے اور اونٹ ادھر ادھر چرتے پھر رہے ہیں۔ یہ دونوں اپنی سواریوں کو وہاں باندھ کر ان کے پاس پہنچے اور کہا اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اویسؓ نے بھی ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھ کر ان حضرات کے سلام کا جواب دیا۔ ان دونوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ کہا اونٹوں کا چرواہا اور لوگوں کا نوکر انھوں نے کہا ہم تم سے یہ اونٹوں کے چرانے اور نوکری کو نہیں پوچھتے۔ یہ فرمایئے آپ کا اصلی نام کیا ہے کہا عبداللہ انھوں نے کہا یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین والے سب کے سب عبداللہ یعنی اللہ کے بندے ہیں آپ اپنا وہ نام بتایئے جو آپ کی والدہ نے رکھا تھا فرمایا اے صاحبو تمہارا مجھ سے کیا مطلب ہے کیا چاہتے ہو۔ دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اویس قرنی کی ہم سے تعریف بیان فرمائی ہے۔ رنگ ڈھنگ تو ہم پہچان گئے ہیں۔

لیکن آپ نے ہم سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کے بائیں مونڈھے کے نیچے قدرے سپیدی ہو گی۔ لہذا وہ تم ہمیں دکھا دو اگر وہ بھی تمہارے اندر ہوئی تو بے شک تم وہی ہو۔ اویسؓ نے اپنا مونڈھا کھول کر دکھایا تو وہ سپیدی موجود تھی دونوں صاحبوں نے جلدی سے اٹھ کر اسے بوسہ دیا اور فرمایا کہ بے شک ہم گواہ ہیں کہ اویس قرنی

آپ ہی ہیں آپؒ ہمارے لئے دعائے استغفار کیجئے خدا آپ کی بھی مغفرت کردے گا فرمایا میں صرف اپنے لئے استغفار نہیں کرتا اور نہ اولاد آدم میں سے کسی خاص کے لئے ہوں بلکہ جنگل اور دریا میں جس قدر مومن مرد اور مومن عورتیں اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہیں سب کے واسطے اللہ سے دعا کرتا ہوں جو مستجاب الدعوات ہے۔ ان دونوں نے کہا یہی ہونا چاہئے اس کے بعد اویس قرنی نے فرمایا کہ اللہ نے تم پر میرا حال اور میری کیفیت ظاہر فرما دی ہے۔ لیکن آپ بتائیں کہ آپ کون ہیں حضرت علیؓ نے فرمایا یہ تو امیر المومنین عمر بن خطابؓ ہیں اور میں علی بن ابی طالب ہوں۔ یہ سنتے ہی اویس کھڑے ہو گئے اور کہا اسلام علیک یا امیر المومنین ورحمتہ اللہ وبرکاتہ اور اے ابن طالب تم پر سلام ہو اور خدا تعالیٰ آپ لوگوں کو اس امت میں سب سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ اتنے وقت یہیں ٹھرے رہیں کہ میں مکہ مکرمہ جا کر آپ کے لئے کچھ خرچ اور کپڑے جو میرے پاس زائد ہو لے آؤں اے اویس وہاں جانا آنا ہی وعدہ کی میعاد ہے۔ فرمایا اے امیر المومنین میرے تمہارے درمیان کوئی میعاد نہیں اور نہ میں آج کے دن کے بعد تم کو دیکھ سکوں گا لہذا مجھے یہ بتاؤ کہ میں اس خرچ اور اس کپڑے کو کیا کروں گا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میرے پاس اونی چادر اور تہبند ہے بھلا تمہارے خیال میں ان کو کب تک پھاڑوں گا۔ یا تم نے نہیں دیکھا کہ میرے پاس گھٹا ہوا جوڑا جوتا کا ہے میرے پاس یہ کب تک ٹوٹیں گے اور تمہیں معلوم نہیں کہ میں اپنی اس چرواہے کی مزدوری چار درہم لیتا

ہوں۔ تم جانتے ہو کہ انہیں میں کب تک کھاؤں گا؟ اے امیر المومنین میرے اور تمہارے آگے آنے والی ایک بڑی سخت گھاٹی ہے۔ اس پر سے وہی پار ہوگا جو ہلکا اور دبلا پتلا رہے گا لہذا تم بھی ہلکے رہو اس وقت حضرت عمرؓ مکہ کو روانہ ہو گئے۔ اور حضرت اویس قرنیؒ اپنے اونٹ لے کر پرے کو چلے گئے اور اپنی قوم میں ان کے اونٹ ان کو سپرد کر دیئے اور وہ چرانا چھوڑ کر عبادت میں ایسے لگ گئے کہ بس پھر وصال ہی ہو گیا۔ اور صحیح مسلم میں حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ سب کے روبرو فرما رہے تھے کہ تمہارے پاس اویس بن عامر یمنی لوگوں کے ساتھ قرن سے آئیں گے۔ پہچان ان کی یہ ہے کہ پہلے انہیں برص کی بیماری تھی اور دھبے تو سب جاتے رہے فقط ایک درہم کے برابر سفیدی باقی ہے۔ ان کی ایک والدہ ہے۔ جس کی انہوں نے بہت خدمت کی ہے۔ اگر وہ اللہ پر کسی بات کی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اسے پوری ہی کر دے گا اے عمر اگر تم ان سے اپنے حق میں دعا کر اس کو تو ضرور کرانا۔ پھر حضرت عمرؓ نے یہ حدیث اپنے اور حضرت علیؓ کے اکٹھے ہونے اور اس قول تک بیان کی کہ انھوں نے میرے لئے دعا کی کہ میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا اب آپ کہاں جائیں گے فرمایا کوفہ فرمایا کہ آپ کی خاطر تواضع کے لئے میں اپنے عامل کو لکھے دیتا ہوں فرمایا نہیں مجھے تو فقیر ہی لوگ پسند ہیں۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں حضرت عمرؓ سے اس طرح مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ

فرماتے تھے کہ سب تابعین سے بہتر وہ آدمی ہے جس سے لوگ اویس کہیں گے۔ (پہچان ان کی یہ ہے کہ) ان کی ایک والدہ ہے اور پہلے ان کو برص کا کبھی مرض تھا تم لوگ ان سے کہہ کر اپنے لئے استغفار کرانا۔

علقمہ ابن مرشدؒ فرماتے ہیں کہ زہد تابعین میں آٹھ آدمیوں پر ختم ہے۔ ان میں سے حضرت اویس قرنیؒ بھی ہیں ان کے گھر والوں نے انہیں دیوانہ سمجھ کر ان کے لئے ایک حجرہ اپنے دروازہ پر بنوا دیا تھا۔ (یہ بیچارے اسی میں رہتے تھے۔) اور وہ ایک ایک دو دو سال تک ان کا منہ تک نہ دیکھتے تھے جس وقت حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے آپ نے حج کے موسم میں آکر پکارا کہ اے لوگو سب کھڑے ہو جاؤ۔ چنانچہ سب کھڑے ہو گئے آپؓ نے فرمایا سوائے اہل یمن کے سب بیٹھ جائیں۔ پھر حکم دیا کہ یمن والوں میں سے بھی ضلع مراد کے لوگ کھڑے رہیں اور باقی بیٹھ جائیں۔ چناچہ دیگر اضلاع کے لوگ بھی بیٹھ گئے۔ اس کے بعد فرمایا کہ خاص مقام قرن کے لوگ کھڑے رہیں اور باقی ان میں سے بیٹھ جائیں۔ چنانچہ اس طرح کر کے اور سب بیٹھ گئے فقط ایک آدمی کھڑا رہا اور یہی اویس قرنیؒ کا چچا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اول یہ پوچھا کہ کیا تم خاص قرن کے رہنے والے ہو؟ بولا ہاں۔ آپؓ نے پوچھا کیا تم اویس قرنی کو جانتے ہو۔ اس نے کہا اے امیر المومنین آپ اویس کا کیا پوچھتے ہیں وہ تو ہمارے اندر نہایت درجہ احمق ہے۔ بالکل دیوانہ اور محتاج فقیر آدمی ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ رونے لگے اور فرمایا یہ باتیں تجھ میں ہیں اس میں نہیں ہیں۔ کیونکہ میں نے تو خود

رسول ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اویسؒ کی شفاعت سے قبیلہ ربیعہ اور مضر کے کتنے آدمی جنت میں جائیں گے۔

عمار بن یوسف حلی کہتے ہیں ایک آدمی نے اویس قرنیؒ سے پوچھا کہ آپ صبح وشام کیسے رہتے ہیں؟ فرمایا صبح کو اللہ کی محبت میں رہتا ہوں اور شام کو اس کی حمد ونعت میں مستغرق رہتا ہوں۔ علاوہ اس کے ایسے آدمی کا کیا حال پوچھتے ہو جس کا صبح کو خیال ہو کہ شام تک شاید ہی زندگی ہو اور شام کو خیال ہو کہ صبح تک شاید ہی زندہ رہے۔ کیونکہ موت اور اس کی یاد نے تو مسلمان آدمی کے لئے کوئی خوشی نہیں چھوڑی اور اللہ کے حق نے مسلمانوں کے حال میں چاندی سونا رکھنے کی گنجائش نہیں رکھی، اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مسلمان کو کسی کا دوست نہیں ہونے دیتا کیونکہ ہم لوگ انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں وہ ہمیں اس پر برا کہتے ہیں اور ہماری آبروریزی کرتے ہیں بلکہ فاسقوں کو ہمارے مقابلے میں اپنا مددگار بنالیتے ہیں۔ خدا کی قسم یہاں تک نوبت پہنچی کہ میرے ذمہ بڑے بڑے جرم لگا دیئے اتنا کہتے ہی اویسؓ نے راستہ لیا اور مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔

ہرم بن حبانؒ فرماتے ہیں اویسؒ کے حالات سن کر کوفہ پہنچا۔ سوائے ان کی تلاش کے میرا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ دوپہر کے وقت میں دریائے فرات کے کنارے پہنچا تو وہاں بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ جو اوصاف میں نے ان کے سنے تھے ان سے میں نے انھیں پہچان لیا۔ گندمی رنگ، اتری ہوئی صورت سر منڈا ہوا ہیبت ناک آدمی تھے،

میں نے سلام علیک کی ،آپ نے جواب دیا اور میری طرف دیکھا۔
میں نے مصافحہ کرنے کو ہاتھ بڑھایا۔ آپ نے مجھ سے مصافحہ نہیں
کیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ اے اویس اللہ تم پر رحم فرمائے اور تمہاری
مغفرت فرمائے کہو تو کیا حال ہے۔ اتنا کہتے ہی چونکہ مجھے ان سے
محبت تھی ان کی حالت دیکھ کر ترس آیا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے
میں رونے لگا وہ بھی رونے لگے اور فرمایا اے ہرم ابن حبان خدا
تمہیں خوش رکھے تم کس طرح ہو۔ میری خبر تمہیں کہاں سے لگ گئی؟
میں نے کہا اللہ نے بتا دیا فرمایا لا اله إلا الله سبحا ن ربنا ان
کا ن وعد ربنا لمفعو لا (بیشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہمارا
پروردگار پاک اور منزہ ہے۔ جو کچھ اس کا وعدہ ہوتا ہے۔ ہو کر ہی رہتا
ہے) میں نے پوچھا کہ تم نے میرا اور میرے باپ کا نام کہاں سے
جان لیا۔ میں نے آج سے پہلے تمہیں کبھی دیکھا ہی نہیں اور نہ تم نے
مجھے دیکھا۔ فرمایا نبانی العلیم الخبیر (یعنی اسی علیم وخبیر نے مجھے بھی بتا
دیا) میں نے کہا مجھے کوئی رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناؤ۔ فرمایا مجھے تو
آنحضرت ﷺ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔ نہ میں آپ کی صحبت
میں رہا ہوں میں نے ان حضرات کو دیکھا ہے۔ کہ جنہوں نے حضور
ﷺ کو دیکھا تھا اور میں اپنے لئے محدث بننا یا قاضی ہونا یا مفتی کہلانا
پسند بھی نہیں کرتا اور میری طبیعت تو لوگوں سے گھبراتی ہے ،میں نے
کہا اے برادرم قرآن شریف کی کچھ آیتیں ہی سنا دو تم سے سننے کو میرا
دل چاہتا ہے اور کوئی ایسی وصیت کرو جسے میں ہمیشہ یاد رکھوں۔ یہ سن
کر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ دعا پڑھا اعوذ با الله السمیع

العلیم من الشیطا ن الرجیم اور فرمایا کہ بے شک سب سے سچا
قول میرے اللہ ہی کا ہے اور سب سے سچی بات میرے اللہ ہی کی ہے
اس کے بعد یہ آیت وما خلقنا السموات و الا ارض و ما
بینھمالا عبین ما خلقنا ھما الا بالحق العزیز الرحیم
تک پڑھی اور ایک ایسی آہ کھینچی میرا یہ خیال ہوا کہ بس اب آپ بیہوش
ہوگئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اے ابن حبان تمہارے باپ حبان تو مر ہی
چکے ہیں اور عنقریب تم بھی مرجاؤ گے نہ معلوم کہ پھر تم جنت میں جاؤ
گے یا دوزخ میں۔ اس کے علاوہ دیکھو کہ بابا آدم اماں حوس ابھی
وفات پاچکیں اور حضرت بنی نوح نبی اللہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ
اور موسیٰ نجی اللہ اور داؤد کلیفتہ الرحمٰن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے خلیفہ
ابوبکرؓ اور میرے بھائی میرے دوست عمر بن خطابؓ سب کے
سب وفات پا چکے ہیں۔ میں نے کہا کہ عمرؓ کی وفات ابھی
نہیں ہوئی۔ فرمایا ہو چکی۔ لوگوں سے میں نے یہ خبر سنی ہے اور
منجانب اللہ مجھے الہام بھی ہوا ہے اور میرا دل بھی گواہی دیتا ہے اور ہم
تم بھی مردوں ہی میں ہیں اس کے بعد درود پڑھا اور کچھ دعائیں کر
کے فرمایا کہ بس میری تم کو یہی وصیت ہے۔ تم موت کو یاد رکھنا۔ اور
جب تک تم زندہ ہو ایک چشم زدن بھی اس ذکر کو دل سے جدا نہ کرنا اور
جس وقت اپنے لوگوں میں پہنچو خوف الٰہی کی ہدایت اور سب امت
کو نصیحت کرنا اور جھتہ سے علیحدہ رہنا ورنہ دین سے علیحدہ ہو کر جان
بوجھ کر دوزخ میں چلے جاؤ گے۔ اب تم میرے اور اپنے حق میں دعا
کرو پھر خود میرے حق میں بہت دیر تک دعا کی اور فرمایا کہ بس آج

کے دن کے بعد تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ کیونکہ میں نے شہرت کو برا سمجھتا ہوں مجھے تنہائی پسند ہے۔ بس اب نہ کسی سے مجھے پرچھنا اور نہ تلاش کرنا اور مجھے یاد رکھنا اور دعا کرتے رہنا ، میں بھی تمہارے واسطے دعا کروں گا۔ اب تم میرے سامنے چلے جاو میں بھی ادھر کو جاتا ہوں ۔ مجھے ان کے ساتھ تھوڑی دور چلنے کا اشتیاق تھا۔ لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا اس لئے میں روتا ہوا ان سے علیحدہ ہوا اور وہ بھی رونے لگے میں انھیں دیکھتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ وہ بصرہ کے اندر داخل ہو گئے ۔ بعد اس کے میں نے ہر چند تلاش کیا اور لوگوں سے بھی پوچھا لیکن ایسا شخص مجھے نہ ملا کہ ان کی کچھ بھی خبر دیتا اور کوئی ہفتہ مجھ پر ایسا نہ گزرتا تھا جسمیں ایک دو مرتبہ میں ان کو خواب میں نہ دیکھوں۔

مصنف کتاب فرماتے ہیں کہ اویس قرنیؓ نے جیسا کہ اور انبیاء علیہم السلام کا نام تعظیمی الفاظ کے ساتھ لیا ہے۔ حضور کو اس طرح نہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ فقط محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہا تو وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ حضور کا فضل وشرف مشہور ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جس کا فضل وشرف مشہور ہوتا ہے۔ اس کی زیادہ تعریف وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں رہا کرتی چنانچہ ہمارے علماء جس وقت امام شافعی وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں تو فقط شافعی کہہ دیتے ہیں اور جب ان کے کسی شاگرد کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں امام الحفیل سید الجلیل نے ایسا فرمایا ہے اور کئی قسم کے الفاظ ہوتے ہیں اور اسی طرح بعض امراء کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو ان کی فضیلت وغیرہ ذکر کرتے ہیں اور بادشاہوں کے ذکر میں ایسا نہیں کرتے کیونکہ جو مشہور ہو گئی اس کی تعریف کرنے کی کوئی ضرورت

نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر ان کی تعریف کی جائے تو بہت سے الفاظ سے ادا کرنی چاہئے اور بسا اوقات بہت میں قصور ہو ہی جاتا ہے۔ لہذا قاعدہ یہی ہے کہ کانت شھرة قدره مغنیته عن ذکره

اصبغ فرماتے ہیں حضرت اویس قرنیؒ کی یہ حالت تھی کہ جب شام ہوتی تو کہتے بس یہ شب رکوع کرنے کی ہے۔ بس پھر رات بھر رکوع ہی میں رہتے اور بعض اوقات فرماتے کہ آج کی رات سجدے کرنے کی ہے۔ چنانچہ رات بھر سجدہ ہی میں رہتے اور بعض اوقات شام کے وقت جو کچھ کھانا وغیرہ بچتا سب خیرات کر دیتے پھر سجدہ ہی میں رہتے۔ پھر جناب الہیٰ میں عرض کرتے کہ الہٰی اب اگر کوئی بھوکا مر جائے تو مجھ سے مواخذہ نہ کرنا اور جو کوئی ننگا رہ جائے تب بھی مجھ سے کوئی مواخذہ نہ کرنا۔

عبداللہ بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ میں آذربائیجان پر ہماری جنگ ہوئی تھی۔ اور اویس قرنی بھی اس میں ہمارے ساتھ تھے۔ جب ہم وہاں سے لوٹے تو ویس بیمار ہو گئے۔ ہم نے انھیں اٹھانا چاہا لیکن وہ سنبھل نہ سکے وہیں انتقال ہو گیا وہاں کفن اور خوشبو اور قبر وغیرہ پہلے ہی سے تیار تھی۔ ہم نے غسل دیکر اور کفنا کر نماز پڑھ کر دفن کر دیا اور وہاں سے چلے آئے کچھ روز کے بعد جو ہم وہاں گئے حالانکہ ان کی قبر کو ہم جانتے تھے لیکن وہاں قبر نہ تھی اور نہ اس کا کچھ نشان تھا۔ عبدالرحمان ابن ابی لیلی کی یہ روایت ہے کہ صفین کی لڑائی میں کسی نے پکارا کہ کیا ان لوگوں میں اویس قرنی ہیں تو اس وقت حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں شہید ہوئے ملے۔

ایک ولی کے لئے سب انبیاء نے شفارش کی

شیخ ابو محمد حریری فرماتے ہیں کہ میرے دروازہ پر ایک اشہب باز آیا میں نے اس کا شکار نہ کیا۔ اس کے بعد چالیس برس تک میں نے جال لگایا تا کہ وہ یا کوئی اور باز مل جائے لیکن میری مراد پوری نہ ہوئی کسی نے پوچھا اشہب باز کیا تھا۔ کہا ایک آدمی تھا جو عصر کے بعد ہمارے پاس مسافر خانہ میں آیا ۔ جوان۔ رنگ زرد، پراگندہ بال ننگے سر ننگے پاؤں آ کر وضو کیا اور نماز پڑھ کر مغرب تک اپنے گریبان میں منہ ڈالے بیٹھا رہا۔ اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے گریبان میں منہ نہ ڈالے بیٹھا رہا اور ہم لوگوں کو دعوت میں بلانے کے لئے خلیفہ کا آدمی آ گیا۔ میں خود اٹھ کر اس جوان کے پاس گیا اور کہا کہ خلیفہ کے در دولت پر تم ہمارے ساتھ چلو۔ اس نے یہ سن کر سر اوپر اٹھایا اور کہا کہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں کہ میں خلیفہ کے در دولت پر جاؤں۔ باقی میرا دل تو گرما گرم سوہن حلوہ کو چاہتا ہے۔ چونکہ اس نے ہم لوگوں کی بات نہ مانی اور اپنی خواہش ظاہر کی اس لئے میں نے بھی اس کی بات کو نہ سنا، میں نے اپنے دل میں یہ سوچا کہ یہ کوئی نومسلم ہے اس کو ابھی ادب نہیں آیا، یہ سمجھ کر خلیفہ کے مکان پر چلا گیا وہاں ہم سب نے کھانا کھایا اور رات گئے وہاں سے رخصت ہو کر آئے۔ جب میں مسافر خانہ میں پہنچا تو اس جوان کو مین نے اسی طرح بیٹھے ہوئے دیکھا میں بھی تھوڑی دیر اپنے مصلیٰ پر بیٹھا رہا۔ پھر مجھے غنودگی سی آ گئی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ موجود ہیں اور ایک آدمی یہ

کہتا ہے کہ یہ رسول ﷺ ہیں۔ اور یہ آپ کے ہم رکاب تمام انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام ہیں۔ میں نے بھی حضور ﷺ کے سامنے جا کر سلام عرض کیا۔ آپ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ میں دوسری طرف سے گیا تو اس طرف سے بھی منہ پھیر لیا اور کوئی توجہ نہ فرمائی نہ میرے سلام کا جواب دیا۔ میں اس سے بہت گھبرایا اور دست بستہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے ایسی کون سی خطا ہوئی جو حضور میری طرف سے منہ پھیر لیتے ہیں؟ فرمایا ہماری امت کے ایک فقیر نے تم سے اپنی خواہش ظاہر کی تھی لیکن تم نے سستی کی (اور اس کو انجام نہ دیا) اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اور مجھ پر رعب چھایا ہوا تھا۔ میں اٹھتے ہی فقیر کے پاس گیا تو وہ مجھے وہاں نہ ملے۔ میں نے دروازہ کا کھڑکنا سنا تو فوراً ان کی تلاش میں باہر آیا تو وہ باہر نکل چکے تھے۔ میں نے آواز دی کہ اے جوان ذرا ٹھہرو جو چیز تم مانگتے تھے میں ابھی لاتا ہوں۔ تو انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا جب فقیر نے تم سے ایک شے مانگی تو تم نے نہ دی۔ اب ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کرام نے سفارش کی تو تم دوڑے آرہے ہو۔ اب مجھے ضرورت نہیں۔ یہ کہتے ہی مجھے چھوڑ کر چل دیے۔

سچی توبہ

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز مدینہ منورہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا کچھ باتیں کر رہا تھا۔ کہ ایک نوجوان خوبصورت قیمتی لباس پہنے ہوئے آیا اور ساتھ میں اسکے چند یار دوست بھی تھے۔ میں نے وعظ کہا اور وعظ میں یہ بیان کیا کہ بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ ضعیف قوی کی نافرمانی کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی اس کا رنگ زرد ہو گیا اور وہ اسی وقت چلا گیا۔ پھر اگلے روز آکر السلام علیکم کہا اور دو رکعت نفل پڑھ کر میری مجلس میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ سری سقطیؒ میں نے کل تم سے یہ سنا تھا جو تم نے کہا تھا۔ (کہ ضعیف قوی کی نافرمانی کرتا ہے اس کا مطلب کیا ہے۔ میں نے کہا خداوند کریم سے زیادہ کوئی قوی نہیں اور بندے سے زیادہ کوئی ضعیف نہیں۔ لیکن یہ پھر بھی اس کی نافرمانی کیے جاتا ہے یہ سن کر اس وقت تو وہ چلا گیا پھر اگلے روز آیا تو فقط دو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا دوستوں میں سے بھی کوئی ساتھ نہ تھا آکر مجھ سے پوچھا کہ اللہ کے پاس پہنچنے کا کونسا راستہ ہے؟ میں نے کہا اگر تم عبادت کرنا چاہتے ہو تو دن کو روزے رکھو اور راتوں کو نماز پڑھو اور اگر محض اللہ کو چاہتے ہو تو اس کے سوا سب چیزوں کو چھوڑ دو اور مسجدوں یا ویراں جگہ یا قبرستان میں رہا کرو۔ چنانچہ وہ یہ کہتا کھڑا ہو گیا کہ قسم ہے خدا کی میں مشکل راستہ کو ہی طے کروں گا تھوڑے دنوں کے بعد میرے پاس چند لڑکے آئے اور پوچھنے لگے کہ احمد یزید کاتب کو کیا

ہو گیا۔ میں نے کہا میں تو اس کو جانتا بھی نہیں ہوں۔ ہاں ایک ایسی صفت کا آدمی میرے پاس آیا تھا (نہ معلوکون تھا) اور ایسی ایسی چند باتیں مجھ سے پوچھ کر چلا گیا۔ اب اس کا حال مجھے بھی معلوم نہیں (کہ کہاں ہیں) کہا اچھا ہم تمہیں اللہ کی قسم دے کر جاتے ہیں کہ جب تمہیں اس کا حال معلوم ہو ہمیں ضرور خبر کرنا۔ اس کے بعد ایک سال تک مجھے اس کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ ایک روز عشاء کی نماز کے بعد میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک کسی نے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی میں نے اندر آنے کے لئے پکارا تو وہی جوان آنکلا اور میری پیشانی پر بوسہ دے کر کہا اے سریؒ جیسا اللہ نے دنیا کی غلامی سے مجھے آزاد کر دیا ہے۔ ایسا ہی ہمیں دوزخ کی آگ سے آزاد کرے۔ میں نے اسے دیکھ کر ایک اپنے دوست کو اشارہ کر دیا کہ تم ان کے گھر جا کر خبر کر آو (کہ تمہارا آدمی آگیا) وہ اسی وقت گیا۔ اس کے جاتے ہی اس کی بیوی بال بچوں کو لئے ہوئے آئی اس کا ایک بچہ زیور وغیرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس بچہ کو اس کی گود میں ڈال کر کہنے لگی کہ اے میاں تم نے اپنے جیتے جی مجھے رانڈ بنا دیا اور ان بچوں کو یتیم کر دیا۔ اس جوان نے میری طرف دیکھا اور کہا اے سریؒ تم نے یہ کیا بے وفائی کی پھر بیوی بچوں سے کہا خدا کی قسم تم میرے دل کے پھل اور میرے دلی محبوب اور پیارے ہو۔ میری اولاد مجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیاری ہے۔ لیکن کیا کروں اس سریؒ نے مجھے کہا کہ اگر تم اللہ کو راضی رکھنا چاہتے ہو تو اس کے سوا تمام دشے سے قطع تعلق کر لو یہ کہ بچہ پر جو زیور وغیرہ تھا

اتار لیا اور بیوی سے کہا کہ یہ زیور وغیرہ تو بھوکوں تنگوں کو دیدو اور میری کملی میں سے تھوڑا سا پھاڑ کر اس کے بدن پر ڈال دو۔ بیوی نے کہا اللہ کی قسم میں اپنے بچہ کو ایسی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتی اور بچہ اس سے چھین لیا اس جوان نے دیکھا کہ اس کی بیوی نے تو وہ منہ چڑھا لیا ہے۔ فوراً کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اس رات کو تم نے مجھے اپنے اللہ کی یاد بھی نہ کرنے دی پھر اسی وقت نکل کر چل دیا اور اور گھر میں رونے پیٹنے کا شور مچ گیا پھر اس کی بیوی (جاتے ہوئے) کہہ گئی کہ اگر اب کے پھر آئے یا تم کہیں خبر سنو تو مجھے ضرور اطلاع کر دینا۔ میں نے کہا انشا اللہ تعالیٰ (اگر کہیں معلوم ہوا تو خبر کرادوں گا)۔ ایک عرصہ دراز کے بعد ایک بڑھیا میرے پاس آئی اور کہا اے سری! مقام شونیزیہ میں ایک لڑکا آپ کا پوچھتا تھا میں گیا تو وہی جوان پڑا ہوا تھا سر کے نیچے کچی اینٹ رکھی ہوئی تھی۔ میں نے سلام علیک کی۔ سن کر فوراً آنکھیں کھولدیں اور کہنے لگا اے سری تمہارا کیا خیال ہے کہ (اللہ کے ہاں) میری خطائیں معاف ہو جائیں گی؟ میں نے کہا ہاں۔ کہا کیا میرے جیسوں کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ کہا میں تو گناہوں میں غرق ہوں؟ میں نے کہا وہ غرق ہونے والوں کو بھی بچا دیتا ہے کہا میرے ذمہ بہت ظلم اور لوگوں کے حق ہیں؟ میں نے کہا حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے خود توبہ کر لی۔ قیامت کے دن اسے اور اس کے حق داروں کو بلایا جائے گا۔ اور انہیں یہ حکم ہوگا کہ تم اسے چھوڑ دو اور اس کی طرف سے اللہ معاوضہ دے گا پھر اس نے کہا اے سری سقطیؒ

میرے پاس کچھ گھٹلیوں کی بکریوں میں سے چند درہم ہیں میں جس وقت مرجاؤں تو جس چیز کی میرے لئے ضرورت ہو اسی میں سے خرید کر کفن کردینا اور میرے گھر والوں کو خبر نہ کرنا۔ ورنہ وہ حرام کی کمائی میں سے میرا کفن خرید کر میرا کفن بدل دیں گے میں اس کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا رہا۔ اور اس نے آنکھیں کھولے رکھیں اور یہ پڑھا لمثل هذا فليعمل العاملون۔ (یعنی عمل کرنے والوں کو ایسے ہی اجر لئے عمل کرنے چاہیں) پھر وہ فوت ہو گیا میں نے وہ درہم لئے اور جس جس چیز کی ضرورت تھی خریدنے گیا۔ ابھی واپس آہی رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ لوگ گھبرائے ہوئے آرہے ہیں۔ میں نے کہا خبر تو ہے۔؟ کہا ایک اولیاء اللہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ ہم اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے جارہے ہیں خیر میں نے آکر اسے غسل دیا اور ہم سب نے نماز پڑھ کر دفن کر دیا۔ ایک مدت دراز کے بعد اس کے گھر والے خبر لینے کے لئے میرے پاس آئے میں نے اس کی موت کو ان پر ظاہر کر دیا اسی وقت اس کی بیوی رونے پیٹنے لگی۔ میں نے اس کا سارا حال اس سے بیان کیا، کہا خیر مجھے اس کی قبر دکھلا دو؟ اس پر مجھے اندیشہ ہوا کہ اب کہیں یہ اس کا کفن نہ بدل دیں۔ (اور اس پر بھی یہ ظاہر کر دیا اس نے کہا اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا (آپ اطمینان رکھیں) خیر میں نے اسے قبر دکھادی۔ پھر اس نے دو گواہ بلوائے اور ان کے رو برو اپنی سب لونڈیاں آزاد کر دیں اور زمین کو وقف اور مال کو خیرات کر دیا اور اپنے مرنے تک قبر کو نہ چھوڑا آخر اس کا وہیں انتقال ہو گیا۔

ابراہیم بن ادہم کی توبہ کا سبب

روایت ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ بڑے شاہزادوں میں سے تھے ان کے گھر اور مال و دولت چھوڑ کر نکل جانے کا سبب یہ تھا کہ ایک روز وہ شکار کے لئے گئے اور ایک لومڑی یا خرگوش کو نکالا ابھی اس کی تلاش میں تھے کہ غیب سے آواز آئی کہ کیا تم اسی لئے پیدا کئے گئے ہو کیا تم کو یہی حکم کیا گیا ہے؟۔ پھر ان کے گھوڑے کی زین سے یہ آواز آئی کہ نہیں نہ ہم اس کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور نہ ہم کو یہ حکم کیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی ابراہیم سواری سے اترے اور چرواہے کا کمبل کا کرتہ لے کر پہن لیا۔ اور اپنا گھوڑا اور سامان سب اس چرواہے کو دے دیا اور خود اسی حالت سے جنگل کو نکل گئے۔

دنیا اولیاء کی خدمت کرتی ہے

شیخ ابوالفوارس شاہ ابن شجاع کرمانی ایک روز شکار کو نکلے اس زمانہ میں یہ کرمان کے حاکم تھے۔ شکار کی تلاش میں بہت کچھ پھرے یہاں تک کہ تن تنہا ایک جنگل بیابان میں پہنچ گئے۔ کیا دیکھا کہ ایک نو جوان درندہ پر سوار ہے۔ اور بہت سے درندے اس کے ارد گرد ہیں۔ جب درندوں نے شاہ ابن شجاع کو دیکھا تو فوراً ان کی طرف جھپٹے۔ تو اس جوان نے ان کو روک لیا۔ اور ان کے قریب آیا تو اول سلام علیک کی اور کہا کہ اے شاہ اللہ تعالیٰ

سے کس قدر غافل ہو کر دنیا کے لئے آخرت کو بھول رہے ہو اور
اپنی لذت وخواہش کی طلب میں اپنے آقا مالک کی خدمت
سے منہ پھیر رہے ہو۔ تمہیں تو خدا نے دنیا اس لئے دی ہے کہ
اس کی مدد سے اللہ کی خدمت گزاری میں کوشش کرو لیکن تم نے
اسے عیش کا وسیلہ بنالیا ہے۔ وہ نوجوان ابھی اس کو نصیحت کر رہے
تھے کہ یکایک ایک بڑھیا ہاتھ میں پانی کا پیالہ لئے ہوئے نکلی اور
اس جوان کو دے دیا اس نے پہلے خود پیا پھر باقی بچا ہوا شاہ کو
دے دیا۔ انہوں نے پی کر کہا کہ ایسی ٹھنڈی اور میٹھی مزہ دار شے
میں نے کبھی نہیں پی۔ اتنے میں وہ بڑھیا غائب ہوگئی۔ پھر اس
جوان نے کہا کہ یہ بڑھیا دنیا ہے۔ میری خدمت کرنے کے لئے
اللہ تعالیٰ نے اسے مقرر کر دیا اور کہا تمہیں معلوم نہیں جس وقت اللہ
نے دنیا کو پیدا کیا تھا تو یہ فرمایا تھا کہ اے دنیا میری خدمت کرے
تو اسکی خدمت کرنا اور جو تیری خدمت کرے تو اس سے خدمت
لینا۔ جب شاہ نے یہ واقعہ دیکھا تو فوراً توبہ کی اور پھر جو کچھ ان
سے ظاہر ہونا تھا ظاہر ہوا۔

مالک بن دینار کی توبہ کا خوبصورت واقعہ

حضرت مالک بن دینار ؒ سے کسی نے ان کی توبہ کرنے کا سبب پوچھا تو فرمایا۔ میں شرابی آدمی تھا ہر وقت شراب خواری میں ڈوبا رہتا تھا۔ میں نے ایک بہت حسین خوبصورت لونڈی خریدی اور اس سے خوب مجلس کی اس سے میری ایک بیٹی ہوئی اس سے بھی مجھے از حد محبت ہوگئی جس وقت وہ پاؤں چلنے لگی تو میرے دل میں اس کی الفت ومحبت اور زیادہ ہوتی چلی گئی اور اکثر یہ ہوتا کہ جب میں شراب لے کر بیٹھتا وہ میرے پاس آتی اور مجھ سے چھین کر میرے کپڑوں پر گرا جاتی۔ جب وہ پوری دو برس کی ہوئی تو اس کا انتقال ہو گیا۔ مجھے اس کے رنج وصدمہ نے بالکل تباہ کر دیا تھا۔ جب ماہ شعبان نصف گزر چکا اتفاق سے جمعہ کی شب بھی تھی میں شراب میں مست ہو کر سو رہا عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی (میں نے خواب میں) دیکھا کی قیامت برپا ہے اور اہل قبور قبروں سے نکل نکل کر آرہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ ہوں مجھے اپنے پیچھے کچھ کھس کھساہٹ سی معلوم ہوئی میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک بہت بڑا کالا سانپ میری طرف منہ کھولے دوڑا آرہا ہے۔ میں نے خوف کے مارے اس کے آگے آگے بھاگا جا رہا ہوں رعب مجھ پر چھایا ہوا ہے۔ میں ایک راستہ سے گزرا تو ایک بوڑھے آدمی سفید کپڑے پہنے خوشبو لگائے ہوئے ملے۔ میں نے ان سے گریہ وزاری کی (کہ مجھے اس سانپ سے بچا دیجئے) تو انھوں نے فرمایا میں ضعیف آدمی ہوں یہ مجھ سے زیادہ زور آور ہے۔ اس لئے

میں نہیں بچا سکتا لیکن تم جاؤ دوڑو نہیں شاید اللہ تعالیٰ تمہاری نجات کا سبب پیدا کر دے۔ پھر میں اور بھی زیادہ بھاگا اور ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ وہاں سے دوزخ کی لپٹیں اور ان کے طبقے نظر آنے لگے۔ میں اسی سانپ کے اندیشہ سے جو میرے پیچھے آرہا تھا۔ قریب تھا کہ ان میں جا پڑوں اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ ''پیچھے ہٹ تو دوزخی نہیں'' اس کے کہنے پر مجھے اطمینان ہوا اور میں پیچھے ہٹا لیکن وہ سانپ میرے پیچھے تھا۔ پھر مجھے آواز آئی تو میں اس وقت ان بوڑھے صاحب کے پاس پھر آیا اور کہا کہ آپ سے میں یہ چاہتا تھا کہ مجھے اس سانپ سے بچادیں آپ نے قبول نہ کیا یہ سن کر وہ رونے لگے اور فرما یا میں خود کمزور اور ناتواں ہوں لیکن تم اس پہاڑ پر جاؤ یہاں مسلما نوں کی امانتیں جمع ہیں اگر تمہاری بھی کوئی شے امانت رکھی ہوگی تو اس سے مدد مل جائے گی میں نے دیکھا تو وہ گول پہاڑ تھا بہت سے دروازے اس میں بنے ہوئے ان پر پردے پڑے ہوئے اور ہر دروازہ کی دونوں چوکھٹیں سونے کی یاقوت اور موتی جڑے ہوئے ہر دروازے پر ریشمی پردے تھے۔ جس وقت میں نے اس پہاڑ کو دیکھا تو میں اس کی طرف دوڑا اور وہ سانپ بھی میرے پیچھے دوڑا۔ جب میں اسکے قریب پہنچا تو چند فرشتوں نے پردے اٹھا کر اس کے دروازے کھول دیئے اور انہوں نے خود ہی دیکھنا شروع کر دیا کہ شاید یہاں اس ناامید کی کوئی امانت مل جائے اور اسے اس کے دشمن سے بچا لے۔ جس وقت پردے اٹھ گئے اور دروازے کھل گئے تو بہت سے بچے چاند سے چہرے چمکاتے ہوئے نکلے اور وہ سانپ میرے پاس

ہی آ گیا تھا میں اپنی فکر میں نہایت ہی حیران اور پریشان تھا اتنے میں ایک بچے نے چیخ کر کہا کہ افسوس تم سب تو موجود اور وہ سانپ اس کے پاس پہنچ گیا۔ یہ سنتے ہی بچوں کی ایک جماعت نکلی اور میری بیٹی جو مر گئی تھی یکایک وہ بھی آنکلی اور مجھے دیکھ کر رونے لگی اور کہا ہائے واللہ میرے ابا! یہ کہتے ہی تیر کی طرح ایک نورانی مکان میں چلی گئی۔ پھر اپنا بایاں ہاتھ میری دہنی طرف بڑھایا تو میں اوپر چڑھ گیا اور اپنا داہنا ہاتھ اس سانپ کی طرف کیا تو وہ فوراً پیچھے کی طرف بھاگ گیا۔ پھر اس نے مجھے بٹھا لیا اور خود میری گود میں بیٹھ گئی اور میری داڑھی پر ہاتھ مار کر کہا اے ابا

الم یا ن للذین آمنو ا ان تخشع قلو بھم لذکر اللہ و ما نذل من الحق۔

یعنی کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور نازل شدہ عبرتوں سے مسلمانوں کے دل ڈر جائیں اس پر میں رونے لگا۔ میں نے پوچھا کہ اے بیٹی کیا تم قرآن شریف بھی سیکھتی ہو۔ کہا کہ ہم تم ہی سے سیکھتے ہیں۔ میں نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ کہ یہ سانپ جو مجھے کھانے کو آتا تھا۔ یہ کیا بلا تھی؟ کہا یہ تمہاری بدافعالیوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ تھا۔ تم ہی نے اسے بڑھا بڑھا کر ایسا قوی کر دیا تھا کہ اب تمہیں یہ دوزخ میں جھونکنا چاہتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ بوڑھے صاحب کون تھے۔ جن کے کہنے پر میں آیا تھا؟ کہا اے ابا یہ تمہارے اعمال کے مقابلے اور نیک افعال تھے۔ تم نے ان کو ایسا ضعیف و ناتواں کر رکھا ہے۔ کہ تمہارے بداعمال کے مقابلے کی ان میں طاقت نہیں ہے۔

میں نے پوچھا کہ تم اس پہاڑ میں کیا کرتی ہو؟ کہا ہم سب مسلمان کے بچے ہیں قیامت آنے تک ہم یہاں رہیں۔ گے۔ تمہارے آنے کا ہمیں انتظار رہتا ہے تا کہ ہم تمہارے لئے سفارش کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد میری آنکھ کھلی تو میں گھبرایا اور مجھ پر رعب چھایا ہوا تھا۔ جب صبح ہوئی تو جو کچھ میرے پاس تھا سب دے دیا اور اللہ کے سامنے توبہ کی۔ بس یہی میری توبہ کا باعث ہوا۔

(کراماتِ ولیاء وغیرہ)

حضرت میر سید ظہیر الدین و میر سید فرید الدین رحمتہ اللہ علیہ المعروف میر صاحبؒ (وشہ بگ پلوامہ کشمیر)

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا　　او نشنید در حضور اولیاء
چوں شوی دور از حضور اولیاؑ　　در حقیقت گشتہ دو راز خدا
یک زمانے صحبتے با اولیاء　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

(امام جلال الدین رومی)

یک زمانہ صحبتے با انبیاء، بہتر از ہزار سالہ طاعت بے ریا
یک زمانہ صحبت با مصطفےٰ، بہتر از لاکھ سالہ طاعت بے ریا

اصحاب تواریخ کا بیان ہے کہ حضرت میر سید ظہیر الدینؒ اپنے وقت کے ولی کامل اور عارف باللہ تھے۔ آپ ولایت کے عظیم الشان مراتب

عالیہ پر فائز تھے۔ آپ سے بے شمار کرامتوں کا ظہور و صدور ہو چکا ہے۔
تاریخ کبیر در ذکر سادات صفحہ نمبر ۴۳ پر مذکور ہے کہ آپ کے برادر اصغر حضرت میر سید فرید الدین آپ کے خلیفہ و جانشین تھے۔ حضرت میر سید فرید الدینؒ بھی بہت بڑے صوفی صافی تھے۔ آپ سے بھی بے شمار کشف و کرامات کا ظہور و صادر ہونا ثابت ہے۔ کہا گیا ہے کہ دونوں برادران نے سرزمین پلوامہ آ کر خانقاہیں تعمیر کی درس و تدریس شروع کیا اور گھر گھر جا کر لوگوں کو علم و ادب اور کتاب و سنت سے فیضیاب کیا۔ اس طرح آپ دونوں برادران نے یہاں اشاعت دین کی خدمت فرما کر لوگوں کے دلوں میں توحید و رسالت کا شمع فروزاں کیا۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزارروں کی تقدیر دیکھی

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آج جہاں حضرت میر صاحبؒ کا مقبرہ ہے وہاں مقرب ربانی حضرت میر سید محمد ہمدانیؒ نے کچھ عرصہ قیام فرمایا تھا۔ اہل علم و اہل معرفت نے بارہا حضرت میر صاحبؒ کا دیدار کیا ہے۔ اور ان سے فیض بھی لیا ہے۔ راقم بھی کئی مرتبہ خواب میں حضرت میر صاحبؒ کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوا ہے۔ اس مقام پر اس خواب کے احوال و کوائف کو بیان کرنے کی اجازت نہیں۔ حضرت میر صاحبؒ کے بارگاہ عالیہ سے مصیبت زدوں کی مصیبتوں کا فرو ہونا۔ غم زدوں کے غم کا خوشی میں بدلنا۔ نظر بصیرت کا حاصل ہونا یہ فیضان حضرت کی بار

گاہ عالیہ سے جاری وساری ہے۔اور خصوصیت کے ساتھ حضرت کے آستانہ عالیہ میں جو چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں اور راقم خود بھی چند سالوں سے جن چیزوں کا مشاہدہ کررہا ہے وہ یہ کہ دور دراز سے لوگ اپنی اپنی حاجت لیکر آپ کی بارگاہ عالیہ میں آکر حاضری دیتے ہیں اور اپنی اپنی نذر مانتے ہیں پھر چند ہی دنوں کے بعد حاجت پوری ہونے کے باعث دوبارہ آکر حاضری دیتے ہیں اور چادر پوشی، گل پوشی کرتے ہیں (لیکن یہ بات یاد رہے کہ یہاں چادر پوشی، گل پوشی کا طریقہ باقی جگہوں سے کچھ مختلف ہے) نیز تہری بھی بانٹتے ہیں۔ پوچھے جانے پر بتاتے ہیں کہ فلاں فلاں مراد لیکر کچھ دن پہلے آیا تھا۔ مرادیں پوری ہوگئیں اس لئے منت ادا کرنے کے لئے آیا ہوں۔اور خصوصاً ریاست جموں وکشمیر کے مایۂ ناز عالم نبیل فاضل جلیل حضرت علامہ سید غلام مصطفیٰ اندرابی صاحبؒ نے سالہا سال اس بارگاہ عالیہ میں حاضری دے کر اپنی عقیدت کا نذرانہ پیش کیا ہے۔اور بہت سے عقیدت مندوں کو بھی حضرت میر صاحبؒ کے دربار عالیہ کے فیوض و برکات کے بارے میں آگاہ کیا ہے۔اور وادی کشمیر کے مشہور ومعروف عالم دین قاید اہلسنت حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی مدظلہ العالی تقریباً نصف صدی سے حضرت میر صاحبؒ کے خانقاہ فیوض پناہ میں اپنے مواعظ حسنہ سے لوگوں کو روشناس کراتے ہیں اور دوران تقریر اکثر وبیشتر حضرت میر صاحبؒ کا ذکر خیر کرتے رہتے ہیں۔

اور یہ سلسلہ آج بھی نہایت ہی شان وشوکت کے ساتھ جاری وساری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی وادی کشمیر کے گرد ونواح سے بڑے بڑے علمائے کرام وصوفیانِ عظام حضرت میر صاحبؒ کی بارگاہ عالیہ میں اپنی

اپنی عقیدت کا نذرانہ لیکر محبتوں کا پھول لے کر ایمان و عقیدت کی سوغات لیکر حضرت میر صاحبؒ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنے دامن کو گوہر مراد سے مالا مال کرتے ہیں۔

تاریخ کبیر کی روایت کے مطابق حضرت میر سید ظہیر الدینؒ کی تاریخ وفات دس ماہ صفر المظفر ہے۔

آپ کا آستانہ عالیہ موضع پلوامہ محلّہ وشہ بگ (جس کو زمانہ قدیم میں پرگنہ چھراٹ بھی کہتے ہیں) میں مشہور و معروف اور مرجع خلائق خاص و عام ہے۔

اخیر پر میں محترم مولوی محمد امین صاحب وشہ بگ پلوامہ کا (جو اس در بارگاہ عالیہ کے پرورده اور خادم بھی ہیں) بے حد مشکور ہوں جنہوں نے خاصی دلچسپی لے کر راقم کو حضرت میر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق معلومات فراہم کرایا مولا تبارک تعالیٰ موصوف مذکور کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

اگر دنیا سراسر باد گیرد
چراغِ اولیاء ہرگز نمیرد